مسلم قوم اور خصوصاً مسلم خواتین کی زبوں حالی پر آپ کا دل بہت دکھا ہے اور ان ہی خواتین کی مذہبی، اخلاقی، سماجی اور تمدنی اصلاح آپ کی شاعری کا ایک خاص موضوع بن گیا ہے آپ تعلیم نسواں کی بھی زبردست

[بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ سے]

منوّر جاں۔ مطہر جسم۔ عنبر زلف۔ شکّر لب
مسیحا دم۔ سلیماں جاہ۔ یوسف چہر۔ موسےٰ خو
وفا کیش و وفادار و وفا جوئی و وفا پرور
نکو چہر و نکو زلف و نکو چشم و نکو ابرو
نگہ جاں بخش و جاں افزا و جاں آسا و جاں پرور
ادا دل بر۔ عطا دل وہ۔ حیا دلکش۔ وفا دل جو
رضا کوش و رضا کیش و خدا بین و خدا بندہ
نکو رائے و نکو روئے و مبارک جاں مبارک خو
زعشق تو۔ زرعب تو۔ زغیر تو۔ زجود تو
سرم جوشاں۔ لبم ساکت۔ دلم خالی۔ کفم مملو
قتیل حسرت و یاد و غم و ہجر ترا باشد
مرض درماں۔ اجل عیسیٰ کفن خلعت۔ لحد مشکو
ز سوز آہ و درد عشق و رنج ہجر و داغ غم
بدل شور و بسر جوش و بچشم اشک و بلب یا رغو

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

علمبردار تھیں مگر آپ اس انتہا پسند طبقہ میں شامل نہیں تھیں جو مغربیت
کے سیلاب میں بہہ کر اپنی منزل فراموش کر چکا ہے۔ جہاں آپ نے
قدیم، جاہل، رجعت پسند اور وہم پرست طبقہ پر تنقید کی ہے وہاں انتہا پسند

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ سے)

قرارو۔ راحت و۔ آرام و۔ آسایش۔ نمی بینم
نہ بر بستر۔ نہ بر بالش۔ نہ ایں پہلو۔ نہ آں پہلو

نیابم مونس و یار و انیس و۔ دوست می بینم
گہے ایمن۔ گہے البستر گہے ایں سو۔ گہے آں سو

نمی ترسم برو۔ رند و خراب و مست و زشتم گو
بہر ساعت۔ بہر ہنگام۔ در ہر خانہ۔ در ہر کو

مشو بے درد۔ رنج و حزن و غم بیدل! اکہ خوش نبود
تن بے جاں۔ رگ بے خوں یم بے دُر گل بے بُو

بہائے حسرت و ارماں و افکار و۔ الم مشکن
بہ فریاد و۔ بافغان و۔ بزاری و بہائے و ہو

طبیبا! چارہ ام جز مرگ و۔ درد و زخم و سم نبود
مہر خجلت مکن درماں۔ منہ مرہم مدہ دارو

شہا۔ مائیم کج رفتار و۔ خوار و زار و بد سیرت
توئی ہادی۔ توئی شافع۔ توئی راحم۔ توئی خوشخو

بقیہ اگلے صفحہ پر

طبقہ کی گمراہی اور اس سے اپنی بیزاری کا بھی اعلان کیا ہے، قومی اور ملی رنگ آپ کی شاعری پر چھایا ہوا ہے مگر آپ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اغیار پر نکتہ چینی کرتے وقت "سفیدانِ فرنگی" کے خلاف کچھ لکھتے ہوئے آپ کا قلم جھجکتا تھا۔ معلوم نہیں کہ غور و فکر کے بعد محترمہ اس نتیجہ پر پہنچی تھیں یا اقتضائے وقت و مصلحتِ زمانہ کے اعتبار سے آپ نے یہ طرزِ عمل اختیار کیا تھا۔

آپ کے کلام کا رنگ ناصحانہ ہے، خواتین کی درستیٔ اخلاق کے متعلق آپ نے بہت کچھ لکھا ہے اور خدا پرستی، اطاعتِ شوہر، تربیت اطفال، خانہ داری وغیرہ تمام نسوانی فرائض پر موثر انداز میں اظہارِ خیال کیا ہے مگر چونکہ پند و نصائح دراصل روح شاعری کے منافی ہیں جب تک کہ کہنے والا استنے بلند پایہ کا شاعر نہ ہو کہ اپنی شعریت کی رنگینی میں ان ٹھوس اور خشک مسائل کو چھپالے، اس لئے گو اخلاقی اعتبار سے محترمہ کا کلام حد درجہ قابلِ قدر ہے، پھر بھی جہاں تک صرف "شاعری" کا تعلق ہے اس میں زیادہ کیف، سرور، رنگینی اور ربودگی نہیں پائی جاتی!

[بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ سے]

خیال و فکرت و قلب و دہانِ من زمدح تو
پُراز حور و، پُراز نور و پُراز طور و، پُراز لولو

محترمہ نہایت پرگو شاعرہ تھیں۔ آپ نے ہر عنوان اور ہر موضوع پر قلم اُٹھایا ہے۔ آپ کے یہاں نظمیں، غزلیں، قصیدے، مسدس، قطعے، بند، رباعیاں اور سہرے سب ملتے ہیں۔ آپ نے حمد، نعت و منقبت پر بھی قلم اُٹھایا ہے، عرفان و حقیقت کے مضامین بھی نظم کیے ہیں، تہنیت اور تعزیت پر بھی نظمیں لکھی ہیں۔ آپ نے تاریخیں بھی کہی ہیں اور تضمینیں بھی نیچرل شاعری کی مثالیں بھی آپ کے یہاں موجود ہیں اور جذبات نگاری کی بھی، آپ نے معارفِ ملیہ پر بھی قلم اُٹھایا ہے اور بصائرِ سیاسیہ پر بھی، آپ اپنی قومی ملّی اور اخلاقی نظموں میں اقبالؒ کے رنگ سے متاثر نظر آتی ہیں۔ اکبر الٰہ آبادی کے مخصوص رنگ کی مثالیں بھی جستہ جستہ آپ کے یہاں موجود ہیں۔

مسدّس

اخلاقی، ملکی و ملّی شاعری (ناصحانہ رنگ)

میں نے مانا کہ خموشی ہی بیاں سے بہتر
لب بہ پیوستہ لبِ شہد فشاں سے بہتر
صبر شیون سے، شکیبائی فغاں سے بہتر
دل ہے اسرار کے رہنے کو زباں سے بہتر
پر ہر اک شے کے لئے حد ہے معیّن لوگو
ضابطِ دردِ ہو کب تک جگر زن لوگو
مہد سے تا بلحد ظلم اُٹھائے صدیوں
تیر پر تیر دلِ خستہ نے کھائے صدیوں

چپکے چپکے گہر اشک لٹائے صدیوں قصص حسرت دل دل کو سنائے صدیوں

صنفِ غالب ہیں گر اس صبر و سکوں کا شمہ

سعی و تفتیش سے مل جائے تو میرا ذمہ

بھائیو! آہ رہے سینہ میں مدفوں کب تک دل ہی دل میں گلۂ طالع وارُوں کب تک

آستیں سے ہو نہاں دیدۂ پُرخوں کب تک غم کو پوشیدہ رکھے خاطرِ محزوں کب تک

حالِ دل کیوں نہ کہیں؟ منھ میں زباں رکھتے ہیں

ہم بھی پہلو میں دل اور جسم میں جاں رکھتے ہیں

کیا کہوں کیسے الم دیدہ و ناشاد ہیں ہم خستۂ جور ہیں ہم کشتۂ بیداد ہیں ہم

تختۂ مشقِ سناں بازیِ صیاد ہیں ہم آدمی کا ہے کو ہیں پیکرِ فولاد ہیں ہم

ہائے یہ ظلم - کہ بے جرم چلائیں خنجر

اس پہ یہ حکم - کہ فریاد نہ آئے لب پر

آتشِ ظلم سے دنیا ہوئی دوزخ ہم پر پھونک ڈالا تپ دق بن کے غموں نے اکثر

بے اجل مرتے ہیں ہم خانہ کے اندر گھٹ کر ہیں جو تنگی میں منافق کی لحد سے بدتر

ڈاکٹر کہتے ہیں "در کھولو ہوا آنے دو"

سنگدل کہتے ہیں - ہرگز نہیں مر جانے دو"

یاد ایام کہ تھا بخت فدائے مسلم ڈھونڈھتے تھے فلک و ارض رضائے مسلم

دلِ ہرقل کو ہلاتی تھی ندائے مسلم تاجِ ایران تھا زیرِ کفِ پائے مسلم

رتبۂ انتم الاعلون[1] تھا اس کے لائق

---

[1] لا تھنوا و لا تحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مومنین سست و غمگین نہ ہو۔ اگر تم مومن ہو تو (ضرور) علو مراتب حاصل کروگے۔ (الآیہ)

قولِ اکملت لکم دینکم اس پر صادق

ہم سے خالی نہ تھی یوں انجمن قلَّ اقُول
نہ گرا پایا تھا ہیں صورتِ حرفِ معلول
عائشہ کے دہنِ پاک سے جھڑتی تھی جو پھول
آج تک ہیں وہ بہارِ چمن شرع رسول

عرصۂ جنگ میں بھی ہم نے کیے کار رفیع
صنفِ نازک سے نہ تھی خولہ جانباز و شجیع

کون مسلم؟ وہی فرمانبر شاہ انساں
ہاں وہی مصلح اخلاق تباہ انساں
ہاں وہی اوج وہ رابتِ جاہ انساں
ہاں وہی نوردہ بخت سیاہ انساں

ہاں وہی واقف عقلیت اسباب و علل
ہاں وہی واصف حریت افکار و عمل

مرد و زن مل کے اٹھا سکتے ہیں وہ اثقل بار
کانپ اٹھا جس سے دلِ ارض و سپہر دوّار
مرد و زن مل کے لگا سکتے ہیں وہ کشتی پار
جو خلیج متلاطم میں پڑی ہے بیکار

آؤ وحدت کی امانت کو اٹھالیں مل کر
آؤ، اسلام کی کشتی کو بچالیں مل کر

شوق نظارۂ تھیٹر و بازار نہیں
مقصدِ حریت و علم یہ زنہار نہیں
حکم برداری شوہر سے بھی انکار نہیں
بخدا پردہ دری کے بھی روادار نہیں

ہے حیا بادشہ علم کے سر کا افسر

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کیا اور تم کو اتمام نعمت سے مشرف فرمایا اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا (قرآن کریم)

قول مشہور ہے "العلم حجاب الاکبر"[۱]

سدِ راہِ ستمِ فتنہ گراں ہے پردہ — خازنِ عصمت گنجِ نہاں ہے پردہ
مظہرِ شانِ خداوندِ جہاں ہے پردہ — جذبۂ غیرتِ مسلم کا نشاں ہے پردہ

اثرِ عصر سے محفوظ ہے پردے کا وجود
دور ہوں اس سے جو نا قابلِ برداشت قیود

مرد کا رتبہ گھٹانا نہیں ہرگز منظور — زن کی بے شبہ رضا جوئیِ شوہر ہے ضرور
لیکن اس کو تو فراموش نہ فرمائیں حضور — بطنِ عورت سے ہوا نورِ محمدؐ کا ظہور

یہ تنفر یہ حقارت کی نگاہیں کب تک
عرش جنباں ہوں خواتین کی آہیں کب تک

کچھ سنانے کیلئے آئی ہوں اس دم سُن لے — کوئی سنتا نہیں تو ہی سخنِ غم سن لے
میرے آقا میرے پیغمبرِ اعظم سن لے — بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ[۲] شہِ عالم سن لے

نکتہ چیں ہیں غمِ دل ان کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے (غالب)

تو جب اے آمنہؓ کے نورِ نظر آیا تھا — دہر انوار سے معمور نظر آیا تھا
منظرِ قوتِ جمہور نظر آیا تھا — قیصرِ دل زدہ مقہور نظر آیا تھا

---

۱ علم بہت بڑا حجاب ہے (امام غزالیؒ کا قول)

۲ میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔

پہلے آموختہ کبر بھلایا تو نے
پھر سبق عزت نسواں کا پڑھایا تو نے

سنگدل بھول چکے ہیں سخن استوصوا[1] | نہ قواریر[2] سے ہے رفق پہ مائل سر مو
اتقوا اللہ[3] سے اب ان کا نہیں خشک لہو | نہ یہ پروا کہ محب زن مظلوم تھا تو

آہ کیا جوش کرم ہے ترے اس فرمان میں
یہی بہتر ہیں جو بہتر ہیں حق نسواں میں[4]

طلب العلم فریضة[5] سے ہیں اگرچہ آگاہ | رکھتے ہیں ایسی احادیث سے دل میں اکراہ
لوٹ دیتے ہیں ورق پھیر کے جلدی سے نگاہ | گر لکھا پاتے ہیں لا تمنعوا[6] اماء اللہ

یاد ایام کہ منکر ہوئے جب اس سے بلال رض
ان سے پھر بات نہ کی باپ نے تا روز وصال

---

[1] استوصوا بالنساء خیرا۔ الخ عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرو (الحدیث)

[2] رفقا بالقواریر۔ شیشوں کو ٹھیس نہ لگاؤ (الحدیث)

[3] اتقوا اللہ فی النساء۔ فانکم اخذ تموھن بامان اللہ الخ عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو کہ تم نے انھیں امان خداوندی میں لے رکھا ہے (الحدیث)

[4] خیارکم خیارکم لنساءکم (الحدیث)

[5] طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة۔ طلب علم ہر مسلمان مرد و زن پر فرض ہے (الحدیث)

[6] لا تمنعوا اماء اللہ عن مساجد اللہ۔ اللہ کی کنیزوں کو مسجدوں میں جانے سے نہ روکو۔ (الحدیث)

پردہ شرع پر گر غور ہو ٹھنڈے دل سے　　پردۂ رسم کا شمہ بھی نہ ملے مشکل سے
تھا شغف گرچہ تجھے حریت کامل سے　　مگر اغیار ہیں اس امر میں کچھ جاہل سے

کیا کہوں کس نے تری شرع کو بدنام کیا
ہائے افسوس تری قوم نے یہ کام کیا

یا نبی اپنے لب بستہ کو جنباں کردے　　قُم باذنی سے تن عدل کو ذیجاں کردے
مرد کو زن کے ستانے پہ پشیماں کردے　　یعنی پھر باغچہ قوم کو خنداں کردے

پھیل جائے چمن دہر میں بوئے اسلام
غنچہ ساں سر بگریباں ہو عدوئے اسلام　　(آئینہ حرم صہ۲۱)

تصادم رواج و شرع

"صوبہ پنجاب میں لڑکیوں کو محروم الارث کرنے کا جو شریعت سوز رواج قائم ہے اس کو سنہ ۱۹۱۵ء میں قانونی استحکام بخشنے کی تجویز زیر بحث تھی خاکسار نے بھی بذریعہ اخبار حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا (ن-خ-ش)

جو حق پرست تھا وہی دنیا پرست آج　　مسلم شراب حرص و ہوا سے ہی مست آج
روز جزا کی فکر دماغوں سے دور ہے　　جسطرح دل سے عظمت یوم الست آج
اسلام کے وجود میں ہے اختلاف رائے　　ہستی میں ہے مباحثہ نیست ہست آج
خود کام چاہتے ہیں کہ پائے رواج فتح　　شرع محمدی کو ہو رن میں شکست آج

رائج ہو زن کو ترکہ نہ ملنے کی رسم بد
ہو فیصلہ شریعت حقہ کا مسترد　　آئینہ حرم صہ۲۲

معارفِ مآبیہ

کیا ہوئی اے مرے اسلام! وہ شوکت تیری
ہائے کس گوشہ میں روپوش ہے سطوت تیری

اے رسولِ عربی! اے شرف افزائے رسل
اب بھی قرباں ہے ترے نام پہ اُمت تیری

جوش زن اب بھی دماغوں میں ہے سودا تیرا
جلوہ گر اب بھی دلوں میں ہے محبت تیری

حرزِ جاں اب بھی ہے قرآنِ مقدس اپنا
اب بھی محفوظ ہے سینوں میں امانت تیری

آج بھی مرجعِ آفاق ہے مولد تیرا
آج بھی مرکزِ زوّار ہے تربت تیری

تا کجا لب پہ رہے شورِ متٰی نصر اللہ
تا کجا جور کش دہر رہے ملّت تیری

اے مہِ فیض! یہ اندھیر مٹا سکتی ہے
طرفۃ العین میں اک چشمِ عنایت تیری

دقائق

خودی کہتی ہے شوقِ دیدِ جاناں میرے دم سے ہے
ندائے بیخودی ہے، رونمائے حسنِ وحدت ہوں

کہا میں نے کہ جنّت پر رضائے دوست فائق ہے
رضائے دوست بولی "بے خبر ابھی میں ہی تو جنّت ہوں"

شہادت گاہِ اُلفت میں کھڑی ہوں سربکف کب سے
نکل اے خنجرِ قاتل کہ مشتاقِ زیارت ہوں

کیا مجنوں کو رہبر منتخب صحرائے وحشت کا
مقامِ شرم ہے اب تک مقیمِ کوئے حکمت ہوں

(فردوسِ تخیل صفحہ ۱۶۶)

لذّتِ عرفاں

رنگِ فطرت ہے وجہ حیرانی — عقل ہے اور جائے نادانی
رازداں مدعا کو کہتے ہیں — حُسنِ الفت کا داغ پیشانی
حُسنِ "باقی" نے دل کو کھینچ لیا — رخصت اے حسنِ ہستیٔ فانی
دل ہے وقفِ رجائے رحم و کرم — جاں ہے نذرِ رضائے ربانی
اب میں سمجھی کہ ہے فنائے خودی — انبساطِ بہشتِ لافانی
غم نہ کر ہے نقیب ابرِ بہار — خشکیٔ موسمِ زمستانی
دلِ صد پارہ کے الم گن لوں — دیکھی جائے گی سبحہ گردانی
کر سکے طے نہ ملکِ عرفاں کو — رومی و مغربی و کرمانی
دوریٔ بزمِ دوست کے غم میں — محوِ افغاں ہے اک افغانی
عرش کے کنگرے پہ طائرِ قدس — رات کرتا تھا یوں خوش الحانی
کہ ہے انساں طلسمِ شانِ خدا — قدر اپنی نہ اس نے پہچانی

بند کیں اس نے جب ذرا آنکھیں　　کھل گیا رازِ بزمِ امکانی
چارہ روح فلسفی ہے نہ شیخ　　ایک وہمی ہے ایک خفقانی
کثرتِ این و آں میں وحدتِ دوست　　گنجِ نایاب کی فراوانی
شیخ! ہیچ بیاں کا ڈر نہ کرے　　لابیاں ہے یہ کیفِ وجدانی
متشکک ہے اور شکایت ہجر
نزہت اور شکرِ لطفِ پنہانی　　(فردوس تخیل صـ۱۷۲)

سلکِ مروارید

اسیر بیکاریٔ دل و جاں! اکر اُٹھ کے عزمِ دیارِ جاناں
تلاش کر وہ متاعِ درماں، جو حصّہ اربابِ درد کا ہے
"پسند کر گوشۂ سلامت"۔ یہ تجھ کو عارف کی ہے نصیحت
اُٹھ اور سلیماں کی ڈھونڈھ شوکت" یہ تجھ کو طائر کا مشورا ہے
کرامت و کشفِ خشک کب تک مراد فقر؟ اے رفیع مسلک
بن آبِ نہرِ بقا کا گاہک خضر اگر تیرا آشنا ہے
ہمیشہ خواب سکوں سے دوری۔ ہمیشہ پاسِ نفس میں ساعی
یہ اصفیا کی ہے زندگانی۔ یہ زندگانی کا مدعا ہے

---

۱ اقبال:-　　ہر لحظہ نیا طور نئی برقِ تجلّی
　　اللہ کرے معرکۂ شوق نہ ہو طے　　(ضرب کلیم)

محاکاتی شاعری

برسات اور کسان

آبِ دریا میں کنول ہے؟ یا چمکتا ہے چراغ
خاکِ صحرا میں ہیں لالے؟ یا دہکتے ہیں شرار

اس طرف چڑیوں کا گانا اس طرف موروں کا ناچ
نیچے عنبر بیز گل - اوپر ہوائے مشکبار

دیکھتے ہی دیکھتے ہستی کا یہ عالم ہوا
جیسے کر لے کوئی گرد آگیں حسیں غسل اور سنگھار

یا لدی ہے گوہرِ گل میں پریٔ سبز فام
اور نشاطِ حسن سے ہنس ہنس کے گاتی ہے ملہار

فاتحانہ کبر و خاموشی سے ہے نگرانِ خاک
یا ہے بجلیوں کی طرف نگراں باندازِ وقار

اُڑ رہے ہیں جو زمیں کو چھوڑ کر اس کی طرف
مثلِ فوجِ شہ صف اندر صف قطار اندر قطار

(فردوسِ تخیل ص ۱۸۹-۱۹۰)

بی بی آمنہ رضؓ کا بسترِ مرگ

مرا پیارا محمدﷺ کہاں ہے؟ لاؤ ذرا — جمال مجھ کو مرے لال کا دکھاؤ ذرا
کنارِ شوق میں دل کے قریب بٹھاؤ ذرا — مرے لبوں سے وہ ننھے سے لب ملاؤ ذرا
میں اپنے پیارے کو جی بھر کے پیار تو کر لوں

دمِ وداع ذرا ہم کنار تو کر لوں

مرے ستارے! مرے چاند! میرے مہرِ مبیں
مزار میں بھی نہ بھولے گی مادرِ غمگیں

تری ادائیں۔ ترا حسن اصبح و نمکیں
یہ تیرے عارضِ گلگوں یہ تابناک جبیں

یہ چشمِ مست و سیہ۔ یہ نگاہِ دزدیدہ
یہ حلقہ بندیٔ زلفِ دراز و پیچیدہ

ترا یہ جھوٹ سے چڑنا۔ دغا سے گھبرانا
یہ ہم سنوں کو صداقت کا رمز بتلانا

دمِ غضب یہ ترا شانِ حلم دکھلانا
ہنسی کے وقت فقط مسکرا کے رہ جانا

عجیب تیری ادائیں عجیب شانیں ہیں
عرب میں وردِ زباں تیری داستانیں ہیں

چلی ہوں چھوڑ کے گدڑی میں گنجِ ہفت اقلیم
چلی ہوں چھوڑ کے اک لعل اک دُرِّ یتیم

نہیں کسی سے کچھ امید ہے تو بیم ہی بیم
کرم کرم مرے معبود! میرے ربِّ کریم

ترے کرم سے یہ بچہ اگر جواں ہوگا
یقیں ہے قوتِ اجسام ناتواں ہوگا

سنی اگرچہ بغور اس نے شرحِ رنج و ملال
مگر ہوا متزلزل نہ پائے استقلال

یہ چھ برس کا سن اور ضبطِ نفس میں کمال
بچائیو نظرِ بد سے ایزدِ متعال

بسانے جاتی ہے ماں اک کنجِ تربت کو
تجھی کو سونپ رہی ہے تیری امانت کو

فردوسِ تخیل ص ۲۱۱

جذباتی شاعری

پیام

دلِ فسردہ کو اب طاقتِ قرار نہیں
نگاہِ شوق کو اب تابِ انتظار نہیں

نہیں نہیں مجھے برداشت اب نہیں نہیں
خدا کے واسطے کہنا نہ اب کی بار نہیں

ہمیشہ وعدے کئے اب کے مل ہی جا آکر
حیات و وعدہ و دنیا کا اعتبار نہیں

دکھاتی اپنی محبت کو چیر کر سینہ
مگر نمود مرا شیوہ و شعار نہیں

مری بہن! مری محبوبہ! حب عجب شے ہے
جہاں میں خاک نہیں کچھ۔ جو دوستدار نہیں

(فردوسِ تخیل صفحہ ۲۸۲-۲۸۳)

آ دیکھ مجھے

لذتِ دید کا چسکا ہے تو آ دیکھ مجھے
صاحبِ دیدۂ بینا ہے تو آ دیکھ مجھے

میری صورت ہے تماشا گہ اہلِ دیدہ
گر تجھے شوقِ تماشا ہے تو آ دیکھ مجھے

سب مری بات پہ کہتے ہیں کہ مختل ہے دماغ
تجھ کو دیوانوں کا سودا ہے تو آ دیکھ مجھے

مجھ سے بھی برسرِ پیکار ہے قسمت میری
دیکھنا جنگ کا نقشہ ہے تو آ دیکھ مجھے

رابعہ لب ہے مرضِ غم سے بُرا حال مرا
گر مزاج آجکل اچھا ہے تو آ دیکھ مجھے

لوگ پوچھیں گے مری صورتِ سیرت تجھ سے
منہ کسی کو جو دکھانا ہے تو آ دیکھ مجھے

دیدنی ہے مری کیفیت ناگفتہ بہ
اس میں گر شبہ بیجا ہے تو آ دیکھ مجھے

(فردوسِ تخیل صفحہ ۲۸۶-۲۸۷)

اللہ الصمد[1]

ہاں یہی غمزدہ اک روز تھی بیگانۂ غم
دور تھا سرحدِ تخئیل سے ویرانۂ غم

اس خرابے میں نہ تھی محرمِ میخانۂ غم
لب تک آیا تھا نہ حرفِ لبِ پیمانۂ غم

ذکرِ غم قصّے کی مانند سنا کرتی تھی
لفظ افسوس کو جوں رسم ادا کرتی تھی

کیا بتاؤں میں پسِ مرگ کہ وہ کیسا تھا
کوئی اس سا نظر آئے تو کہوں ایسا تھا

بس مرے جی ہی کو معلوم ہے وہ جیسا تھا
جیسے اس دہر میں جی سکتے نہیں ویسا تھا

ہیں تو یں اس کے لئے روتے ہیں بیگانہ و غیر
اس مسلماں کا ہیں ماتم کدہ میخانہ و دیر

دین کا پابند بھی تھا ۔ طبع کا آزاد بھی تھا
فخرِ احباب بھی تھا ۔ نازشِ اجداد بھی تھا

ہمدم و ہم نفس و خستہ و ناشاد بھی تھا
بھائی بھی دوست بھی شاگرد بھی استاد بھی تھا

رشتۂ دل سے ہو یوں رشتۂ خوں محکم تر
ایسی الفت کی جہاں میں ہیں مثالیں کمتر

اتفاقاً جو کبھی ہجر ملا کرتے تھے
پہلے گھنٹوں غمِ فرقت کا گلا کرتے تھے

دیکھنے والے تعجب سے سنا کرتے تھے
ہم کے پھر متفق اللفظ کہا کرتے تھے

ایسی الفت کہیں دیکھی نہ سنی مشفق من
ہم نے ان آنکھوں سے کیا دیکھے نہیں بھائی بہن

موت پر زور نہ جینے کی توانائی ہے
تابِ شیون ہے نہ یارائے شکیبائی ہے

باعثِ وحشتِ دل گوشۂ تنہائی ہے
شرکتِ بزم میں دیوانے کی رسوائی ہے

---

[1] یہ ایک طویل نظم کے کچھ بند جو محترمہ نے اپنے بھائی جناب احمد اللہ خاں صاحب حیراںؔ کی وفات پر لکھی تھی ۔ مرحوم کا ... انتقال اپریل ۱۹۱۵ء میں ہوا۔

موت آ ہی نہیں چکتی کسی عنواں میری
ہائے اللہ کس آفت میں پھنسی جاں میری

طبع میں مادۂ نغز بیانی نہ رہا　　زورِ آمد نہ رہا۔ شوقِ روانی نہ رہا
الغرض خاک بھی جز سوزِ نہانی نہ رہا　　جب مرا عارفِ اسرارِ معانی نہ رہا

جوش اسی کا تھا جو میرے سرِ پُرشور میں تھا
بل اسی کا یہ مرے خامۂ پُرزور میں تھا

(فردوسِ تخیل صـ۱۴۳ و ۱۴۴)

مِٹتے ہیں آج روٹھے ملتے ہیں آج چھوٹے
ہیں شکوہ سنج دونوں۔ خونابہ بار دونوں

(فردوسِ تخیل صـ۲۹۲)

تاریخ گوئی

شادی

اے قلبِ حزیں! تڑپ پہ کم کم　　اے آہِ جگر خراش اِتھم تھم
شادی ہے بہن سعیدہؔ کی آج　　گھر گھر ہے نشاط و عیش کا راج
کیوں ہو نہ مجھے دلی مسرت　　ہے مجھ کو دلہن سے ایک نسبت
دونوں کا ہے نصیب بین اک ہی　　وارفتۂ غم وہ بھی۔ ہیں بھی
ہے خواہشِ نزہتِ طپیدہ　　مسعود ہو شادیٔ سعیدہ
زوجین رہیں اسیرِ اُلفت　　ہو غم نہ سوائے رنجِ ملت

اعدا کہیں رو کے مستا الفرح
شادی ہو سعید۔ باعثِ فرح

(فردوسِ تخیل صـ۱۳۱-۱۳۲)

۱؎ سعیدہ بانو اہلیہ احسان الحق صاحب بیرسٹر　　۱۳۵۱ھ　　۱۳۲

کوکبِ مشرق

وفاتِ حضرتِ شبلی کی زاہدہ تاریخ

کہو "غروب ہوا" آہ - "کوکبِ مشرق"

۱۴ ھ ۱۹

(فردوسِ تخیل صفحہ ۳۵۲)

حُسنِ تضمین

تضمین بر اشعارِ غالب

دردِ الفت یونہی تھا رگ رگ میں ساری۔ ہائے ہائے
کیوں لگایا پھر وفا کا زخم کاری ہائے ہائے
تجھ سا بے فکر۔ اور کسی کی غمگساری ہائے ہائے
درد سے میرے ہو تجھ کو بے قراری ہائے ہائے
کیا ہوئی ظالم! تیری غفلت شعاری؟ ہائے ہائے

کچھ ہنسی تھا؟ شرکتِ رنج و الم کا حوصلہ
آہ یہ۔ اک خوگرِ ناز و نعم کا حوصلہ
کیوں کیا بے قوتِ دل اس ستم کا حوصلہ
تیرے دل میں گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ
تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے

تھا مرا غم خوار بن کر پھولنا پھلنا محال
کٹ گیا آخر نہ تیرا نخلِ عمر؟ اے نونہال
آہ ناداں! کیوں نہ سوچا میری الفت کا مآل

کیوں مری غمخوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال
دشمنی اپنی تھی میری دوستداری۔ ہائے ہائے

جیتے جی ہم تم رہے گر یک دل و یک جا۔ تو کیا
تا دم آخر۔ بھر اگر دم محبت کا تو کیا
عمر بھر پیماں رہا منتِ کشِ ایفا تو کیا
عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا
عمر کو بھی تو نہیں ہے پائداری۔ ہائے ہائے

چھوڑ کر زندان میں مجھ کو تو نے راہِ خلد لی
تیرے زخم ناوکِ فرقت سے میں جیتی بچی
ہو چکی بس اعتمادِ دل کی سنجیدگی کر کری
خاک میں ناموسِ پیمانِ محبت مل گئی
اٹھ گئی دنیا سے راہ و رسم یاری۔ ہائے ہائے

وا دریغا تھا دل بیمارِ غم کو آسرا
"آب تیغ ناز سے اک دن مجھے ہو گی شفا"
حسرت اے شوقِ جراحت! رخصت اے ذوقِ فنا
ہاتھ ہی تیغ آزما کا کام سے جاتا رہا
دل پہ اک لگنے نہ پایا زخم کاری ہائے۔ ہائے

غم ہے سے کرتی ہے وصلِ اشک بار برشگال
مثل قسمت تار ہیں بس ہو بہار برشگال

کب کھلے گا ہائے - ابر سایہ دار برشگال
کیسے کاٹوں ہائے میں شب ہائے تار برشگال
ہے نظر خو کردۂ اختر شماری - ہائے ہائے

ایک دن وہ بھی تھا جب دم بھر کی فرقت تھی محال
آہ اک دن یہ بھی ہے جب رونما ہے انفصال
یہ الم کب تک سہوں ؟ کب تک نہ ہو جینا وبال
گوش نامہجور پیام و چشم محروم جمال
ایک دل یتس پر یہ ناامیدواری - ہائے ہائے

(فردوس تخیل ص ۳۶۲)

رباعیات

جاں بلب ضعف سے ہوں لب کو ہلاؤں کیونکر
دسترس اس پہ نہیں خامہ اٹھاؤں کیونکر
حال پوچھو نہ مرا خود ہی بتاؤ مجھ کو
ایسی حالت میں تمھیں حال بتاؤں کیونکر

(فردوس تخیل ص ۳۷۴)

مسلمانو! کہا تک ہے زباں حیواں کی قربانی
دو جاں آفریں پر آؤ کر دیں جاں کی قربانی
موفق تھی خلیل رب کی قربانی الحت دل
مگر ہے اور شے شبیر ؑ با ایماں کی قربانی

(فردوس تخیل ص ۳۷۵)

اکبر کا رنگ

درگاہ میں کل جلسۂ سالانہ تھا میلاد کا
ایک سرجی یوں رلیف گو یا ہوئے وقتِ دعا

کہلایا خادم قوم کا لیڈر بھی اب کہلاؤں میں
سی آئی ڈی کا رکن ہوں سی آئی ڈی ہو جاؤ نہیں

~~~

نہیں ملتے مجھے الفاظ کافی
جو ہوں سرجن سے خواہانِ معافی

دوا پینے سے پہلے اتفاقاً
زباں پر آ گیا اللہ شافی

فردوسِ تخیل صفحہ ۳۷۶

~~~

چھپ گیا انجام کار روئے مہرِ تابدار
صبر ہا اے قلبِ فگار آ چکا بس خطِ یار

کل یہ ہی حیثمانِ زار رہی خط کا انتظار
پھر نہ ہو یوں انتشار کاش اے پروردگار

فردوس تخیل صفحہ ۳۷۹

~~~

زاہدہ

محترمہ، چودھری خلیق الزماں صاحب ام۔ ال۔ اے، کی شریکِ حیات اور عصرِ جدید کی ایک بلند پایہ اور قابلِ قدر شاعرہ ہیں، آپ کی شاعری کی عمر تقریباً ۱۴۔۱۵ سال ہے، آپ کی غزلیں بہت دلدوز، پُر کیف اور وارداتِ قلب کی آئینہ دار ہیں، غزلوں کے ساتھ ساتھ آپ نے نظمیں بھی لکھی ہیں، عشقیہ شاعری کے علاوہ آپ کے یہاں قومی، ملکی اور سیاسی شاعری کے قابلِ قدر اور بلند پایہ نمونے بھی موجود ہیں پھر بھی تغزل آپ کا موضوعِ خاص ہے اور اس کی عمدہ مثالیں آپ کے کلام میں ملتی ہیں۔ محترمہ موجودہ دَور کی ایک پختہ گو، خوش فکر اور کامیاب
~~~

شاعرہ ہیں۔

آپ کے خود نوشتہ سوانحِ حیات اور مرسلہ انتخابِ کلام شکریہ کے ساتھ درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

"۲۱ جولائی ۱۹۱۵ء کو شدید طوفانِ باد و باراں میں پیدا ہوئی۔ شہر کی سڑکوں اور گلیوں میں بعض جگہ گھٹنوں گھٹنوں تک پانی بہہ رہا تھا، مکانات گر رہے تھے۔ لوگ بے گھر سے ہو رہے تھے اُدھر یورپ میں پہلی جنگِ عظیم کے خونی بادل ٹوٹ ٹوٹ کر برس رہے تھے۔ غرضکہ اک تلاطم تھا، شور تھا، ہنگامہ تھا میری آشفتہ زندگی کا مسلسل ذہنی طوفان، شاید اسی خارجی طوفان کا ایک گہرا اور ہمہ گیر پر تو ہو۔ ہوش سنبھالا تو یہ طوفان کبھی کا ختم ہو چکا تھا لیکن اپنے ہمہ گیر اثرات چھوڑ گیا تھا جنھوں نے میرے ذہن پر بھی کبھی خوشگوار اور کبھی ناخوشگوار اثر ڈالا۔ ذہن کی اس بےچینی سے فرار کی راہ شاعری میں نظر آئی۔ گھر میں پہلے ہی سے شعر و سخن کا چرچا تھا۔ والد، چچا، ماموں سب اچھے غزل گو تھے چنانچہ شاید تیرہ چودہ سال کی عمر میں پہلی غزل کہی پھر رسائل، اخبارات اور سخن سنج حلقوں نے قدر دانی کی تو ایک زمانہ تک غزلگوئی اور محض غزلگوئی زندگی کا مشغلہ رہی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اگر اس قسم کا کوئی دلچسپ اور حسبِ حال مشغلہ نہ ہوتا تو نہ جانے میرے ذہن و روح حقیقت و مجاز کی کن کن وادیوں میں سنگلاخ چٹانوں سے سر پھوڑتے رہتے۔



زاہدہ خلیق الزماں



میری غزلیں میری زندگی کی آئینہ دار ہیں (یہاں میں یہ عرض کر دوں کہ میں فن برائے فن کی مطلق قائل نہیں) میرا غور و فکر، زندگی کے متعلق میں جو کچھ سمجھ سکی وہ سب ان میں موجود ہے، میرے دل کی کسک، میرے ذہن کی رنگینیاں، میرے ذوق کی ہمہ گیری سب آپ کو ان غزلوں میں ملے گی!

اب کہ رُت بالکل ہی بدل چکی ہے اور زندگی کی گہرائیوں، پیچیدگیوں اور ہمہ گیریوں نے ہمارے سامنے بالکل نئے اور اچھوتے تقاضے پیش کرنے ہیں۔ میں نے بھی حیات کی للکار پر لبیک کہی ہے۔ چنانچہ میری اس طرف کی غزلوں میں حُسن و عشق کے علاوہ بھی وہ کچھ ہے جس کی گنجائشیں غزل کو ختم نہیں بلکہ زندۂ جاوید کر رہی ہیں! میں آزاد شاعری اور ان نئے تجربات کی جو آج اُردو ادب میں ہو رہے ہیں، قطعاً مخالف نہیں لیکن اسی کے ساتھ غزل کی خوبصورتی، اس کے رس اور اُس کی ہمہ گیری کی بھی منکر نہیں ہو سکتی۔ میرا خیال ہے کہ اقبال نے غزل کو جو نیا مزاج دیا۔ وہ اسے لافانی بنا دینے کا تنہا ضامن ہے۔ غزل کے نہ مٹنے اور سدا بہار رہنے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ پروفیسر فراق گورکھپوری، خلیق ابراہیم، اور معین احسن جذبی ایسے کٹر ترقی پسند شاعر بھی نئے رنگ کے بہترین غزل گو ہیں اور ان میں سے پہلے دو حضرات کا جدید تنقید میں جو درجہ ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

میں شاید بہت لکھ گئی، ہاں اتنا اور بتلادوں کہ ۲۵ر دسمبر ۱۹۳۰ء کو چودھری خلیق الزماں صاحب ایم ۔ اے سے شادی ہوگئی اب چار بچوں کی ماں ہوں، گھر کی دیکھ بھال کرتی ہوں، کبھی کبھی مسلم لیگ کے قومی کاموں میں حصہ لیتی ہوں اور وقت اگر خوش قسمتی سے کبھی مل جاتا ہے تو شعروسخن سے دل بہلاتی ہوں۔ نمونۂ کلام یہ ہے "

"زاہدہ خلیق الزماں"

کچھ نہ ہوگی زینتِ شام وسحر میرے بغیر
یہ جہاں بن جائے گا ویران گھر میرے بغیر

بادۂ جور وستم کی کیا ہوئیں سرمستیاں
کیوں پریشاں ہے، وہ نزدیدۂ نظر میرے بغیر

عام سجدوں سے کبھی مسجود ہو سکتا نہیں
بن چکا کعبہ تمہارا سنگِ در میرے بغیر

سب تیری سرمستیاں بے کیف ہیں ابرِ بہار
سچ ہے برسات کا موسم مگر میرے بغیر

گل ہنسے کلیاں کھلیں سبزے نے لیں انگڑائیاں
ہو رہے ہیں آپ لیکن چشمِ تر میرے بغیر

اہلِ دل ہیں اور تکلیفِ خمارِ ہوش ہے
بادۂ جوشِ جنوں ہے بے اثر میرے بغیر

عشق بے مایہ سے زینت ہے جہانِ حسن کی
اٹھ نہیں سکتی تری نیچی نظر میرے بغیر

حسن بے حس، عشق مضطر اور جہاں پُر انقلاب
آہ کب کرتی ہے "تکلیفِ اثر" میرے بغیر

عشق کی دنیا میں ہے اے دل تجھے سب اختیار
کام چل جائے محبت میں اگر میرے بغیر

آ ادھر آ میں بھی شامِ غم میں تیرا ساتھ دوں
لطف کیا رونے کا اے شمعِ سحر میرے بغیر[1]

---

[1] مخترمہ نے "شمعِ سحر" کو دعوت گردی ہی اور سعدی صاحب نے "بلبل مسکیں" کو فرماتے ہیں،

بنالِ بلبل مسکیں اگر سرِ یاری ست
کہ ما دو عاشق زاریم وکارِ ما زاریست

ڈھونڈھتے پھرتے ہیں مجھکو فصلِ گل نزدیک ہے
اُڑتے پھرتے ہیں ہوا میں بال و پر میرے بغیر

حُسن کے گل کیا ہوئے ہو خوبی کے جلوے کیا ہوئے
کس لئے خالی ہے دامانِ نظر میرے بغیر

ترجمانِ دل ہے اک اک شعر اپنا زاہدہ
کون پا سکتا ہے یہ گلہائے تر میرے بغیر

ط۱

ہوں کشتۂ نیرنگیٔ دنیا کئی دن سے
نیرنگ ہے تصویرِ تمنا کئی دن سے

پھر دل کے بنانے کا ہے سودا کئی دن سے
کرتی ہوں بہم منتشر اجزا کئی دن سے

فرقت میں عجب حال ہے اپنا کئی دن سے
ہے ذوقِ سکوں درپئے ایذا کئی دن سے

خود حاملِ نظارہ ہے نظارے کی حسرت
اور حسن ہے خود حسن کا پردا کئی دن سے

دن رات ہے نشتر زنِ دل یاد کسی کی
ہیں صبر و سکوں درپئے ایذا کئی دن سے

بڑھتی ہوئی وحشت میں تڑپنے نہیں بنتا
کم ہو گئی کیا وسعتِ صحرا کئی دن سے

جلووں نے تری قیمتِ دل اور بڑھا دی
سجدہ کیلئے آتا ہے کعبہ کئی دن سے

لو تم تو الگ ہو گئے دکھلا کے تجلی
گردش میں ہے خونِ رگِ سودا کئی دن سے

اے حسن پراگندہ نہ کر دل کا صحیفہ
ہیں منتشر اوراقِ تمنا کئی دن سے

ط۱ مؤلف احقر

اک آگ سی ہے دل میں فروزاں کئی دن سے
ہستی سے ہے مری شعلہ بداماں کئی دن سے
اب موت کا اس دل میں ہے ارماں کئی دن سے
اے کاش مجھے پیار نہ کرتا کبھی کوئی

(بقیہ اگلے صفحہ

اُف عالمِ الفت کے دلآویز مناظر　　وحشت ہے عناں گیر تمنا کئی دن سے

قابو میں دل آنکھوں پہ بھروسہ ہی نہیں ہے　　ہے جلوہ نما حسن خود آرا کئی دن سے

اے زاہدہ کیا کہہ دیا اس مست نظر نے

دل بھی نظر آتا نہیں اپنا کئی دن سے

زریں

زہرہ خاتون نام اور زریں تخلص ہے، آپ کا خاندان بریلی کا ہے لیکن اب آپ لشکر گوالیار میں مقیم ہیں۔ محترمہ زریں، زینت بیگم صاحبہ عبرت اور سید محمد عبدالحی صاحب کی دختر اور بلقیس فاطمہ بیکس کی ہمشیر خورد ہیں!

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ سے)

راتیں مری بے خواب مرے دن ہیں پریشاں

کچھ اشک کئی دن سے ہیں ان آنکھوں میں لرزاں

کچھ زیست سے اپنی ہوں کئی دن سے پشیماں

اے کاش مجھے پیار نہ کرتا کبھی کوئی

اک بوجھ ہے دل پر کہ اٹھایا نہیں جاتا

اک خواب ہے آنکھوں میں بھلایا نہیں جاتا

اک نغمہ ہے ہونٹوں پہ کہ گایا نہیں جاتا

اے کاش مجھے پیار نہ کرتا کبھی کوئی "ج"

آپ کے نانا خان بہادر محمد خوب داد خاں صاحب مرحوم بریلی کے ایک مشہور و معروف رئیس تھے اور چیف کمسریٹ آفس کلکتہ میں ہیڈ اسسٹنٹ کے عہدہ پر مامور تھے[1]

محترمہ زرین کے متعلق جناب خواجہ محفوظ حسین صاحب (لشکر گوالیار) رقمطراز ہیں :-

"زہرہ خاتون زرین ایک ترقی پسند خاتون ہیں نظم و نثر کا شوق ماحول کا پیدا کردہ ہے۔ عزم و ارادہ میں استقامت ہے طبیعت جوشیلی پائی ہے دل میں ملّت کا درد اور احساس ہے۔ شہرت اور ناموری سے گھبراتی ہیں"

شاعری میں آپ اپنی بڑی بہن محترمہ بلقیس فاطمہ بیکس کی شاگرد ہیں۔ کلام میں ابھی پختگی اور زور نہیں ہے لیکن اگر کہتی رہیں تو اچھا کہنے لگیں گی۔ محترمہ کا مرسلہ کلام درج ذیل ہے۔

ابر سے نکلا ہے کچھ آفتاب زندگی	رنگ پر آجائے گا اپنا شباب زندگی
ذرہ ذرہ میری ہستی کا درخشاں ہوگیا	ضو فشانی کر رہا ہے ماہتاب زندگی
ہوچکا بیدار اب قسمت کا میری شاہ باز	رنگ لائے گا ضرور اب انقلاب زندگی
دشمنوں کے ہاتھ آئی نہ میری خاک پا	ہوگیا اقبال میرا ہم رکاب زندگی

---

[1] مرحوم کے حالات زینت بیگم صاحبہ عبرت نے اپنے تذکرہ میں تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمائیے۔ "ج"

دور رہتی ہوں ہمیشہ الجھنوں سے دہر کی　　کیوں نہ ہو گا پاک پھر میرا حسابِ زندگی

ذرہ ذرہ ہو گیا زریں جمالِ حسن سے
ہو گیا ہے پھر ضیا بار آفتابِ زندگی

آسماں پر ہے کیوں مسرت آج　　پیارے تارے بھی جھلملاتے ہیں
دہر میں ماہ ہیں خوشی رقصاں　　غنچے مل مل کے مسکراتے ہیں
تاثر یا ہے آج دورِ خوشی　　جامِ عشرت لنڈھائے جاتے ہیں
جب عنادل خوشی سے گاتے ہیں　　تب صنوبر بھی جھوم جاتے ہیں
آئی بادِ صبا بھی اٹھلاتی　　اور پرندے بھی چہچہاتے ہیں
ہوئی بلبل چمن میں نغمہ سرا　　مور جنگل میں گیت گاتے ہیں
بزمِ عشرت فضا میں سب خوش ہیں　　اور پھولے نہیں سماتے ہیں
کوئی لکھ کر نوید لایا ہے　　کچھ خوشی کے ترانے گاتے ہیں
وجد میں ہے فضائے صحنِ چمن　　پھول ہنس ہنس کے رنگ لاتے ہیں
بن کے سلطان انجمن آرا　　بزمِ علم و عمل میں آتے ہیں
یعنی سلطان کی ہے بسم اللہ　　لوگ دولھا انہیں بناتے ہیں
لائی زریں دعاؤں کا تحفہ　　جس کے الفاظ جگمگاتے ہیں

ہو کے مقبول بارگاہِ خدا!
دیکھئے رنگ کیا دکھاتے ہیں

شب کو شبنم جو آئی شادی میں خوان ہائے گہر بکھیر گئی
ڈالے سبزے کے موتیوں کے ہار بخت خوابیدہ اس کے پھیر گئی
آئی مالن تلاشِ گُل کے لئے بھر کے دامن کو وہ دلیر گئی

نہ زخمِ دل بھی ابھی مندمل ہوئے تھے خدا کہ ایک چوٹ پڑی اور شیشۂ دل پر

زہرا

زہرا:- محترمہ ام زہرا ہاشمی مرحومہ بدایونی کا تخلص ہے۔ آپ عصمت کی مخصوص و مقبول شاعرات سے ہیں۔ جنابِ جام نوائی صاحب بدایونی کی شریکِ حیات تھیں۔ شادی کے بعد شوہر کے مذاقِ شاعری پر نظر کرتے ہوئے خود ذوقِ شاعری پیدا کیا اور پھر اس میں اس قدر ترقی کی کہ ملک کی ایک مشہور اور قابلِ قدر شاعرہ بن گئیں۔

آپ نہایت نیک طینت، پاک باطن، وفا شعار اور خدا ترس خاتون تھیں تعلقات زن و شوئی نہایت خوش گوار تھے، اور دونوں کو ایک دوسرے سے از حد محبت تھی۔ ایک دفعہ جناب جام نوائی صاحب سخت علیل ہوئے اور حالت بہت خطرناک ہوگئی۔ اُس وقت وفا شعار بیوی نے "بیمار شوہر کے سرہانے" کے عنوان سے ایک نظم لکھی جس میں وفا کے جوش میں درگاہ ایزدی میں دعا کی گئی تھی کہ الٰہ العالمین تو میرے شوہر کو اچھا کردے اور ان کے بدلے مجھے موت دے، یہ بھی عجب اتفاق تھا کہ صرف یہ نظم ہی

مقبول نہیں ہوئی بلکہ یہ دعا بھی بارگاہِ ایزدی میں مقبول ہو گئی، جام نوائی صاحب اچھے ہو گئے اور ام زہرا ہاشمی رفتہ رفتہ بیمار ہونے لگیں۔ شوہر کی تیمارداری میں انہماک کے باعث محترمہ کو خفیف سا بخار رہنے لگا تھا جو بڑھ کر ورم امعاء جگر میں تبدیل ہو گیا، اور بالآخر موت کا باعث بن گیا۔

جب محترمہ ام زہرا ہاشمی کی حالت زیادہ خطرناک ہوئی تو جام نوائی صاحب نے ایک نہایت پُردرد نظم "رحم کی بھیک" کے عنوان سے لکھی جس میں خدا سے بیوی کی زندگی کی بھیک مانگی گئی تھی جو مرحوم کی وفات کے بعد عصمت بابتہ نومبر ۱۹۴۳ء میں چھپی تھی [1]

---

[1] اس نظم کے چند شعر ملاحظہ ہوں

الٰہی ام زہرا ہاشمی پر رحم فرما دے　　ترے صدقے کرم دور از قیاس و وہم فرما دے

نہ بن جائے سکون مستقل ماضی کی بیتابی　　نہ ہو تمہید خواب مرگ راتوں کی بے خوابی

اسے تو چھین لے مجھ سے نہ ایسا ہو کہیں یارب　　نہیں یارب نہیں یارب نہیں یارب نہیں یارب

میں واقف ہوں دعا کے جوش نے مجھ پہ جفا کی تھی　　ہمیشہ بدلے میں خود قربان ہونے کی دعا کی تھی

دعا سے میری اب اس کو عطا کر زندگی یارب　　مرے جذب محبت کو نہ ہو شرمندگی یارب

مری فریاد اگر رنگ قبولیت نہ پائے گی　　تو کیا کیا نازش عشق و وفا کو شرم آئے گی

بھنور سے جن کی کشتی کو ابھی تو نے نکالا ہے　　وہی معصوم جن سے میری دنیا میں اجالا ہے

وہ پھر مایوسیوں میں آج تجھ سے لو لگائے ہیں　　وہ تجھ سے بھیک لینے کو بھکاری بن کے آئے ہیں

لیکن محترمہ کی حالت خراب ہوتی گئی محترم جناب جام نوائی صاحب لکھتے ہیں:-

"مرحومہ نے انتقال سے چھ روز پیشتر ۲۷ ستمبر ۱۹۴۲ء کو بڑی لڑکی کے عقد و رخصت سے فراغت حاصل کی تھی۔ اور مجھے مجبور کرکے عالمِ بیماری میں چارپائی پر پڑے پڑے خاص اہتمام و انتظام کے ساتھ بحسن و خوبی یہ فرض انجام دیا تھا۔ آخر وقت تک حواس درست رہے۔ مرنے سے دس منٹ قبل پلنگ، بستر، کپڑے، ہر چیز تبدیل کرائی۔ تیمم کیا۔ سب کو تلقین صبر و شکر کی۔ یٰسین شریف پڑھوانے میں عجلت کی۔ اور صرف تین مرتبہ اللہ اللہ اللہ کہہ کر جانِ عزیز جان آفریں کے سپرد کردی۔"

محترمہ کا انتقال ۲ اکتوبر ۱۹۴۲ء مطابق ۲۰ رمضان المبارک کو ہوا۔ مرحومہ نے چار بچے چھوڑے۔

محترمہ اردو کی ایک قابلِ قدر شاعرہ تھیں۔ آپ کے کلام میں بڑا درد و اثر اور سوز و گداز ہے، طرزِ ادا نہایت دل کش و سنجیدہ ہے آپ کو زبان پر بڑی قدرت حاصل تھی۔

میرے بعد[1]

جانگسل ہے یہ تخیل کس قدر میرے لیے — بعد میرے تم رہو گے نوحہ گر میرے لیے

---

[1] یہ وہ دردناک نظم ہے جو مرحومہ ام زہرا ہاشمی مغفورہ نے اپنے آخر زمانۂ علالت میں لکھ کر اس تکیے کے غلاف میں پوشیدہ کردی تھی جو انھوں نے بزمانۂ علالت اپنے شوہر جناب جام نوائی بدایونی کے لئے اپنے ہاتھ سے کاڑھا تھا

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

گھر میں آکر حسبِ عادت جب نہ پاؤ گے مجھے / خاک اُڑاؤ گے نہ کیا کیا دربدر میرے لئے

شدتِ غم میں بہیں گے سرخ آنسو آنکھ سے / خون روئے گی تمھاری چشمِ تر میرے لئے

دیکھ کر روتے تمھیں میری لرز جاتی ہے روح / ہے تمھارے دل پہ صدمہ کس قدر میرے لئے

کیا کرو گے بعد میں جب آج میرے جیتے جی / ہو پریشاں اور غمگیں اس قدر میرے لئے

کون سمجھائے گا تم کو موت ہے ہر ایک کو / بن نہ سکتے تھے قوانینِ دگر میرے لئے

وقت پر آئی کسی کی بھی ٹلی ہے دہر میں / تھا نہ یہ دستورِ فطرت خاص کر میرے لئے

میں سمجھتی ہوں مرا غم اور تم اور تابِ ضبط / صبر کرنا جس طرح بھی ہو مگر میرے لئے

میں ہوئی قربان تم پر۔ فرض تھا میرا یہی / تم کو واجب ہے جیو تم عمر بھر میرے لئے

تم کو میری آرزو، میری محبت کی قسم / تم۔ خدانخواستہ جانا نہ مر میرے لئے

تم اگر روؤ گے میری یاد میں بچوں کی طرح / ہوگا صدمہ بڑا یہ روح پر میرے لئے

میرے غم میں نالہ و فریاد و شیون کے عوض / مانگنا حق سے دعا با چشمِ تر میرے لئے

سونپتے رہنا مجھے قرآن پڑھ پڑھ کر ثواب / بھیجنا ہدیہ یہ ہر شام و سحر میرے لئے

میرے بچوں سے محبت کرتے رہنا عمر بھر / جانتے رہنا انہیں نورِ نظر میرے لئے

زندگی بھر میں نے چاہا ہے تمھارا جان کر / چاہنا تم ان کو میرا جان کر میرے لئے

میں مری جاتی ہوں اس غم میں کہ یہ بچے مرے / بعد میں میرے کہیں پھوڑیں نہ سر میرے لئے

[بقیہ حاشیہ] مرحومہ کے چالیسویں کے بعد یہ نظم برآمد ہوئی۔ مرحومہ بزمانۂ علالت آستانۂ پاک حضرت سلطان العارفین رح پر شہر کے باہر گیارہ روز قیام کی غرض سے تشریف لی گئی تھیں غالباً وہیں کی فرصت اور تنہائی میں یہ نظم لکھی گئی تھی۔

میرے اپنوں سے نہ تم پیمانِ الفت توڑنا
بعد میرے اتنا پہنچا دینا تم مجھ کو ثواب
ہاں مگر ان میرے بچوں کا بہت رکھنا خیال
مجھ کو اپنی بہو کی حالت پر بہت افسوس ہے
آہ یہ میری ضعیف اماں تمھاری والدہ
بے طرح تڑپیں گی چاروں بھائی بہن بھاوجیں
یہ خبر پردیس میں توڑے گی کیا غم کا پہاڑ
دل پھٹا جاتا ہے میرا آہ میری بچیاں
ہائے بچلے بھائی کا کیا حال ہوگا میرے بعد
اُف وہ میری آنکھ کا تارا مرا اچھے میاں
روئے گا بیتاب ہا ہو کر دھاڑیں مار کر
آہ! دل ہے کتنا ننھا سا مرے مہتاب کا
رات کو بدلے گا جب کروٹ پکارے گا مجھے
کس سے اب افسوس کوئی بات پوچھے گی حبیب
آہ پردیسی جمیلہ جو ہے اک مدت سے دُور
گھر میں ہر سو آہ اک ویرانی سی ہو گی جلوہ گر
میں نے اب تک دل کسی کا بھی دکھایا ہی نہ تھا
آہ یہ بیکار سی ہستی تو اس قابل نہ تھی
دیکھ لوں میں اپنی خورشید و ثریا کا بیاہ

اُن کو اپنا ہی سمجھنا عمر بھر میرے لئے
بن سکے جس کے سبب جنت ہیں گھر میرے لئے
رحم کرنا ان کے غمگین حال پر میرے لئے
اب یہ ہونگی اور غم شام و سحر میرے لئے
روئیں گی اب زندگی بھر کس قدر میرے لئے
جب نہ پائیں گے مجھے بیٹھی نظر میرے لئے
میرے منجھلے بھائی پیارے بھائی پر میرے لئے
کس قدر روئیں گی ہر ہر بات پر میرے لئے
آہ پھڑکیں گے بھتیجے کس قدر میرے لئے
عمر بھر رکھے گا اپنی آنکھ تر میرے لئے
رکھ کے اپنا ہاتھ اپنے قلب پر میرے لئے
آہ یہ تڑپا کرے گا کس قدر میرے لئے
دن میں دوڑائے گا ہر جانب نظر میرے لئے
اس پہ ہوگا کس قدر غم کا اثر میرے لئے
دفعتاً رہ جائے گی دل تھام کر میرے لئے
آدمی کیا روئیں گے دیوار و در میرے لئے
اب دکھیں گے قدرتاً قلب و جگر میرے لئے
سب کے دل میں اک محبت تھی مگر میرے لئے
زندگی دیدے خدا اے بحر و بر میرے لئے

اور اگر ایسا نہ ہو تو تم کو میری ہی قسم
قرض کر دینا ادا یہ جلد تر میرے لئے

چاہنا اپنے جگر پاروں کو میرا جان کر
اب یہ میرے ہیں تمہارے تھے مگر میرے لئے

سب بتا دی ہیں تمہیں باتیں لکھوں اب اور کیا
ظاہراً تنہا ہے سفر پہ سفر میرے لئے

جو خطا مجھ سے ہوئی ہو بخش دو للہ تم
جس طرح کرتے رہے ہو عمر بھر میرے لئے

میں تمہاری تھی تمہاری ہوں اور اس کے بعد بھی
تم ہی ہو گے خلد و فردوسِ نظر میرے لئے

گر دعاؤں سے تمہاری مل گیا جنت میں گھر
شغل ہو جائے گا اک شام و سحر میرے لئے

نام دونگی اس کو "گلگاہِ وفائے جاوداں"
موجبِ صد آرزو ہو گا وہ گھر میرے لئے

میرے پاس آئینگے بن بن کر گہر وہ اشکِ غم
جو بہائے گی تمہاری چشمِ تر میرے لئے

میں بنا جاؤنگی ان موتیوں کی جھالریں
اور سمجھے گا جھالروں سے خوب گھر میرے لئے

دل بہل جائیگا کچھ تھوڑا بہت اس شغل میں
یہ کڑی منزل بنے گی سہل تر میرے لئے

ہو گا اس تجلی خانے میں اس داغ سے روشن چراغ
کل جو ابھرے گا تمہارے قلب پر میرے لئے

ہوگی شمعِ گھر میں اس دردِ محبت کی چمک
جو تمہارے دل میں ہوگا عمر بھر میرے لئے

منتخب کر کر کے میں جنت سے حوریں لاؤنگی
کام ہوگا یہ بہت دلچسپ تر میرے لئے

در پہ ہونگے بہرِ استقبال ان سب سے پرے
صف بہ صف شانہ بشانہ سر بسر میرے لئے

بعد عمرِ خضر جب آ کر ملو گے مجھ سے تم
بعد جب جنت میں ہوگی یہ خبر میرے لئے

"تم کو گلگاہِ وفائے جاوداں میں لاؤنگی"
ساتھ میں حوروں کے نغماتِ مسرت گاؤنگی

محسنِ اعظم کی یاد میں

کہاں ڈھونڈیں تجھے اے فخرِ قوم اے راشد الخیری
تری رات سے اپنا اک تپک ہے دل کے چھالے میں

تری تحریر تھی آئینہ رودادِ مظلوماں
نمایاں دردِ قومی تھا ترے ہر ہر مقالے میں

تری سعیِ عمل نے کی وہ شمعِ رہبری روشن
نظر آتا ہے سیدھا راستہ جس کے اُجالے میں

پڑھایا یہ سبق ان بیکسوں کو تیری شفقت نے
گذر جاتی تھی جن کی زندگی فریاد و نالے میں

کہ دنیا کو کریں روشن مکاں کی قید میں رہ کر
ضیا بخشِ جہاں ہے ماہ جیسے رہ کے ہالے میں

حمایت نے تری کی بر محل ایسی مسیحائی
سنبھالے جس طرح بیمار کو کوئی سنبھالے میں

دلائے وہ حقوقِ زندگانی غم نصیبوں کو
پڑے تھے ایک مدت سے جو اب تک ٹالے بالے میں

بلندی پر بٹھایا ان کو لا کر قعرِ پستی سے
کئے پیدا معانی "ہر زوالے را کمالے" میں

ہاں اس میں بھی کچھ سطحی نگاہوں کے لئے لیکن
جو تیرے دل میں تھا ویسا کہاں ہے داغ لالے میں

حیاتِ جاوداں ہے تیری تصنیفات کو حاصل
کتابت زندگی کی روح ہے تیرے رسالے میں
یہ کہہ کہہ کر زمانہ تا قیامت تجھ کو روئے گا
"خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں"

سالِ نو کا ترانہ

مبارک، مبارک، کہ بدلا زمانہ　　مسرت کا پھر ہاتھ آیا خزانہ
چمن پر کھنچا ابر کا شامیانہ　　کلی کی چٹک کا بجا شادیانہ
اُٹھو گائیں پھر سالِ نو کا ترانہ

کہاں اب ہیں باقی فضائیں وہ گدلی　　ترشح سے خاک چمن نے مدد لی
جوانانِ گلشن نے پوشاک بدلی　　نیا ہے ہر اک پھول بوٹے کا بانا
اُٹھو آگائیں پھر سالِ نو کا ترانہ

پھر آئی رُخِ لالہ و گُل پہ لالی　　ہوئی دور سبزے کی پھر پائمالی
عروسِ چمن نے نئی دھج نکالی　　کیا پھر سے زلفوں میں سنبل نے شانا
اُٹھو آگائیں پھر سالِ نو کا ترانہ

نیا جام ہر ایک گُل لے کے آیا　　نیا رنگ اطرافِ گلشن پہ چھایا
نیا چشمِ نرگس نے انداز پایا　　نیا بلبلِ خوشنوا کا ہے گانا
اُٹھو آگائیں پھر سالِ نو کا ترانہ

کہاں وہ تماشائے دورِ کہن ہے　　کلی نو شگفتہ نئی اک دلہن ہے

سجی پھر نئے طور پر انجمن ہے غرض ہر طرف ہے نیا کارخانا

اُٹھو! گائیں پھر سالِ نَو کا ترانہ

رخِ شاہدِ غنچہ، شبنم نے دھویا نئی آرزوؤں کے بیج بویا
نئے عطر میں گل کا دامن ڈبویا نئی نگہتوں سے ہے گلشن بسانا

اُٹھو! گائیں پھر سالِ نَو کا ترانہ

یہاں اب تو کچھ رنگ ہی اور ہوگا نرالا ہر اک بات کا طور ہوگا
نیا سال آیا، نیا دَور ہوگا لُٹے گا مضامینِ نَو کا خزانا

اُٹھو! گائیں پھر سالِ نَو کا ترانہ

نئی شمع ہوگی، نئی نور باری نیا علم ہوگا، نئی دستکاری
نیا چشمۂ فیض پھر ہوگا جاری ہیں "عصمت" کو پھر کچھ نئے گل کھلانا

اُٹھو! گائیں پھر سالِ نَو کا ترانہ

زہرہ۔ حیدرآبادی

محترمہ زہرہ بیگم زہرہ۔ ڈاکٹر عبدالرب صاحب حیدرآبادی کی دختر ہیں۔ آپ ادبی حلقوں میں بنت عبدالرب کے نام سے معروف ہیں اور اس نام سے آپ کے مضامین اور کلام زنانہ رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ آپ نے کسی مدرسہ میں تعلیم نہیں پائی۔ خانگی تعلیم اور مطالعہ کے باعث آپ نے یہ شوق پیدا کیا ہے۔ آپ نے حفیظ جالندھری کے "شاہنامہ اسلام" کے رنگ سے متاثر ہوئی ہیں۔ کلام میں ابھی ترقی کی گنجایش و

ضرورت ہے ۔ نمونہ یہ ہے :-

مشرکوں نے جو کیں گستاخیاں آنحضرتؐ سے
آپ نے ترکِ وطن کا کیا قصد اُکتا کر

وقت دوپہر کا، شدت کی تپش گرم ہوا
آپ اُس دھوپ میں تنہا گئے صدیقؓ کے گھر

اور فرمایا کہ اے یارِ وفادار سنو
تم بھی اب چھوڑنے کے واسطے تیار ہو گھر

اس قدر ان کو ہوئی اپنی معیت کی خوشی
آنکھوں میں آ گئے صدیقؓ کے آنسو بھر کر

اور ادب سے یہ کیا عرض کہ ماں باپ فدا
خدمتِ پاک میں دو اونٹنیاں ہیں حاضر

زہرہ

محترمہ کے ۔ الف ۔ خاتون المتخلص بہ زہرہ، بلیا کی رہنے والی ہیں، آپ خاتونِ مشرقؔ کی مخصوص شاعرہ ہیں ۔ زندگی کے دلدوز واقعات آپ کی نظموں کے مرغوب عنوانات ہیں ۔ نظموں میں احساس و الش کا رنگ جھلکتا ہے ۔ اگر آپ اس قسم کی نظمیں لکھتی رہیں اور اس رنگ میں کچھ اور پختگی پیدا کرلی تو شاعرات کی دنیا میں آپ کا کلام ایک نہایت خوشگوار اضافہ ہوگا، اب بھی آپ کا کلام نہایت اُمید افزا اور قابلِ ستائش ہے ۔

تصویرِ حیات کے دو رُخ[1]

(ہمشیرہ کی قبل از وقت موت سے متاثر ہو کر)

موت کا پیغام ہے حسنِ شبابِ زندگی
کس قدر عبرت بداماں ہے ربابِ زندگی

[1] موصوفہ کی یہ نظم خاتونِ مشرق دہلی ماہ ستمبر ۱۹۳۸ء میں ذیل کے نوٹ کے

خاک جب ہوجائے گا ورقِ کتابِ زندگی — کس لئے ناداں! ہے پھر مستِ شرابِ زندگی

دے رہا ہے موت کا پیغام سازِ زندگی — آ! کہ ذرّے ذرّے میں دکھلاؤں رازِ زندگی

زندگی جو اختتامِ زیست کی تفسیر تھی — زندگی جو شوخیٔ قسمت کی اک تحریر تھی

زندگی جو آئینہ دارِ محبت تھی کبھی — در حقیقت آئینہ دارِ حقیقت تھی کبھی

زندگی جو کھیلتی تھی چین کے آغوش میں — خواب کے عالم میں یعنی عالمِ بے ہوش میں

زندگی معصومیت جس کی فنا کی دید تھی — اک مجازی دلکشی تھی اور صبحِ عید تھی

زندگی جس کے تکلّم میں نہاں صد آبشار — زندگی جس کا تبسّم باغِ رضواں کی بہار

[پچھلے صفحہ سے] ساتھ شائع ہوئی تھی۔

"شام کی تاریکی فضائے عالمِ ناسوت پر غالب آرہی تھی۔ افق آسمان پر گلابی بدلیوں کی انجمن جگمگا اٹھی تھی۔ قدرت کے نظارے کا مشاہدہ کرنے کے لئے اپنے بام پر گئی۔ سامنے چند جابجا ٹوٹی ہوئی قبریں نظر پڑیں جو عالمِ اسباب کی نیرنگیوں کو دیکھ کر ہنس رہی تھی، نظارۂ شام نے انھیں اور جاذبِ نگاہ بنا دیا تھا۔ یہاں ماں کے وہ لال زیرِ خاک پڑے تھے جن کی پرورش کسی زمانہ میں خونِ جگر سے ہوئی تھی۔ ہو کا عالم تھا، بیکسی ٹپکتی تھی، حسرت برستی تھی، ہمدم تھا نہ ہمراز، خونِ دل سے بہنے لگا جب مجھے دھیان آیا کہ اس ماتم سرا میں میری مشفق ہمشیرہ بھی مدفون ہے۔ میں اپنے تاثرات کو بصورتِ نظم پیش کرتی ہوں۔ یقیناً یہ ان بہنوں کے لئے باعثِ تسلی ہوگا اور وہ اسی سے کافی تسکین اندوز ہوں گی جو ٹوٹی ہوئی قبروں کی عبرت سامانیوں کو دیکھ چکی ہیں۔"

"زہرہ"

زندگی جلوت میں جو خاموش رہتی تھی کبھی
زندگی خلوت میں جو تانیں اڑاتی تھی کبھی

زندگی جو کھیلتی تھی ہر نئے انداز سے
لوریوں کے راگ سے الفت کی سرآواز سے

"زندگی" وہ چین سے آرام کرتی ہے یہاں
ہُو کا عالم اور بھیانک رات آتی ہے جہاں

دیکھتی تھی دہر کی ظلمت میں تنویرِ حیات
ہے مگر نظروں میں زہرہ آج تصویرِ حیات

پیکرِ عصمت

شادی کے بعد رخصت کے وقت غربت کے عالم میں ایک بوڑھے باپ کی اپنی بیٹی کو نصیحت

رات کا پچھلا پہر ہے جھک چلا ہے ماہتاب
جھلملاتے ہیں ستارے خلق ہے مصروفِ خواب

ہو گیا کافور اب گردوں کے چہرہ کا نکھار
ہانپتی روندی ہوئی سڑکوں کا سویا ہے وقار

سنسناتی باغ میں موجِ نسیم آنے کو ہے
بلبلِ درماندہ کو موجِ شمیم آنے کو ہے

ہے روپہلی چاندنی چھٹکی ہوئی نزدیک و دور
گا رہے ہیں نور کے سایہ میں خوش الحاں طیور

ہو گئی ہے چاندنی شاخوں سے چھن کر پاش پاش
اور ہے پھولوں پہ شبنم کا غضب کا ارتعاش

شہر کے شور و شغب سے اور آزادی سے دُور
ایک میداں کے کنارے اور آبادی سے دُور
ہے پڑا اک جھونپڑا موسم کا منہ دیکھے ہوئے
تلخیٔ دوراں کی پیہم جھڑکیاں کھائے ہوئے
عیش کے پیہم تخیّل کا کبھی پالا ہوا
مفلسی کے سرد ہاتھوں کا کبھی مارا ہوا
جھلملاتا اک دِیا کونے میں ہے جلتا ہوا
قصّۂ رنج و الم کو ہائے دُہراتا ہوا
ایک بیٹی، باپ وہاں ہیں غرقِ سیلابِ محن
ہوگئی ہے درہم و برہم خوشی کی انجمن
صبح دم بیٹی کی رخصت کا تخیّل بار بار
بے نوائی سے وہ اپنی اور بھی ہیں بے قرار
ایک چادر بھی نہیں بیٹی کو دینے کے لئے
دولتِ معصوم عصمت کو چھپانے کے لئے
جھک گئی ہے ہائے غربت پر تمنّا کی جبیں
ہو کے حسرت سے رہی ہے سسکیاں خلوت نشیں
اک طرف سامان کچھ ٹوٹے ہوئے پھوٹے ہوئے
اور غربت کی مدد سے موت کے لوٹے ہوئے
اک طرف کونے میں جالے مکڑیوں کے جا بجا

اور بوڑھا باپ بھی ہے ایک طرف لیٹا ہوا
اک طرف اک بوریہ پر حُسن کی تصویر ہے
راحتِ جانِ پدر ہے، غم کی اک تفسیر ہے
چاند چہرے سے عیاں ہے چال سے مستی عیاں
ہیں مگر رنج والم کے داغ سینے میں نہاں
آنکھ شرمیلی، نظر نیچی فدا جس پر حجاب
لے رہا ہے کروٹیں سویا ہوا دل میں شباب[1]
غم کے ہاتھوں عیش کی بازی ابھی ہاری نہیں
پھر بھی کوئی چیز دنیا کی اسے پیاری نہیں
ماں ہے اس کے سامنے مدہوش سی لیٹی ہوئی
اشکِ غم سے پیکرِ غربت کا منھ دھوتی ہوئی
ایک بیٹی کے بچھڑنے سے ہے ویراں ہر نظر
دل دھڑکتا، تھرتھراتے ہاتھ، پگھلا سا جگر
فرطِ غم سے ضبطِ غم کا باپ کو یارا نہ تھا
ایک بیٹی کے سوا کوئی اسے پیارا نہ تھا
دل میں پیدا آخری دیدار کا ارماں ہوا
ہانپتا گرتا ہوا، بیٹی سے آکر یوں کہا

---

[1] جوش ملیح آبادی ۔ لے رہا ہے کروٹیں عارض میں یوں رنگ شباب
جیسے طوفانی سمندر میں ضیائے ماہتاب

اے مری نورِ نظر تو اس قدر روتی ہے کیوں
طائرِ روحِ حزیں کو اور تڑپاتی ہے کیوں
جانتا ہوں دل نشیں الفت سے تو مجبور ہے
دل کی راحت کے تڑپنے سے بہت رنجور ہے
مانتا ہوں اے سکونِ قلب کہ ارماں ہے تو
دردِ دل کا ایک ہنستی کھیلتی درماں ہے تو
ہے مجھے تسلیم بیٹی تو مرا آرام ہے
دستِ قدرت کا مقدر بے بہا انعام ہے
فطرتِ مجبور نے لوٹا تیرے آرام کو
زندگی آرام ہے پہچان لے آلام کو
کیا کروں قدرت سے میں لاچار ہوں مجبور ہوں
اس ضعیفی میں بھلا میں تجھ سے کب رنجور ہوں
فطرتِ مجبور پر قابو مرا چلتا نہیں
ہائے بیٹی آج اس دل کا کنول کھلتا نہیں
گوشِ دل سے چند باتیں سن مری بیٹی ہے تو
جانتا ہوں میرے چھٹنے سے بہت روتی ہے تو
بارگاہِ آفرینش میں تجھے عزت ملی
عظمت و عفت کی تجھ کو بے بہا دولت ملی
تیری ہی فطرت سے قائم ہے سرورِ زندگی

تو جو چاہے تو بڑھا سکتی ہے نورِ زندگی
نبض چلتی ہے محبت کی تری آواز سے
ہے بہت مانوس انساں تیری نے کے ساز سے
راحتِ جانِ پدر! پروردۂ رحمت ہے تو
پیکرِ اُلفت ہے تو سرمایۂ راحت ہے تو
عالمِ امکاں میں سچ ہے باعثِ عزت ہے تو
مختصر سی بات ہے کہ پیکرِ عصمت ہے تو
اپنے شوہر کی اطاعت سے نہ گھبرانا کبھی
دیکھنا پیہم مصیبت سے نہ دب جانا کبھی
سامنے رکھنا شرم و استقلال کو ایمان کو
عمر بھر راہِ وفا میں، ساس کے فرمان کو
فکر کیا کچھ بھی نہیں تجھ کو چھپانے کے لئے
چادرِ عصمت ہے گر عزت بچانے کے لئے
زیورِ صبر و رضا خود باعثِ تزئین ہے
انکساری، بُردباری باعثِ تمکین ہے
دیکھنا دھبہ نہ آنے پائے تیرے نام پر
دیکھنا ہنسنے نہ پائے کوئی تیرے کام پر
جس گھڑی مرنا مرا رہ رہ تجھے تڑپائے گا
رشتۂ الفت مرا جب یاد تجھ کو آئے گا

میری باتوں کو نظر کے سامنے رکھ کر ذرا
غور کرنا کس قدر تو نے مرا کہنا کیا
گر ہے واقف تو مری ہر بات کے انجام سے
پھر سمجھنا میں بھی زیرِ خاک ہوں آرام سے
چھوڑ دے اے میری بیٹی میرا دامن چھوڑ دے
چار دن کی دل نشیں الفت کا رشتہ توڑ دے
میری باتوں پر عمل کرنا تو اے بیٹی مدام
اُن سے حل ہو جائیں گے اُلجھے ہوئے سب تیرے کام
جھلملا کر پھر نظر آئے گا غربت کا چراغ
اور پائے گا جلا پھر تیرا نسوانی دماغ
پھر تجھے مل جائے گا بیٹی سکونِ زندگی
دوڑ جائے گا تیری نبضوں میں خونِ زندگی
پھر وہ دن آئے کہ جس سے بیچ تیرا دور ہو
تیری خدمت سے مرا دل شاد ہو مسرور ہو

زیب عثمانیہ ۔ لدھیانوی

اُردو کی اس محترم اور گرامی قدر شاعرہ کا نام تاجور اور تخلص زیب ہے، عثمانیہ نسبت خاندانی کی وجہ سے مشہور ہیں، آپ ۱۲ دسمبر ۱۹۱۳ء کو لدھیانہ کے ایک متوسط افغان گھرانے میں پیدا ہوئیں

آپ کے عم محترم غلام محمد خاں صاحب یکتا پنشنر پولیس لاولد تھے بچپن ہی میں زیب کی فراست اور ہوش مندی نے سب کو اپنی طرف متوجّہ کر لیا تھا۔ چنانچہ آپ کے عم بزرگوار نے آپ کو عالم شیر خوارگی ہی سے اپنا متبنّیٰ کر لیا اور اُن ہی کی آغوشِ محبت میں زیب کی تربیت ہوئی۔ اسلامی گھرانوں کے رواج کے مطابق آپ کی تعلیم بھی گھر پر ہوئی، اور جلد ہی آپ نے اُردو اور فارسی کی تعلیم مکمل طور پر گھر پر حاصل کر لی۔ جب بچپن کی حدود سے گزر کر آپ نے جوانی میں قدم رکھا تو آپ کے چچا نے آپ کی شادی ماہ فروری ۱۹۳۳ء میں آپ کے پھوپھی زاد بھائی سلطان بہاء الدین صاحب سے کر دی جو آج کل محکمہ انہار میں ہیڈ ڈرافٹس مین کی خدمات انجام دے رہے ہیں شادی کے تقریباً ۹ سال بعد ۱۰ جنوری ۱۹۴۳ء کو آپ کے فرزند تولّد ہوا جس کا نام سلطان صلاح الدین رکھا گیا۔

آپ کے عم محترم ایک کہنہ مشق اور پختہ گو شاعر ہیں۔ چنانچہ شروع ہی سے محترمہ کے ذاتی جوہر کو تربیت اور ترقی کے لئے ایک ہم آہنگ اور خوشگوار ماحول مل گیا تھا۔ ابتدا میں آپ خاموشی کے ساتھ مختلف اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کرتی رہیں۔ اور رفتہ رفتہ مشقِ سخن نے خیالات میں بلندی اور کلام میں پختگی پیدا کر دی، یہ وہ وقت تھا کہ دنیائے شعر و ادب پر اقبالؒ کی ہستی چھا چکی تھی۔ اس "دانائے راز" کے رازدارانہ نغمے فضائے دہر میں گونج رہے تھے۔ اس کی قومی

اور ملّی نظمیں ہر مسلمان کے دل میں اپنا گھر کر چکی تھیں۔ اس کے پیامِ بیداری، تلقینِ عمل اور نعرۂ خودی کو سن سن کر قومیں اپنے صدیوں کے سکوت پرور خواب سے آنکھیں ملتی ہوئی بیدار ہو رہی تھیں۔ اس کی ژرف نگاہی نے لوگوں کو زندگی کے گہرے حقائق کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ اس کا کلام ہر دل میں گھر کر چکا تھا۔ زیب عثمانیہ فطرت کی طرف سے شاعرانہ دل و دماغ لے کر پیدا ہوئی تھیں۔ ان کے حساس قلب نے نہ صرف اپنے ماحول کے اس اثر کو قبول کیا بلکہ اپنے اندر جاذب کر لیا۔ چنانچہ وہ پہلا نغمہ جس کے ذریعہ سے آپ ادبی دنیا میں پہلی مرتبہ ایک شاعرہ کی حیثیت سے متعارف ہوئیں۔ شروع سے آخر تک اس رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس نظم کا عنوان "مقصدِ حیات" ہے جو محترمہ نے دسمبر ۱۹۳۷ء میں آل انڈیا مشاعرہ منعقدہ لاہور میں پڑھی تھی اور جس پر انجمنِ اردو پنجاب کی طرف سے آپ کو ایک طلائی تمغہ انعام میں ملا تھا وہ نظم یہ ہے:-

مقصدِ حیات

بھول کے بھی نہ درد کو دل سے کبھی جدا سمجھ
شاہدِ دل نواز کی یہ بھی کوئی عطا سمجھ[1]
امن کی آرزو نہ کر امن کا مدعا ہے موت
ہر نفسِ حیات کو درد میں مبتلا سمجھ

---

[1] علامہ اقبالؒ :- از بلا ترسی؟ حدیثِ مصطفےٰ ست ؛ مرد را روزِ بلا روزِ صفا ست
(جاوید نامہ)

شاہرہ حیات میں رہبر و راہ زن نہ بن
اپنے سفر کا مدّعا ان سے کہیں سوا سمجھ
منزلِ ہست و بود میں تیرا مقام ہے بلند
مہر و مہ و نجوم کو اپنے نشانِ پا سمجھ [1]
جوہر درد ہے اگر گوہرِ اشک میں ترے
دامنِ کائنات کو موتیوں سے بھرا سمجھ
تیرے صفاتِ قلب کا دہر میں امتحان ہے [2]
خود کو بشر سمجھ مگر قدسیوں سے سوا سمجھ

زینتِ حریم قلب کی خاک میں جب چھُو ہے
فتنہ کوئی اُٹھا سمجھ حشر کوئی بپا سمجھ

یہ نغمہ کس قدر پُر وقار اور پاکیزہ ہے اور شاعرات کی عام روش سے کس قدر مختلف! اس نظم پر انجمنِ اردو پنجاب کا طلائی عطیہ دنیائے ادب کی طرف سے آپ کے شاعرانہ کمال کا پہلا اعتراف تھا۔ اس کے

---

[1] علامہ اقبالؒ
کارواں تھک کر فضا کے پیچ و خم میں رہ گیا　　مہر و ماہ و مشتری کو ہم عناں سمجھا تھا میں
(بالِ جبریل)
پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی　　ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے
(بانگِ درا)

[2] علامہ اقبالؒ　　اس زیاں خانہ میں تیرا امتحاں ہے زندگی
(بانگِ درا)

بعد انجمن حمایتِ اسلام لاہور کی گولڈن جُبلی کے موقع پر آپ کے نعتیہ کلام پر آپ کو سنہری تمغہ عطا کیا گیا اس کے بعد سے آپ کے کلام کی شہرت تمام ملک میں پھیل گئی اور موقر ادبی جرائد و رسالوں میں آپ کا کلام شائع ہونے لگا۔ اور آج آپ کا شمار ادباء و شعراء کی صفِ اوّل میں ہوتا ہے۔ آپ کا ایک مجموعۂ کلام "متاعِ حرم" کے نام سے ۱۹۴۱ء میں شائع ہو کر ملک کے ادبی حلقوں میں مقبول ہو چکا ہے۔

آپ کا ذہنی و شاعرانہ پسِ منظر اسلامی ہے، آپ مشرقی تہذیب کی دلدادہ، پردہ نشین، سادہ مزاج کم گو اور خوش اخلاق خاتون ہیں۔ دورِ حاضرہ کے دقیق ملکی، ملّی اور سیاسی مسائل سے آپ کو گہری دلچسپی ہے اور آپ کا اکثر وقت غور و خوض اور فکر و تدبّر میں کٹتا ہے۔

یوں تو آج کل ہر شاعر و سخن گو علامہ اقبالؒ کے رنگ میں کہنا دلیلِ عظمت سمجھنے لگا ہے لیکن متبعین اقبالؒ کے سلسلہ میں پنجاب کے جن لوگوں کے نام لئے جاتے ہیں ان میں امینِ حزیں، خان صابر خلیلی اور میر ولی وارثی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ لیکن ابھی ان ناموں میں ایک بہت ضروری اضافہ باقی ہے اور وہ اضافہ محترمہ زیب عثمانیہ کا نام ہے، میرا خیال ہے کہ امینِ حزیں کے علاوہ کسی نے آج تک اقبالؒ کے فلسفہ و پیغام اور اس کی روحِ شاعری کو اتنی صحیح حد تک پیش نہیں کیا جتنا کہ محترمہ زیب نے۔ محترمہ نے ان عنوانات میں سے اکثر پر قلم اٹھایا ہے جو علامہ مرحوم کے مرغوب و مخصوص موضوعات

رہی ہیں اور اس اتباع میں ایسی کامیابی حاصل کی ہے جو اس دور کے بہت کم شاعروں کے حصہ میں آئی ہے، یہ صحیح ہے کہ محترمہ کے یہاں وہ فلک پیما تخیل، وہ آفاقیت، وہ ہمہ گیری و تبحر، وہ فلسفیانہ ژرف نگاہی، وہ عمق، وہ کمالِ شاعری، وہ زندگی کو اپنے گوشے میں سمیٹ لینے والی وسعتیں نہیں ہیں جو اقبالؒ کے یہاں موجود ہیں مگر یوں بھی کسی کے یہاں ان کی تلاش و جستجو عبث و بے سود ہے اقبالؒ ہزاروں برس میں ایک ہوا ہے اور ہزاروں برس تک ایک رہے گا، زمانہ برسوں نہیں صدیوں میں بھی صحیح معنوں میں اقبالؒ کا حریف مشکل سے پیدا کر سکے گا۔ مگر موجودہ دور میں جن لوگوں نے اقبالؒ کا اتباع کیا ہے ان کی دو کامیاب مثالیں حریں اور زیب ہیں یہ امر کس قدر باعثِ مسرت ہے کہ خواتین کے اس ہجوم میں جہاں ہر جگہ "طاؤس و رباب" ہی جنت نگاہ اور "فردوس گوش" ہے ایک شاعرہ علامہ مرحوم کی پُر وقار آواز میں ان کو زندگی اور زندگی کے حقایق کی طرف للکارتی نظر آتی ہے۔ اکبر الہ آبادی نے فارسی کے مشہور مصرعہ میں کس قدر صحیح تصرف کیا تھا۔

"زنے از پردہ" بروں آید و کارے بکند

انتخابِ کلام — اقبال کا رنگ

اقوام کی جاگیریں بے دردی و سفاکی	ہمدردی و دلداری انسان کی جاگیریں
اقوام نے دیکھا ہے جو خوابِ حصولِ زر	بربادی و ناکامی اس خواب کی تعبیریں

اس دین کے معنی ہیں اب غارہ و خندق سے کم
پھر وہ مۂ انجم نقبیں جس دین کی تفسیریں[1]
شمشیر کو دنیا میں ہے نصرتِ حق سے کام
مغلوب جو حق ہے پھر بیکار ہیں شمشیریں
توحید پرستوں کی اک ضرب یداللّٰہی
اوہام پرستوں کی صد آہنی تدبیریں
احساس غمِ انساں لے زیب ہے دین حق کا
نازاں نہ ہوں کیوں ان پر خود قوم کی تقدیریں

(متاعِ حرم صد ۹۹)

وہ قوم حق سے پاتی ہے انعام
جس کے فقرا ہیں محروم آرام
تو سادہ رہرو ہیں سادہ رہرو
فتنوں سے پُر ہے منزل کا ہر گام
گر تیرا نالہ محتاجِ نے ہے
دل ہی میں اپنے اس کو ابھی تھام[2]
اپنی خودی کو پوج اے برہمن
کم تر ہیں اس سے تیرے سب اصنام[3]
اس کو زمانہ رکھتا ہے قائم
جس قوم کو ہے احساسِ انجام

---

[1] مولانا حالی ؒ

جو دین کہ بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں اب آکے غریب الغربا ہے

[2] علامہ اقبال ؒ
نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینہ میں اسے اور ذرا تھام ابھی
(بانگ درا)

[3] علامہ اقبال ؒ

خرد کی تنگ دامانی سے فریاد
تجلّی کی فراوانی سے فریاد
گوارا ہے اسے نظارۂ غیر
نگہ کی نامسلمانی سے فریاد (ارمغان حجاز صد ۲۵۱)

ہے عہدِ عسرت، عہدِ بغاوت اور عیش و عشرت، عسرت کا پیغام
جس میں عمل کی طاقت نہیں زیبؔ
وقعت سے خالی ہیں اس کے احکام
(متاعِ حرم صفحہ ۹۴)

فلسفۂ جنگاہ

قوموں کی تقدیر وہ مردِ جنگاہ ایمان جس کا الحکم للہ
دنیا ہے خود اک جنگِ عناصر باہم صف آرا ہیں انجم و ماہ
ہے اک جہاں پر بھاری وہ ملت شمشیر جس کی الملک للہ
گر مزدکیت ہو واقفِ راز اک سحر طاقت ہے شوکت شاہ
درسِ سیاست دے کون اسے زیبؔ
شیخ و برہمن ہیں مردِ درگاہ

تو صاحبِ تدبیر نہ ہیں صاحبِ تدبیر تدبیر پہ موقوف ہے ہر قوم کی تقدیر
مغرب کی نظر کیفِ امارت سے ہے پُر از خواب مشرق کی نگاہوں میں عیاں قوتِ تعمیر
سازش میں جہاں شام و سحر نفس و خرد ہو انسانیت اس ملک میں ہے بیکس و دلگیر
بولا کہ خودی اور خدائی میں تفاوت! یزداں سے جو پوچھی گئی اوہام کی تفسیر[۲]

---

[۱] علامہ اقبالؒ ع مغرب کے خداوند درخشندہ فلزات (بالِ جبریل صفحہ ۱۴۵)

[۲] علامہ اقبالؒ ۔ خودی میں گم ہے خدائی تلاش کر غافل
یہی ہے تیرے لئے اب صلاحِ کار کی راہ (بالِ جبریل صفحہ ۶۹)

اے زیب پلٹ آئی ہیں اس راہ سے قومیں
ناکام رہی غرب کی یہ کوششِ تزویر

(متاعِ حرم ص۶۹)

غنچے کی جیبِ رنگیں نقدِ خودی سے خالی
ضعفِ خودی کی شاہد سبزہ کی پائمالی[1]
تاریخ امتوں کی اس بات پہ ہے شاہد
ہر کم مذاق ملت ہے جلد مٹنے والی
قوموں کی ماندگی کا باعث رہی ہے اکثر
تیری تنک مزاجی، میری تنک خیالی
کیا چیز تھی بھلا وہ ہر دورِ معصیت میں
جس نے جہاں میں قوموں کی آبرو بچالی
ٹوٹے ہوئے دلوں سے اظہارِ دردمندی
دنیا کی نعمتوں میں احساسِ لاابالی
اے زیب مشرقی ہوں قومیں کہ مغربی ہوں
ہے جن کا عزم عالی، ان کے نصیب عالی

(متاعِ حرم ص۷۳)

---

[1] علامہ اقبال رح: بے اشک سحرگاہی تقویمِ خودی مشکل
یہ لالۂ پیکانی خوشتر ہے کنارِ جو (ضربِ کلیم ص۱۲۶)

حقیقت کے منافی ہے تری موجودہ بیداری
گئے تجھ میں بندۂ مومن کی قہاری نہ غفاری[1]

مری کوتاہ افکاری سے بے وقعت مرے نغمے
تری کوتاہ کاری سے تری منزل میں دشواری

ابھی تہذیب وہ محروم ہے ایماں کی دولت سے
کسی تہذیب میں گر فقر کے معنی ہیں ناداری

نہ پاسِ عہد تجھکو ہے نہ پاسِ عہد مجھکو ہے
ترا شیوہ نگہ داری، مرا شیوہ نگہ داری

زمانے کے حوادث پتھروں کو توڑ دیتے ہیں
بچائے گی تجھے کیا کفر کی آہنی دیواری

مجھے اے زیب بھروں خون کے آنسو رلاتی ہے
مری ملت کی کم کوشی، مری ملت کی ناداری

(متاعِ حرم صـ ۹۳)

عورت

اے کہ تو بھی کاروانِ دہر کی ہمدوش ہے	اے کہ جس کو خلد کہتے ہیں تری آغوش ہے
گو نہیں حاصل تجھے تابِ نواں مردانہ وار	تیری نازک انگلیوں میں ہے عنانِ روزگار

---

[1] علامہ اقبال رح	قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں	(ضربِ کلیم صـ ۵۷)

جاگے گی نہ ہرگز کبھی اس قوم کی تقدیر
جس قوم کی عورت ہی نہیں صاحبِ تدبیر

عورت میں ہو مفقود اگر جرأتِ اخلاق
قوموں کی ہے یہ خامیٔ اخلاق کی تعبیر

محروم ہے وہ قبضۂ شمشیر سے اے زیب
جس قوم کی عورت میں نہ تھے جوہرِ شمشیر

(متاعِ حرم ص۴۴)

خاتونِ مسلم

پھر مٹانا ہے غلط جادۂ منزل تجھ کو
پھر بنانا ہے یہ بگڑی ہوئی محفل تجھکو

تج دئے تو نے رسومات کے گر لات و منات
عین ممکن ہے کہ ہو شاطرِ تقدیر کو مات

نہ تری قوم میں ثروت ہے نہ عزت باقی
ننگِ گلشن ہے کسی نخل کی کم اوراقی

بادباں چاک ہوئے ڈوب چلی ہے کشتی
تو ہے کشتی میں تہِ آب چلی ہے کشتی

(متاعِ حرم ص۲۴)

سرمایہ و محنت

یہ کس کی خودی ضربتِ پا سے ہوئی بیدار
سرمایہ و افلاس میں ہیں جنگ کے آثار

مرعوب گلِ پختہ! تجھے کیا نہیں معلوم
خار خس و خاشاک بھی ہیں شاملِ دیوار

(متاعِ حرم ص۲۰)

ہلال اور مزدور

افق پر ہلکے ہلکے جھلملانا
فلک پر چپکے چپکے مسکرانا

تیرے پیکر میں آب و گل بھی ہونگے
وہاں مستی بھی ہشیاری بھی ہوگی
وہاں مجبور بھی ہوگا زمانہ
مگر مزدور سے نفرت نہ ہوگی

تیرے پہلو میں لاکھوں دل بھی ہونگے
سبکساری بھی خودداری بھی ہوگی
وہاں مغرور بھی ہوگا زمانہ
غریبی باعثِ ذلت نہ ہوگی

(متاعِ حرم ص۴۶)

مزدور خدا کے حضور میں

جب یہ بندہ اپنے رب کے پاس جاکر روئے گا
ساکنانِ عرشِ اعظم کو رُلاکر روئے گا
جب یہ اہلِ خانہ کے فاقے جتاکر روئے گا
جب یہ اپنی داستانِ غم سناکر روئے گا
اہلِ ثروت کی ستم رانی بتاکر روئے گا
نوعِ انساں کی زبوں حالی سناکر روئے گا
جب یہ اپنی نیم عُریانی دکھاکر روئے گا
جب اسے داور کلیجے سے لگاکر روئے گا
چیخ اٹھے گا نہ آسماں کا ذرہ ذرہ انقلاب
انقلاب اے ساکنانِ بزمِ دنیا انقلاب

(متاعِ حرم ص۵۶)

سیاسیات

نہیں سیاست جدا ہے نہ سیاست دیں سے
یہ تیرے فہم کم اندیش کی ہے ناداری

(متاعِ حرم ص۶۶)

قوم وہ جو اپنے وعدوں پر مستحکم رہی　　رہ نہیں سکتی کبھی اس کی حکومت برقرار

(متاعِ حرم ص۱۹)

بدلا ہے اس نے غرب میں جمہوریت کا رنگ　　اک آخری خدنگ کلیسا کہیں جسے

(متاعِ حرم ص۴۷)

وہ دورِ اپنی حکومت میں سدا بدنام رہتا ہے

غریبوں کا ہو جس میں ہر قدم اقدام تعزیری

ریاکاری پہ مبنی ہے سراسر عہدِ طاقت میں

ق

اگر قوموں میں ہو موجود راہ و رسم تحریری

کہ عنصر ہائے ہستی ہیں غلام اقوام غاصب کے

ہو گیا اس سے زیادہ پیرِ گردوں کی ہے پیری

(متاعِ حرم ص۷۹)

جمہوریت خام و ملوکیت بدنام　　دولت کی یہ ایجاد ہے دولت کی وہ ایجاد

(متاعِ حرم ص۸۵)

بلند نظری

مرا ہمسفر نہیں تو کہ جدا ہے تیری محفل　　مجھے اہتمام طوفاں تجھے انتظارِ ساحل[۲]

(متاعِ حرم ص۲۵)

---

[۱] علامہ اقبال ح ۵

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری　　(بانگ درا)

[۲] اس "اہتمام طوفاں" کی درس فرمائی علامہ اقبال کی زبان سے ملاحظہ ہو

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

میرا مذاق فکر و غم و سوز و درد و داغ　　تیرا مذاق اک ہی آمد بہار کی

(متاعِ حرم ص۶۷)

حُبِّ قوم و وطن کا نظریہ

دلوں میں ڈال کے قوم و وطن کا ذوق غلط

ہے مگر جذبِ مروّت کی درس فرمائی[1]

(متاعِ حرم ص۱۸۱)

سماج کے رسم و رواج پر تنقید

پروانہ

آہ اے پروانہ! تجھ کو کیا خبر کیا ہے سماج

کس طرح ہم پر مسلّط ہیں غلط رسم و رواج

آدمی ذکرِ محبت لب پہ لا سکتا نہیں

جان دے سکتا ہے دردِ دل بتا سکتا نہیں

وارثانِ دیر و کعبہ، وہ بزعمِ خود حکیم

جن کو تھا شایانِ شاں اور اک احساسِ عمیم

(پچھلے صفحہ سے)

مہارا بزم بر ساحل کہ آنجا　　نوائے زندگانی نرم خیز است

بدریا غلط و باموجش در آویز　　حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

(پیامِ مشرق)

[1] علامہ اقبال رح　نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ

خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات　　(بانگِ درا)

احترامِ فطرتِ انساں سے ہے ان کو مفر
الحذر! خود وضع کردہ طرزِ دیں سے الحذر![1]

جب کبھی اقوام کے اخلاق کو پہنچا گزند
اس کا باعث تھے دلِ انساں پہ بیجا قید و بند
(متاعِ حرم صـ۳۵)

ایک کشتۂ رسوم کیلئے

رسم و رواج دہر ہوں عقل و خرد پہ حکمراں
ہے یہ اہانتِ بشر ہم کو جتا گیا ہے تو

برہم و خشمگیں نہ ہو کیوں تیری موت پر سماج
اس کے مذاقِ جہل سے پردہ اٹھا گیا ہے تو

فرد کا انتخابِ زوج تابعِ رسم و رہ ہو جب
ہے وہ زمانہ بے وقار ہم کو جتا گیا ہے تو
(متاعِ حرم صـ۱۴۱)

وطن کا مستقبل

بے ضرورت صنفِ نازک جس کی بے پردہ پھرے
یا غلط ہو جس کی رسمِ پردہ داری وہ وطن

[1] علامہ اقبال رحـ
زمن بر صوفی و ملّا سلامے — کہ پیغامِ خدا گفتند ما را
و لے تاویل شاں در حیرت انداخت — خدا و جبرئیل و مصطفٰے را
(ارمغانِ حجاز)

رہگذاروں میں ہوں محوِ عشق جس کے نوجواں
جو ہو ذوقِ وجذبِ خودداری سے عاری وہ وطن
معتمد ہوں جس کے اربابِ غرض وسطحِ ارض
مشتبہ ہو جس میں ذوقِ جاں نثاری وہ وطن

(متاعِ حرم ص۴۴)

فلسفۂ ایماں

ایمانِ محکم قوموں کا معیار	ایمان ناقص ملکوں کا ادبار[1]
ایماں نبوت کا درسِ اول	ایماں خدا کے آئین کا شہ کار
ایماں ہمارا سازِ تمدن	ایماں ہمارا سامان پیکار[2]
مومن کے تابع ساری خدائی ہے	مومن خدا کا احکام بردار
ایمان محکم ہوتا ہے اس دم	جب ضربِ غم سے ہو روح بیدار
ذکرِ خدا سے تازہ ہو احساس	فکرِ خودی پر مائل ہوں افکار

(متاعِ حرم ص۱۷)

---

[1] علامہ اقبال رح ثباتِ زندگی ایمان محکم سے ہے دنیا میں
کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی (بانگِ درا)

[2] علامہ اقبال رح ولایت، پادشاہی، علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں (بانگِ درا)

[3] علامہ اقبال رح۔ ایام کا مرکب نہیں راکب ہے مسلماں (ضربِ کلیم)

متفرقات

تری ضربِ پا سے جب تک نہ رواں ہو کوئی چشمہ
نہیں درخورِ زمانہ ترا ذوق تشنہ کامی

(متاعِ حرم صد ۶۷)

تجھے سمجھا دیا کس سوختہ سامانِ حکمت نے
کہ کوئی شعلہ تیری خاک کا حاصل نہیں ہوتا

(متاعِ حرم صد ۷۴)

بھولیں نہ مجھ کو تیری وفائیں
مجھ سے زمانہ بھر نے جفا کی[۵]

(متاعِ حرم صد ۸۲)

اگر ہے سخت کوشی پر بنائے آشیاں میری
محافظ میرے طوفاں و بجلی پاسباں میری
ترا شیوہ تن آسانی مرا شیوہ تن آسانی
وہی مجبوریاں تیری وہی مجبوریاں میری
نزاکت برگِ گل کی سنگ آہن سے بدلتا ہے
نہیں ہو جیسا اتنی تند گلشن میں فضا میری

(متاعِ حرم صد ۷۲)

جو گردشِ ایام سے گھبرائے نہ اے زیب
سمجھی ہے وہی قوم زمانہ کا اشارہ[۶]

(متاعِ حرم صد ۹۹)

اے بحر کچھ سمجھ کر قطرے کی کر اہانت
ہے رازدار تیری دنیائے بیکراں کا

(متاعِ حرم صد ۸۹)

۵۔ عندلیب شادانی:۔ رات اک بزم میں تھے جور و جفا کے شکوے
دل بھر آیا جو تری مہر و وفا یاد آئی

۶۔ علامہ اقبال رح:۔ زندگی از دہر و دہر از زندگی است لاتسبوالدہر فرمانِ نبی است

رہِ حیات میں مڑ مڑ کے نقشِ پا کو نہ دیکھ — مہ و ستارہ کی شانِ خرام پیدا کر

(متاعِ حرم صہ ۱۰۳)

حرم و دیر ہوئے ترکِ عمل سے رسوا — دیکھئے اہلِ عقیدت اسے کیا کہتے ہیں

متاعِ حرم صہ ۱۰۴

قطرے قطرے کو پھریں تیرے سبو کش لاچار

ہے یہ کس لئے غیرت کا مقام اے ساقی [1]

مکرہت سے تری ہو جائیں نہ میکش بد دل

سنگدل ہے تری محفل کا نظام اے ساقی

(متاعِ حرم صہ ۱۱۰)

ترے صحرا و بیاباں تو ہیں آباد تمام — مرا حسرت کدۂ قلب ہی آباد نہیں

(متاعِ حرم صہ ۱۱۵)

اٹھا ہے محفلِ ہستی سے اعتمادِ وفا — کہو کسی سے کہ رسمِ جفا پہ ناز کرے

خدا بھی ہو تو کبھی کوششِ نیاز نہ کر — اگر وہ تجھ سے کوئی احتیاطِ راز کرے

(متاعِ حرم صہ ۱۱۷)

گھبرا کے سرد مہریٔ دنیا سے رات دن — رویا کئے ہیں زیبؔ کسی مہرباں کو ہم

(متاعِ حرم صہ ۱۲۰)

---

[1] علامہ اقبالؒ:- ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے :: بتا کیا تو مرا ساقی نہیں ہے؟

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم :: بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے (بالِ جبریل)

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ :: ترے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی

(بالِ جبریل)

گردشِ چشمِ دوست ہی گردشِ روزگار ہے

شرح سمجھ کے شکوۂ گردشِ روزگار کر

حجلۂ عجز سے نکل پردۂ بندگی اٹھا

وقت کا اقتضا ہے زیبؔ خود کو اب آشکار کر

(متاعِ حرم صـ۱۲۲)

اہلِ وفا کی قدر کر حاصلِ داستاں ہیں یہ

حُسن بھی ایک داستاں عشق بھی ایک داستاں

(متاعِ حرم صـ۱۲۸)

رحمت سے تیری ہم جو بنے ہم کسی کو کیا

ٹھکرا دیے ہیں ہم نے دو عالم کسی کو کیا

ہوتی ہے کوئی کہنے کی بات اور کوئی نہیں

کہیے کسی سے کیوں سببِ غم کسی کو کیا

ہے پاسِ دوستی انہیں کیوں ہر انام لیں

محفل میں ان کا ہے کوئی محرم کسی کو کیا

(متاعِ حرم صـ۱۲۹)

خرد کے مصرفِ اعلیٰ سے کتنے بے خبر نکلے

کہ بازارِ جہاں سے اہلِ مغرب خوار تر نکلے[۱]

فلک کی طرفہ کاری ہے کہ آج اے زیبؔ دنیا میں

جو تھے صیاد وہ خود طائرِ بے بال و پر نکلے[۲]

(متاعِ حرم صـ۱۳۰)

---

[۱] علامہ اقبالؒ :۔ غبارِ رہگذر ہیں کیمیا پر ناز تھا جن کو : جبینیں خاک پر رکھتے تھے جو اکسیر گر نکلے

[۲] علامہ اقبالؒ :۔ عقابی شان سے جھپٹے تھے جو بے بال و پر نکلے

ستارے شام کے خونِ شفق میں ڈوب کر نکلے (بانگِ درا)

بہرِ ثبات کوششِ نام و مقام سے گزر — اصلِ دوام ہے یہی حدِّ دوام سے گزر
زاہدِ کم نہاد نے رسم سمجھ لیا تو کیا — قصدِ قیام اور ہے رسمِ قیام سے گزر[1]
ہے ترا ذوقِ احتیاج اہلِ کرم کا پردہ دار — ایک ادائے رمز سے سرد روئے بام سے گزر
نشۂ مے سے کب ملا درد نہاں کو سکوں — فطرتِ سہل گیر کی کوششِ عام سے گزر

(متاعِ حرم صفحہ ۱۳۳)

ذوقِ فنا میں ہے نہاں رازِ حیات با شرف — ہے وہ زمانہ بادہ فام جس کے عوام سر بکف[2]
ذوقِ طلب کو کر بلند دامِ عمل فلک سے ڈال — مہر و مہ و نجوم ہیں بحرِ حیات کے صدف

متاعِ حرم صفحہ ۱۳۴

اے کہ مرا مقامِ عجز تیری نظر میں ہیچ تر — کس کو خبر کہ یہ بھی اک منزلِ کبر و ناز ہو

متاعِ حرم صفحہ ۱۳۶

بنائے ہیں جیسے قشقہ و محراب — بہت معروف ہیں شکلیں ریا کی

(متاعِ حرم صفحہ ۱۳۹)

مکتبِ ہستی میں اس درس قناعت سے حذر
جس سے قوموں کے عزائم میں ہو پیدا اختصار

---

[1] علامہ اقبال ؒ:- تیرا امام بے حضور تیری نماز بے سرور
ایسی نماز سے گزر ایسے امام سے گزر (بالِ جبریل)

[2] اس زمین میں علامہ اقبال کی وہ غزل ملاحظہ ہو جس کا مطلع یہ ہے ؎
میر سپاہ ناسزا لشکریاں شکستہ صف ؛؛ آہ! وہ تیرِ نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف (بالِ جبریل)

صیغہ ہائے حق سے کوئی جا کے پوچھے آج زیبؔ
پیشِ باطل کتنا بے موقعہ ہے ان کا انکسار

(متاعِ حرم صـ ۱۳۹)

ذیل کے شعر متاعِ حرم میں شامل نہیں ہیں۔

خواتین میں ذوقِ علم کی کمیابی

جہل کیا ہے؟ سعیٔ حاصل پر قناعت کا خیال
علم کیا ہے؟ زندگانی میں کمال اندر کمال

صد شبابِ خام ہوں اس پختہ پیری پر نثار
جس کا اندیشہ بیاں کرتے ہیں جوشؔ نامدار[۱]

علم کی توسیع سے خائف ہے ہر قومِ غلام
کیونکہ ہے محدود بزمِ دہر میں اس کا قیام

پروانہ

بزمِ ہستی میں حیات آفریں ہے یہ عمل	دوسرے کی آگ میں بڑھ کر چلا جاتا ہے تو
کس قدر وقفِ عبادت ہے ذرا سی زندگی	موت ہنگامِ طوافِ شمع میں پاتا ہے تو
شعلۂ شمعِ فروزاں سے نہیں اتنی تپش	گرمیٔ شوقِ شہادت ہے کہ گھبراتا ہے تو

کرمکِ بے مایہ را شمعِ فروزاں زندگیست
زیبؔ مارا ایں دلِ بیتاب و سوزاں زندگیست

---

[۱] خواتین کے تحصیل علم کے ضمن میں جوشؔ ملیح آبادی کا ایک شعر ہے ؎
وقت سے پہلے بلا لیتے ہیں پیری کو علوم :: عمر سے آگے نکل جاتے ہیں چہرے بالعموم

زینت

زینت بیگم نام اور زینت تخلص ہے۔ ڈھاکہ کی شاعرہ ہیں طرزِ ادا رواں دواں اور صاف ہے۔ گو کلام میں ابھی پختگی نہیں۔ لیکن اگر برابر لکھتی رہیں تو خوب لکھنے لگیں گی۔

طلوعِ سحر

اُفق پر سپیدی سی چھانے لگی
مؤذن کی آواز آنے لگی

ستارے بھی سب ماند اب پڑ گئے
ضیائے قمر جھلملانے لگی

گجر دم کلیسا کی گھڑیال بھی
گجر پانچ کے اب بجانے لگی

سڑک پر کی بتی جلی رات بھر
پھٹی پو تو وہ ٹمٹمانے لگی

طلوعِ سحر کی نسیم سحر
جگت میں بدھائی بجانے لگی

عروسِ سحر ہو کے آراستہ
بہار اپنی ہم کو دکھانے لگی

نسیمِ سحر جو چلی جھوم کر
کلی شاخ پر مسکرانے لگی

چمن کا چمن بن گیا لالہ زار
سمن باغ میں کھلکھلانے لگی

صبا اپنی مستانہ رفتار سے
چمن در چمن گل کھلانے لگی

فضائے چمن بن کے باغِ ارم
شگفتہ دلوں کو لبھانے لگی

سحر خیز نازک مزاجوں کے دل
نسیم سحر گدگدانے لگی

مکانوں میں دھندلی سی ایک روشنی
دریچوں سے چھن چھن کے آنے لگی

گلوں کی پرستار بلبل غریب
محبت کا نغمہ سنانے لگی

وفورِ ترنم میں سرشار ہو
درختوں پہ شاما بھی گانے لگی

برہمن بھجن پاٹ کرنے لگا
صدا اس کی بھگتوں کو بھانے لگی

پُجارن بھی پھولوں کی ڈالی لئے
بصد ناز مندر کو جانے لگی

سجا کر عقیدت سے پھولوں کی بھینٹ
وہ دیوی کو اپنی چڑھانے لگی

دبستاں کی لڑکی بھی کر کے وضو
معلّم کو قرآں سنانے لگی

سُریلی صداؤں سے زینت بھی اب
عزیزوں کو اپنے جگانے لگی

(س)

ساجدہ شاہجہانپوری

ساجدہ بیگم نام ہے اور ساجدہ تخلّص۔ آپ منشی فاضل ہیں۔ حضرت دانش شاہجہانپوری کی صاحبزادی ہیں اور "بنتِ دانش" کے نام سے مشہور ہیں۔ عصمت کی مخصوص شاعرات سے ہیں اور خوب لکھتی ہیں۔ کلام میں سنجیدگی متانت اور درد و اثر موجود ہے۔

روحِ علّامہ راشد الخیری سے

نہ دستِ عقل میں دامانِ عفّت و ناموس
زنانِ قوم کی حالت ہے قابلِ افسوس

وہ بڑھ رہی ہیں معاصی کی سمت روزانہ
ہیں اس قدر مددِ کردگار سے مایوس

نماز و روزہ، تمسخر، زکوٰۃ و حج ہیں مذاق

اصولِ مذہبِ اسلام طرزِ دقیانوس
ہراس شوہر و فرماں پذیری شوہر
نگاہِ شوق میں ہے کارِ ماکیانِ خروس
فضا میں ناز و کرشمے ہیں دیدنی تو یہ
رہا قفس سے ہوا آج طائرِ محبوس
ضیائے علم بدن سے نہ بڑھ سکیں آگے
وہ کیا سنیں گی صدائے ضمیر ناموس
گو نامِ علم و ترقی پہ جان دیتے ہیں
سمجھ رہی ہوں مگر میں ترقیٔ معکوس
یہ وقت ہے کہ کوئی دردِ قوم کا مارا
عروجِ زن کو کرے راہِ عقل سے مانوس
ہے یاد آپ کی ایسے میں راشد الخیری
مثالِ خضر یہ ناآشنائے راہِ نفوس
نظیر آپ کا اب تک ہے کیا پس پردہ
زنانِ قوم بجاتی ہیں کفر کا ناقوس

علامہ راشد الخیری (مرحوم) و شاعرہ

اے زنِ مسلم نہ ہونا مادیت کا شکار
روح کا دامن نہ چھوٹے تجھ سے تا حدِ مزار

میری تصنیفات نے بخشی ہے تجھکو اک نظر
ہو سکے تو طبقۂ نسواں کی انجمن نور کر

گر بہ وقتی نہ ثابت ہو مری تفسیرِ غم
اس لیئے درکار ہے مجھ کو ترا زورِ قلم

میں نے اپنے وقت میں سر تیرا اونچا کر دیا
قوم کو شرمندۂ حرکات بیجا کر دیا

میں نے اس انداز سے چھیڑی رگِ ملت میں لی
تیرے حق کے سامنے سر کو جھکاتے ہی بنی

ہے مرے سوزِ دروں ہو کاش میرا نقش پا
مثل میرے اشکباری میں تجھے آئے مزا

"اے تسلی بخش جاں وائے سکوں افزائے دل
گو ہوائے مادیت چل رہی ہے متصل

گو ہوئی مفقود یکسر روح میں ڈوبی نظر
طبقۂ نسواں کے دامن میں ہے علم بے اثر

پھر بھی ہم میں جلوہ گر ہیں چند اہلِ قلم
جن پہ ظاہر ہیں نقص ملت کی مہک کا زیر و بم

ڈاکٹر اختر ـ جمیلہ ـ نذرِ سجاد ـ آمنا
رابعہ پنہاں ـ صفیہ ـ نجمہ و حور و حنا

آپ کا پودا بڑھا اور بڑھ کے بار آور ہوا
شاہدِ بے مثل ہیں اوراقِ "عصمت" برملا

سر جو اونچا ہو چکا نیچا وہ ہو سکتا نہیں
نقش پائے محسنِ اعظم کو کھو سکتے نہیں

آپ کی تحریر ہے جبتک فروغِ چشمِ دل
کر نہیں سکتی ہمیں بادِ مخالف مضمحل"

قطعات

(۱)

زندگی ٹیس کبھی بھی رائگاں جاتی نہیں
آہ کا ہوتا اثر ہے قلب پر وہ ہو بہو

جس طرح آذر صفت اک بُت تراش ہوشیار
کاٹ کر پتھر بناتا ہے بتانِ خوبرُو

(۲)

ایک طوفانی ہوا ہے نغمۂ راہِ فنا
گوشِ دل میں اس طرح تیزی سے بھرتا ہے مگر
آم کے باغوں میں آندھی کے اثر سے جس طرح
اپنا دامن گاؤں کے لڑکے کریں دم بھر میں پُر

(۳)

رات میں مہتابِ انجم دن میں خورشیدِ منیر
دیکھتے حسرت سے ہیں رنگِ دلِ حسرت اثر
دل یہ کہتا ہے ذرا صبر و تحمل ساجدہ
وہ ترے پیغام کی خاطر ہیں سرگرمِ سفر

(۴)

حسنِ اصلی معتبر اہلِ نظر کی رائے میں
پھول سے چہرہ پہ پوڈر صنعتِ قدرت سے جنگ
دیدنی ہے خواہرِ من! اسحرِ زینت کا اثر
روح بھی اُف ہوگئی ہے خوگرِ قیدِ فرنگ

(۵)

جس سکونِ درد سے دنیائے دل ہے ہم کنار
ڈھونڈھنا اس کا عبث ہے، دامنِ تدبیر میں
خامۂ قدرت چلا اور ایک سو ہی چل گیا
یہ مشیت نے لکھی ذلت مری تقدیر میں

ساجدہ

ساجدہ خاتون نام اور ساجدہ تخلص ہے۔ آپ سمن پور ضلع غازیپور کی شاعرہ ہیں آپ کا کلام اکثر خاتونِ مشرق میں شایع ہوتا رہتا ہے۔ آپ اردو کی ایک خوشگو شاعرہ ہیں۔ کلام میں جوش و اثر اور جذبات کی شدت موجود ہے۔ آپ کو طبقۂ نسواں کی مظلومی کا احساس ہے۔ سماج کے غلط رسم و رواج اور مذہب کے نام نہاد علمبرداروں پر آپ کی نظریں اکثر ناقدانہ پڑتی ہیں۔

مرغِ مذبوح کی آتش فشانی

ایک مرغِ نیم جاں نے مولوی جی سے کہا / سچ بتا اے پارسا اے سنگدل بہرِ خدا
کائناتِ رحم پر کیوں گر پڑی برقِ جلال / کس لئے اک بے زباں کو کر رہا ہے تو حلال
کیوں تری تحریکِ الفت کا علم خم ہو گیا / کیوں نظامِ مہر و شفقت آج برہم ہو گیا
کیوں تری رگ رگ میں بیدردی کا دوڑا ہے لہو / تیرے وعظ و پند کی کیوں لٹ رہی ہے آبرو
انجمن میں تیری گرما گرم تقریروں کا رنگ / ذرہ ذرہ پر جما دیتا ہے تاثیروں کا رنگ
تو زمانہ کو دیا کرتا ہے درسِ عاشقی / نام تیرا مولوی ہے کام تیرا رہبری

کیا محبت کرنیوالوں کا یہی انداز ہے　　کس قدر مکر و دغا سے پُر تری آواز ہے

اک طرف دیتا ہے تو انساں کو نیکی کا سبق　　اک طرف بے رحمیوں کا خود الٹتا ہے ورق

اک طرف کہتا ہے تو ایذا رسانی ہے بُری　　اک طرف میری رگِ گردن پہ پھیری ہے چھُری

کیا تجھے معلوم ہے ہم زندگی رکھتے نہیں　　کیا تمناؤں کے گہوارے میں ہم پلتے نہیں

کیا ہمارے سینۂ معصوم میں حسرت نہیں　　کیا ہماری مختصر سی جان کی قیمت نہیں

ناتواں ہیں بے زباں ہیں اس لئے خاموش ہیں　　درحقیقت آدمی سے بڑھ کے ہم پُرجوش ہیں

آدمی تو ہو گئے ہیں باغیٔ دینِ خدا　　ہے مگر اب تک ہماری جنس میں ارزاں وفا

صبح کی کچی سپیدی میں اذاں دیتا ہے کون　　میٹھی میٹھی نیند کے میٹھے مزے لیتا ہے کون

اشرف المخلوق ہیں اب آدمی بس نام کے　　مے نہ ہو جس جام میں وہ جام ہی کس کام کے

بانسری ہیں لے نہ ہو تو بانسری بیکار ہے　　دھار جس میں کچھ نہیں وہ کب بھلا تلوار ہے

ہوش میں آ اے ستم ایجاد بانیٔ جفا　　منقلب ہونے ہی کو ہے بزمِ عالم کی فضا

برقِ آفت لقمۂ تر پر ترے گرنے کو ہے　　پھر ہوائے دہر کا رخ سر بسر پھرنے کو ہے

ظلم کا دریا صدا اک حال میں بہتا نہیں　　ایک مرکز پر زمانہ کا قدم رہتا نہیں

ہے بظاہر سانحہ اک مرغ کی یہ داستاں
اس میں پوشیدہ ہے لیکن عبرتوں کا اک جہاں

۱؎ موصوفہ کی یہ نظم ان کے اس نوٹ کے ساتھ شائع ہوئی تھی -

"شاعر یا شاعرہ کا مذہب اس کا جذبۂ بے اختیار ہوتا ہے اس کی آزادی کسی دوسرے مذہب کی پابند نہیں ہوتی۔ یہ نظم بھی جذباتی حیثیت سے لکھی گئی ہے اور اسی حیثیت سے پڑھی جائے۔ ہاں غلطیوں پر نگاہ عفو کی ضرورت ہے"

سارہ حیدر آبادی

سارہ بیگم نام اور سارہ تخلص ہے۔ آپ احمد مدنی صاحب کی بڑی دختر ہیں جو مدرسہ دار العلوم حیدر آباد کے ایک قابل مدرس تھے آپ ۱۳۱۱ھ ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئیں۔ گھر پر والدین اور نانا سے ابتدائی تعلیم کے علاوہ فارسی اور عربی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد محبوبیہ گرلز اسکول میں شریک ہوئیں۔ افسانہ نگاری وغیرہ میں مختلف انعام حاصل کیے ۱۳۲۵ھ ۱۹۱۶ء میں محبوبیہ گرلز اسکول میں فارسی اور عربی کی معلمہ کی جگہ پر آپ کا تقرر ہوا۔ ۱۳۴۲ھ ۱۹۳۲ء میں بوجہ خرابی صحت وظیفہ حاصل کر لیا۔

"ماتم سروش" اور "اساس القواعد" آپ کی دو مستقل تصانیف ہیں۔ اس کے علاوہ مضمون نگاری کا بھی شوق تھا۔ رسالہ افادہ میں آپ کے اکثر مضمون شایع ہوئے۔ انسداد گداگری پر آپ نے ایک رسالہ (پمفلٹ) لکھا جو پسندیدہ نظروں سے دیکھا گیا۔ سخن سنجی اور سخن فہمی کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کا بھی شوق ہے۔ طرزِ بیان سادہ و دلکش ہے۔ کلام میں کیف و اثر ہے۔

وان نزاکت تھی یاں تک آ نہ سکے — یاں نقاہت تھی یہ کہ جا نہ سکے
جوشِ گریہ نے کر دیا خاموش — قصّۂ غم انھیں سُنا نہ سکے
میرے دل میں سما گئے کیونکر — دونوں عالم میں جب سما نہ سکے
کی دمِ نزع اس نے پرسشِ حال — لب پہ جنبش ہوئی بتا نہ سکے[۱]

[۱] مومن ؎ کیا مرتے دم کے لطف میں پنہاں ستم نہ تھا۔ وہ دیکھتے تھے سانس کو اور مجھ میں دم نہ تھا

یوں سما جاؤ میری نظروں میں   پھر کوئی دوسرا سما نہ سکے

سائرہ

غالباً یہی نام اور یہی تخلص ہے زمانہ حال کی ایک خوش گو شاعرہ ہیں کلام میں درد و اثر اور سوز و گداز بہت ہے۔ عشقیہ رنگ میں لکھتی ہیں اور خوب لکھتی ہیں۔ آپ کے یہاں نہایت شدید اور حسرت آمیز جذبات کی ترجمانی ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

"تحیّرِ منفعل"

ستم ہے شرطِ آئینِ محبّت میں نہ سمجھی تھی
ارے ان حُسن والوں کی شریعت میں نہ سمجھی تھی
مجھے کھوئے گی اک دن شامِ فرقت میں نہ سمجھی تھی
مجھے دنیا سے کھودے گی محبّت میں نہ سمجھی تھی
تمھاری سادگی تصویرِ خاموشِ مسرّت تھی
جوانی آئے گی بن کر قیامت میں نہ سمجھی تھی
پشیماں ہو رہی ہوں شکوۂ جور و جفا کر کے
کوئی ہوگا پشیمان شکایت میں نہ سمجھی تھی
اسے جانے نہ دیتی جذب کر کے دل میں رکھ لیتی
بہارِ باغ کا رنگِ طبیعت میں نہ سمجھی تھی
تیری گلیوں میں مٹ کر موت کے دن کاٹ دیتی میں

تری گلیوں سے اٹھے گی قیامت یں نہ سمجھی تھی
سمجھ رکھا تھا میں نے اختیاری ولولہ دل کا
تمہارے ہاتھ میں ہے میری قسمت یں نہ سمجھی تھی
شبِ خلوت ستاروں نے بہت لوٹے ترے جلوے
ترے حسنِ شب آرا کی حقیقت میں نہ سمجھی تھی
محبت بھی نشاطِ زندگانی وہ بھی کیا دن تھے
کہ آفت تم نہ سمجھے تھے مصیبت میں نہ سمجھی تھی
نظر ملتے ہی کچھ محجوب ہے وہ بیوفا مجھ سے
نگاہوں سے بھی ہوتی ہے شکایت میں نہ سمجھی تھی
کسی کو خواب میں بے چین کر ڈالا خیالوں نے
خیالوں میں بھی ہوتی ہے یہ قوت میں نہ سمجھی تھی
گنہ کیوں سر پہ لیتی سائرہ حسن تماشہ کا
مجھے یوں مست کر دے گی محبت میں نہ سمجھی تھی

سردار حیدر آبادی

منظور فاطمہ بیگم نام اور سردار تخلص ہے۔ مولوی مشتاق حسین مرحوم المخاطب نواب وقار الملک کے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ مولوی سید محبوب علی صاحب ناظم لاسلکی حیدر آباد کی رفیق حیات ہیں۔ آپ کی تعلیم و تربیت حیدر آباد میں ہوئی کسی مدرسہ میں تعلیم نہیں پائی۔ اردو

فارسی اور عربی سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اردو میں طبع آزمائی کرتی ہیں حضرت جلیل سے آپ کو تلمذ حاصل ہے۔ رسالہ آئینۂ ادب میں آپ کا کلام شائع ہوا کرتا تھا۔ اگرچہ کوئی دیوان یا کلیات شائع نہیں ہوا مگر کلام کا کافی ذخیرہ ہے۔ تصوف کا آپ کو خاص مذاق ہے، زبان میں صفائی اور پاکیزگی ہے۔ اسلوب بیان سادہ ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

ہو آس جس کو رحمت پروردگار کی | کیا فکر اس کو پرسش روز شمار کی
آنکھوں کو ہے جو کوچۂ احمد کی آرزو | ہر اشک میں چمک ہے دُرِ آبدار کی

سب سے پہلے ہے ہنر دکار زر کے واسطے | چاہیئے انساں کرے کوشش ہنر کے واسطے
اللہ اللہ حضرت صدیق کی داد و دہش | ایک کپڑا بھی نہ رکھا اپنے گھر کے واسطے
سن لیا سردار کا سلکی کو جس نے ایک بار | ہو گیا قائل خدا کا عمر بھر کے واسطے

سروپ رانی

محترمہ سروپ رانی دورِ حاضر کی شاعرہ ہیں، آپ اندر جیت شرما کی طرح ہندی آمیز اردو میں لکھتی ہیں، اور ہندی شاعری کی روایات کی متبع ہیں، کلام میں بڑا رس، حلاوت، اور شیرینی ہے، اسلوب بیان دلکش اور پاکیزہ ہے، جذباتی اعتبار سے آپ کا کلام بلند اور پُر کیف ہے، نمونہ یہ ہے:۔

نس دن تیرے نام کی مالا | ہے جیون کا جاپ

پاپی ہوں میں پاپی بالم　　پریم ہے میرا پاپ
تو بھی پاپی ہو جا

پریت کی الٹی ریت ہے پیارے　　ہارے میں ہے جیت
ہار دے جیون ہار دے تن من　　چاہے گر تو میت
بالکل نردھن ہو جا

پاگل مجھ کو کہے ہے دنیا　　کیا جانیں یہ لوگ
یارب ان کو بھی ہو جائے　　پریم کا میٹھا روگ
پریتم روگی ہو جا

تجھ سے بس اک عرض ہے ساجن　　ہو جا میرا ہو جا
یا تو مجھ کو اپنا کرلے　　یا خود مجھ میں کھو جا
بس تو میرا ہو جا

سعیدہ (شوکت دولہن)

سعیدہ خاتون نام ہے تخلص کبھی سعیدہ کرتی ہیں اور کبھی شوکت دولہن للت پور وطن ہے۔ والد کا نام حکیم مولوی سجاد حسین ہے۔ شادی کے زمانہ تک اپنے والد کے ہمراہ مین پوری میں رہیں۔ شادی محمد عمر صاحب شوکت تھانوی سے ہوئی جو اردو کے ایک مشہور مزاح نگار اور اچھے شاعر ہیں۔ اسی رعایت سے شوکت دولہن تخلص کرتی ہیں۔ شادی کے بعد سے لکھنؤ میں مقیم ہیں۔ اصلاح سخن اپنے شوہر جناب شوکت

تھانوی سے لیتی ہیں جو شاعری میں مولوی عبدالباری آسی کے شاگرد ہیں۔ غزل گو شاعرہ ہیں۔ اور قدیم و جدید دونوں رنگوں میں لکھتی ہیں آپ کے یہاں وہ شاعری بھی ہے جو صرف شاعرانہ روایات و تصورات اور اجتماع الفاظ پر مشتمل ہے اور وہ شاعری بھی ہے جس میں نظر کی وسعت، جذبات کا پھیلاؤ، اور استقصا بھی ہے۔ آپ کی ایک خاص خصوصیت ندرتِ بیان اور اکثر لطیف تشبیہات کا استعمال ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

مرے نالوں سے شانِ ضبطِ غم مجروح ہوتی ہے
نہیں تو میں پلٹ دیتی نظامِ دہر دم بھر میں
شبِ فرقت کی بیتابی سے میں واقف نہیں لیکن
کسی نے جیسے کانٹے رکھ دیے ہیں آج بستر میں
تخیل ہے کہ وحشت ہے سمجھ ہی میں نہیں آتا
خدا کیوں کر نظر آتا ہے ہر خاموش منظر میں
نہیں معلوم اس کے بعد کتنے انقلاب آئے
جنوں کے ساتھ اک صحرا بھی آیا تھا مرے گھر میں

دل بہلنے کا ہمارے خوب ساماں ہو گیا
لیجئے بیٹھے بٹھائے گھر بیاباں ہو گیا
اللہ اللہ آج وہ آئے ہیں فتنہ بر جبیں
ہم غریبوں کی بھی تربت پر چراغاں ہو گیا

دم نہ نکلا انتظارِ یار میں
نیند کیسی دیدۂ بیدار میں

نبض ناحق دیکھتے ہو بار بار
جان بھی باقی ہے جسمِ زار میں

کھنچ گئی مقتل میں مجھکو دیکھکر
آگئی نخوت تری تلوار میں

اے سعیدہ گریۂ شبنم پہ پھول
تا سحر ہنستے رہے گلزار میں

سکینہ

سکینہ محمود نام اور سکینہ تخلص ہے۔ دَورِ حاضر کی ایک خوش مذاق شاعرہ ہیں، کلام میں سوز و گداز ہے۔ طرزِ ادا صاف اور پاکیزہ ہے، نمونۂ کلام یہ ہے:۔

ہر قدم پر اک نیا منظر ہے میرے سامنے
کہہ نہیں سکتی کہاں مجھ کو لیئے جاتا ہے دل

بے کسی ہائے محبّت کی سنا کر داستاں
دل کو تڑپاتی ہوں میں اور مجھ کو تڑپاتا ہے دل

ایک وہ دن تھے کہ کھو جاتے تھے ذوقِ عشق میں
اب محبّت کے تصوّر سے بھی گھبراتا ہے دل

سلمیٰ

غالباً یہی نام اور یہی تخلص ہے۔ لاہور کی شاعرہ ہیں، تخیل

بہت بلند اور نظر وسیع پائی ہے۔ آپ کے قطعات بہت خوب ہوتے ہیں۔ نمونہ یہ ہے:۔

قطعات

یوں ہی آسان کٹ نہیں سکتی　　زندگانی کا سلسلہ ہے دراز
جس کو کہتے ہیں لوگ شادی و غم　　ہیں اسی راہ کے نشیب و فراز

فکرِ انساں کی ہر بلندی دیکھ　　کہیں رکتی نہیں بشر کی نگاہ
آسماں پر یہ کہکشاں کا نشاں　　ہے اسی کارواں کی گردِ راہ

سلمیٰ۔ حیدر آبادی

جمال النسا بیگم نام اور سلمیٰ تخلص ہے۔ آپ مولانا سید نادر الدین مرحوم استاذ فلسفہ و کلام مدرسہ دار العلوم حیدر آباد کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کی شادی حیدر آباد کے مشہور شاعر حضرت امجدؔ سے ہوئی تھی۔ عالم شباب میں سنہ ۱۹۴۰ء میں انتقال فرمایا۔ اور درگاہ شاہ خاموشؒ حیدر آباد میں دفن ہوئیں۔

آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ نسواں نام پلی میں پائی تھی اور پھر اپنے والد سے فارسی و عربی کی تکمیل کی۔ آپ ایک اچھی انشا پرداز اور نثر نگار بھی تھیں شعر گوئی کا شوق تھا۔ توحید۔ نعت اور تصوف آپ کے خاص موضوع تھے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے:۔

نہ ہو کوئی ہمراہ یہی ہمرہی ہے
رہوں بے خبر میں یہی آگہی ہے

کبھی ہے قیام اور کبھی وقت سجدہ
کبھی سرکشی ہے کبھی عاجزی ہے

کبھی ٹیس دل میں کبھی لب پہ آہیں
مری جان کو اک نہ اک لگی ہے

نہ میری سنیں گے نہ بولیں گے مجھ سے
عجب بے کسی ہے عجب خامشی ہے

نہ معلوم جب تجھ کو دیکھوں تو کیا ہو
ترے نام ہی سے مجھے بے خودی ہے

ہے سلمیٰ دل و جاں سے امجدؔ کی لونڈی
اور امجد غلامِ غلامِ نبیؐ ہے

وہ یوسف گم گشتہ کس جا پہ نہاں ہوگا
کس پہلو میں پوشیدہ وہ راحت جاں ہوگا

یہ عالم کثرت کب توحید نشاں ہوگا
اس جسم کی مسجد میں کب شور اذاں ہوگا

میرا عربی آقا، اللہ کہاں ہوگا

دیکھوں اسے گلشن میں ڈھونڈوں اسے صحرا میں
ہے عالم بالا میں یا عرش معلّیٰ میں

دل میں ہے مقام اس کا یا دیدۂ بینا میں
وہ کعبہ میں رہتا ہے یا گلشن طیبہ میں

میرا عربی آقا، اللہ کہاں ہوگا

سعیدہ۔ خیرآبادی۔

غالباً یہی نام اور یہی تخلص ہے۔ آپ خان بہادر مضطر خیرآبادی کی صاحبزادی اور حبیب اللہ خاں صاحب کی شریک زندگی ہیں چونکہ آپکے والد صاحب خود شاعر تھے اس لیئے ابتداء ہی سے آپکو ایک

شاعرانہ ماحول مل گیا تھا۔ رفتہ رفتہ آپ کا شوق ترقی کرتا رہا۔ اور اب آپ اُردو کی ایک مشہور اور ممتاز شاعرہ ہیں، آپ کا کلام زیادہ تر عصمت میں شایع ہوتا ہے۔

آپ قوم کی زبوں حالی اور خستگی سے بہت متاثر ہوئی ہیں، اسی لئے آپ کے کلام میں اصلاحی، قومی اور ملّی رنگ جھلکتا ہے آپ عورتوں اور مردوں کی بے حسی اور خاموشی کو توڑ کر ان میں ایک عزم اور جذبۂ عمل پیدا کر دینا چاہتی ہیں۔ آپ کے خیالات پر اقبال کا بہت اثر پڑا ہے گو طرزِ ادا میں یہ اثر اس قدر نمایاں نظر نہیں آتا۔

آپ ایک تعلیم یافتہ، پردہ نشیں اور مذہبی خاتون ہیں۔ کلام کا نمونہ یہ ہے:-

مالکِ کون و مکاں آسایشِ تقدیر دے
التجائے عجز کو سرمایۂ توقیر دے

زندگی کو کثرتِ جد و جہد درکار ہے
اس لئے فکرِ عمل کو صورتِ تدبیر دے

ایک عالم کو ہلا دیں طاقتِ گفتار سے
وہ کمالِ نطق دے وہ شوکتِ تقریر دے

شاہ راہِ زیست میں اسلاف کے پیشرو ہیں
پھر وہی جذبِ عمل شایانِ صد تشہیر دے

تابکجا یہ صورتِ تخریبِ ملّت تابکجا
فکرِ مسلم کو کمالِ حسرتِ تعمیر دے

پھر امیدوں کو شعاعِ کامرانی کر عطا
قسمتِ تاریک کو ہنگامۂ تنویر دے

لہ علامہ اقبالؒ ؎ بھٹکے ہوئے راہی کو پھر سوئے حرم لے چل
اس دشت کے خوگر کو پھر وسعتِ صحرا دے (بانگِ درا)

پھر حدیثِ دل سے کر جوشِ عقیدت آشنا
پھر زبانِ مدعا کو نعرۂ تکبیر دے
پھر تمنا کو شریکِ ہمتِ مردانہ کر
پھر تہور کو کمالِ جرأتِ شمشیر دے
التجائے سیدہ سن لے برائے مصطفےٰ
قوم مسلم کو بہارِ عالم تقدیر دے

مخدراتِ گروہِ مسلم ہماری حالت بھی کیا رہی ہے
یہ غفلتِ بے پناہ توبہ کہ قومِ مسلم پہ چھا رہی ہے
معاشرت کے طریق بھولے تمدنِ خوش سلیق بھولے
تمیزِ قوم و فریق بھولے اسی کی تہذیب بھا رہی ہے
وہ طرزِ اخلاق احمدی بھی، وہ رسم آداب ہاشمی بھی
وہ شان ہی ہم سے مٹ گئی ہے ہماری حالت بتا رہی ہے
وہ جنگ موتہ وہ جنگ خیبر، وہ حرب خالدؓ وہ ضربِ حیدرؓ
وہ تیغ مسلم کی شانِ جوہر کہ شان مسلم بتا رہی ہے
مگر وہ حالت کہاں ہے باقی، وہ جاہ و صولت کہاں ہے باقی
وہ تیغ ہمت کہاں ہے باقی کہ تاب و طاقت ہی کیا رہی ہے
وہ عزم باقی نہ رزم باقی، نہ شوکت و شانِ بزم باقی
ہماری ہر بات مٹ چکی ہے کہ ہم کو قسمت مٹا رہی ہے
خراب حالت ہوئی یہاں تک تغافل بے محل کہاں تک
کہ شاہ راہ عمل پہ دنیا قدم برابر اٹھا رہی ہے

خدایا یہ دن بھی گذار دیگا، وہ ستیزہ پھر قرار دیگا
ہماری حالت سنوار دیگا، کہ جس کی بگڑی سدا رہی ہے

ش

شبنم

طاہرہ خاتون نام اور شبنم تخلص ہے۔ دورِ حاضرہ کی ایک خوش گو شاعرہ ہیں۔ اکثر رسالوں میں کلام چھپتا رہتا ہے۔ انداز دل کش اور کلام صاف اور پاکیزہ ہے۔

تاثیر مجھے جذبۂ دل کی ہے دکھانی
اقرارِ محبت کریں وہ اپنی زبانی

دلچسپ ہیں کس درجہ یہ قدرت کے مناظر
وہ صبح کی نیرنگیاں وہ شام سہانی

کیا جانے خیال آ گیا کس بات کا ہم کو
رو کے سے جو رکتی نہیں اشکوں کی روانی[1]

جذبات کا ہنگامہ ہے برپا مرے دل میں
کیوں آج تلاطم میں ہے یہ بحرِ معانی

گھبرائے گا ہمدم مرے افسانۂ غم سے
دل جس سے بہلتا ہے نہیں یہ وہ کہانی

پھرتی ہیں مری آنکھوں میں ہر وقت وہ آنکھیں
شبنم مجھے مشکل ہوئی جاں اپنی بچانی

---

[1] دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے :: بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانے کیا یاد آیا

ہر عیش و طرب کی محفل میں دل ہے کہ امنڈنے لگتا ہے
کیا جانئے کیوں از خود آنکھیں ہو جاتی ہیں پرنم کیا کہئے
(عبدالحمید صاحب حمید لکھنوی)

جو عقل سے بالا ہے وہ کمال تیرا　　جس پر نظر نہ ٹھہرے وہ ہے جمال تیرا
قیدِ حیات میں تو کرتا ہے فکرِ راحت　　دیوانے ہنس پڑیں گے سن کر خیال تیرا[1]
ظلمتِ دوئی کی میری نظروں سے دور ہو کر　　پھر کچھ نظر نہ آئے ہاں بس جمال تیرا
گر بادۂ فنا کی تلچھٹ بھی مجھ کو مل جائے　　اے خضر میں نہ چکھوں آبِ زلال تیرا
شبنم تو یہ بشارت اب قوم کو سنا دے
ہو گا یہ بدر بڑھ کر اک دن ہلال تیرا

شکیل

شکیلہ خاتون نام اور شکیل تخلص ہے۔ دورِ حاضر کی ایک غزل گو شاعرہ ہیں۔ رنگ صاف ہے۔ نمونہ یہ ہے۔ یہ وہ غزل ہے جو محترمہ نے لکھنؤ کے ایک زنانہ مشاعرہ میں پڑھی تھی:-

دلِ ناداں تجھے آخر ہوا کیا　　کسی کی یاد میں گم ہو گیا کیا
بُرا کوئی کہے لیکن نہ مانو　　بھلا سمجھو بُرے کا ماننا کیا
مجھے مقصود ہے تیری پرستش　　مرے جینے کا ورنہ مدعا کیا
حیاتِ جاوداں ہے بعدِ مُردن　　نہ ہو مرنا تو پھر جینے کا مزا کیا

---

[1] غالب ؎　قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

شمس

صفیہ بانو نام اور شمس تخلص ہے، قریشی نسبت خاندانی کی وجہ سے مشہور ہیں آپ دورِ حاضر کی ایک خوش فکر نظم گو شاعرہ ہیں۔ آپ کی نظمیں تفریح طبع کا باعث نہیں ہوتیں بلکہ لوگوں کو زندگی کے حقائق کی طرف دعوتِ فکر دیتی ہیں، اکثر کلام زنانہ رسالوں میں چھپتا رہتا ہے نمونہ یہ ہے:

دنیا کی کہانی زہرہ کی زبانی

جمی تھی شب کی محفل رقص میں سب ہی ستارے تھے
لبوں پر تھا تبسم شوخ آنکھوں میں اشارے تھے
اُدھر وہ بدرِ کامل یعنی دولھا بزم انجم کا
خوشی سے مسکراتا تھا جو بھرتے سب طرارے تھے
یکایک اک طرف سے ایک نورانی غبارہ اُٹھا
نظر اس سمت جو اٹھی پڑا چہرہ وہیں پھینکا
لگے دھیمے سُروں میں سب کے سب سرگوشیاں کرنے
نہ جانے کیا خبر لائی سُنو شہزادی زہرا
یہ شہزادی نہیں ہے زاہدہ معلوم ہوتی ہے
یا پھر کوئی حقیقت آشنا معلوم ہوتی ہے
کسی کی رائے تھی کافر ادا معلوم ہوتی ہے
قمر کہتا تھا دیکھو غم زدہ معلوم ہوتی ہے
سُنیں زہرہ نے یہ سرگوشیاں تو ہمکلامی کی

قسم کھاتی ہوں اے تارو ہیں تم سب کی جوانی کی
ہماری زندگی ہے چار دن کی بھول نا کیسا
ابھی اُبھرے ابھی ڈوبے بسر یوں زندگانی کی
سُنی ہیں نے کہانی اک بہت دلدوز ہے پیارو
مرے دل سے نکلتی آہِ آتش سوز ہے پیارو
ذرا اپنی نظر ڈالو زمیں کے بسنے والوں پر
کہ ہر انساں کے دل میں خطرۂ امروز ہے پیارو
تڑپتی بجلیوں نے سیکڑوں خرمن جلا ڈالے
کہیں تقدیر نے چھولے پھلے گلشن لٹا ڈالے
فلک کے گھاٹ اُترتے آہ وہ گبرو جواں دیکھے
فلک کو چیر جاتے آہ ہیں ہواؤں کے نالے
کہیں خونی درندے جنگ میں مصروف ہیں باہم
کہیں آنکھیں ہیں پُر نم اور کہیں ہے زندگی پُر غم
نہیں یہ زخم ہے ایسا جو ہو منّت کشِ مرہم
ابھی ٹوٹا ابھی ٹوٹا ہے سازِ زندگی مدھم
اُٹھائے ننھے ننھے ہاتھ ہیں فریاد کرتے ہیں
وہ لاوارث یتیم اپنے خدا کو یاد کرتے ہیں
دلِ گیتی لرزتا ہے یہ منظر دیکھ کر جس دم
زبانِ حال سے یہ شکوہ بیداد کرتے ہیں

وہ دیکھو اُٹھ رہے ہیں ہر طرف سے ظلم کے بادل
ہزاروں دل ہیں زخمی اور کروڑوں جسم ہیں گھائل
کہاں رونے کی طاقت اب ہیں آنسو خشک آنکھوں کے
نہیں ہوتا مگر چرخِ ستمگر رحم پر مائل
وہ دنیا جو کبھی نعم البدل تھی باغِ جنت کی
جہاں خوشیاں ہی خوشیاں تھیں جہاں جنت رہا ہی تھی
وہاں انساں نے اب خون کی ندیاں بہا ڈالیں
گنوا دی ہائے اپنے ہاتھ سے تفویض قدرت کی
ربابِ زندگی سے غم کی لہریں پھوٹتی دیکھیں!
شہابِ زندگی سے خوں کی بوندیں چھوٹتی دیکھیں
کہیں نوخیز کلیاں مست گلچیں نے مسل ڈالیں
کہیں نازک دلوں کی اُف امیدیں ٹوٹتی دیکھیں

شمیم[1]

محترمہ انوار فاطمہ (لکھنوی) پروفیسر کراستھ ویٹ گرلس کالج الٰہ آباد

---

[1] محترمہ کے مستند حالات اور ان کے علمی و ادبی ذوق کا مفصل بیان "تذکرہ شمیم" میں محفوظ ہے، یہ کتاب جو اُردو ادب میں جذبات آمیز، سادہ نگاری کا ایک شاہکار ہے، آپ کی وفات کے بعد محترم سعید رضوی صاحب لکھنوی نے مرتب کی ہے۔ جو صاحب محترمہ کے حالات اور ان کی علمی کاوشوں کا مطالعہ

محترمہ انوار فاطمہ تسنیم لکھنؤ کے ایک شریف اور قدیم خاندان کی چشم و چراغ تھیں۔ آپ کے نانا سید بخش نبی صاحب ایک بڑے تاجر تھے۔ آپ کے دادا خدا بخش صاحب اپنی دریا دلی، وضع داری اور غربا پروری کے لئے مشہور تھے۔ آپ کے والد عبدالرشید عرف اللہ بخش صاحب عربی و فارسی کے عالم تھے اور عرصہ تک محکمہ پولیس میں انسپکٹری کی خدمات انجام دیتے رہے۔

ابھی آپ بچی ہی تھیں کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ آبائی جائداد سے پرورش ہوئی۔ اسلامی گھرانوں کے رواج کے مطابق تعلیم گھر ہی پر حاصل کی اور تھوڑی ہی مدت میں اردو کے ساتھ ساتھ فارسی و عربی میں بھی مہارت حاصل کر لی۔ نو دس سال کی عمر ہی سے تصنیف و تالیف کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس چھوٹی سی عمر میں آپ نے مختلف اقسام کے کھانوں کی تراکیب پر چالیس بیالیس صفحہ کی ایک چھوٹی سی کتاب لکھی جو اب تک بصورت مسودہ موجود ہے۔

آپ کی شاعری کی ابتدا زندگی کی چودھویں یا پندرھویں منزل سے ہوتی ہے۔ پہلی غزل جو آپ نے لکھی اس کے کچھ اشعار یہ ہیں۔ اس عمر میں جب نوجوان قلب و نظر نشاطِ زندگی کے طالب اور عشرتِ امروز

(پچھلے صفحہ سے) تفصیل سے کرنا چاہیں ان کو یہ کتاب دیکھنا چاہیئے دنیا کو اس کتاب سے سبق لینا چاہیئے کہ منھ بولے بہن بھائیوں میں بھی اتنی محبت و مودت ممکن ہے۔

کے قائل ہوتے ہیں، محترمہ کے دماغ پر بے ثباتیٔ دنیا کا یہ اثر تعجب خیز ہے

ہنس رہے ہیں گل کہ رنگِ گلستاں کچھ بھی نہیں
شمع گریاں ہے کہ یہ بزمِ جہاں کچھ بھی نہیں
ہیں کہاں فرہاد و شیریں، لیلیٰ و مجنوں کہاں
رہ گیا ان کا فسانہ اور نشاں کچھ بھی نہیں
صاف دیتی ہے اذانِ پنج وقتہ یہ خبر!
ہے فقط اللہ ہی اللہ اور یہاں کچھ بھی نہیں
دیکھ کر دنیائے فانی دل یہ کہتا ہے شمیم
عارضِ رنگِ گلِ باغِ جہاں کچھ بھی نہیں

اسی زمانہ کے کچھ اور اشعار یہ ہیں:-

نہیں معلوم کیا حالت گزرتی جو تم سنتے مرے دل کی کہانی

اب حالِ دلِ عاشق کیا پوچھتے ہو ہنس کر خود آ آپ بھرے گھر کو جب کر چکے ویرانہ

محروم نہ رہ جائے شمیم ابرِ کرم سے کہنا نہ پڑے فیض ترا عام نہیں ہے[1]

---

[1] محترمہ زیب عثمانیہ ۵ مکرمت سے تری ہو جائیں نہ میکش بد دل
سنگ دل ہے تری محفل کا نظام اے ساقی

سنہ ۱۹۲۳ء میں آپ کی شادی بشارت اللہ صاحب سے ہو گئی محترمہ کو کتب بینی کا عشق تھا اور یہ شوق شادی کے بعد بھی برابر ترقی کرتا رہا۔ کچھ عرصہ بعد بشارت اللہ صاحب کورٹ آف وارڈس کی ملازمت کے سلسلہ میں میرٹھ گئے۔ وہاں آپ کی ملاقات مولوی عبدالرحمن صاحب سے ہو گئی جو ایک صاحب باطن اور صاحب نسبت بزرگ تھے اور اس وقت ۷۵ یا ۸۰ سال کی عمر تھی۔ محترمہ نے ان سے عربی و فارسی کی تکمیل کی۔ محترمہ نے مولانا سے علوم ظاہری کے علاوہ علوم باطنی میں بھی اکتسابِ فیض کیا۔ اور غالباً انہیں کے فیض کا یہ نتیجہ ہے کہ محترمہ کے اس زمانہ کے کلام میں تصوف، پاکیزگیٔ قلب اور عشقِ حقیقی کے مضامین غالب نظر آتے ہیں۔

کچھ عرصہ بعد محترمہ نے سیرت پاک اور حیاتِ نبویؐ کے متعلق مستند اور معتبر واقعات مرتب کر کے شایع کئے اس کتاب کا نام "انوار اسرار احمدیہ" ہے۔ اس کتاب کے متعلق مولانا صفی کے چند شعر یہ ہیں:۔

اک زنِ صالحہ کی یہ تحریر — قابلِ قدر و بیش قیمت ہے
نثرِ رنگین و نظم دلکش سے — مترشح خلوص نیت ہے
نہیں گنجینۂ ادب یہ کلام — بلکہ گنجینۂ سعادت ہے

اسی دوران میں محترمہ کی اکیلی بہن اور پھر ان کے شفیق استاد کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب محترمہ کا تنہا مشغلہ کتب بینی رہ گیا۔ آپ نے اپنے شوہر کے ایماء اور کوشش سے لاہور اور الٰہ آباد کے فارسی و عربی

کے امتحانات میں شرکت کی اور نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اسی زمانہ میں آپ کے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام اشرف سلطانہ رکھا گیا۔

کچھ عرصہ بعد بشارت اللہ صاحب کا الہ آباد تبادلہ ہو گیا۔ یہاں کراسنھ ویٹ گرلس کالج میں اُردو فارسی کے ایک پروفیسر کی ضرورت تھی۔ یہ جگہ محترمہ شمیم کو پیش کی گئی جو شوہر کے ایما سے آپ نے قبول کر لی اور زندگی کے آخری ایام تک اس خدمت کو بطور احسن انجام دیتی رہیں۔

۲۳ اگست ۱۹۴۰ء مطابق ۱۸ رجب ۱۳۵۸ھ یوم جمعہ بعارضہ فالج آپ نے انتقال فرمایا اور کراسنھ ویٹ گرلس کالج کے قریب گیٹ گنج میں دفن ہوئیں۔

محترمہ ایک نہایت روشن دماغ، بالغ نظر اور صاحب علم و فضل خاتون تھیں لیکن نام و شہرت سے بالکل بے نیاز تھیں۔ آپ نے اپنی حیات میں نہ اپنا کلام شائع کرایا نہ زنانہ مشاعروں میں حصّہ لیا۔ جب جذبات میں ہیجان ہوتا تو تنہائی میں بیٹھ کر کہتیں اور اپنے ہی تک محدود رکھتیں۔ ظاہری زیب زینت کی بھی بالکل پرواہ نہ تھی، مگر اپنی عزت کا بڑا پاس تھا۔ فطرتاً نہایت غیور اور خوددار تھیں طبیعت میں بڑی فیاضی اور سیر چشمی تھی۔ غریبوں اور ضرورت مندوں کے ساتھ آپ کا سلوک نہایت ہمدردانہ تھا۔ آپ نہایت دیندار، پردہ نشین اور صوم و صلوٰۃ کی پابند تھیں۔

شاعری کے علاوہ محترمہ ایک قابلِ قدر نثر نگار بھی تھیں۔ آپ نے

افسانے اور تذکرے علمی اور ادبی مقالے تنقیدیں اور تبصرے، اصلاحی اور اخلاقی مضامین سب پر قلم اٹھایا ہے۔ انفرادی مقالوں اور افسانوں کے علاوہ ایک مستقل ناول آپ کی یادگار ہے جو وفات سے سات آٹھ سال پہلے لکھا گیا تھا۔

شاعری میں محترمہ کو کسی سے تلمذ حاصل نہ تھا، مگر آپ کا کلام کہنہ مشقی اور خیالات کی پختگی کا پتہ دیتا ہے۔ یوں محترمہ نے نظمیں بھی لکھی ہیں اور قصیدہ پر بھی قلم اٹھایا ہے مگر آپ ایک مخصوص غزل گو شاعرہ تھیں۔ آپ کے کلام میں فطری جذبات کی عکاسی، حسن و عشق کے رموز کی تشریح اور محبت کی پاکیزگی موجود ہے۔ آپ کے احساسات میں نزاکت اور مذاق میں بلندی موجود ہے۔ جذبات نگاری اور سادگی، درد و اثر، اور سوز و گداز، بلند نظری اور عالی ظرفی آپ کے کلام کے خاص جوہر ہیں۔ آپ نے منظر کشی بھی کی ہے اور ملی اور وطنی رنگ کی نظمیں بھی لکھی ہیں۔ زبان میں بڑی سلاست و روانی ہے بعض بعض جگہ تو زبان میں داغ کی سی بے تکلفی و سادگی نظر آتی ہے

اپنی نااہلی کا احساس رہا تھا نہ کریم
مجھ کو جرات یہ ہوئی تھی کہ تری حمد کروں[1]

---

[1] حمد کے سلسلے میں مولانا رومؒ نے جس ندرت اور بلاغت سے کام لیا ہے وہ آج بھی اپنی آپ ہی مثال ہے۔ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

خود ثنا گفتن ز من ترک ثنا ست
کیں دلیل ہستی و ہستی خطا ست

جذبات نگاری

یہ کہہ کے ٹال رہی ہوں اجل کو مدت سے
ٹھہر کہ وعدۂ دیدار اب وفا ہوگا

مٹاؤ شوق سے اُمید و آرزو لیکن
ہمارے دل کو تمھارا ہی آسرا ہوگا

میری تباہیاں مشہور ہیں زمانے میں
یقیں ہے آپ نے بھی کچھ نہ کچھ سنا ہوگا

تمھاری نظروں میں ہیں صاف صاف پڑھ لوگی
مرے نصیب میں جو کچھ بھی اب لکھا ہوگا

جو لغزشوں کا کرے احتساب اے واعظ
نہیں خدا وہ ہمارا، ترا خدا ہوگا

شمیمؔ آپ سدھاریں گی یوں زمانے سے
کہ ساتھ حسرت و ارماں کا قافلہ ہوگا

مری وفا، مرا مسلک، مرے اصولِ حیات　　بنیں گے مشعلِ راہِ عمل جہاں کے لئے

اب تو قرار آچکا اس دل بیقرار کو　　آ، اجل اور جلد آ ختم کر انتظار کو
تیر سے بجھ کے رہ گیا میرا چراغ زندگی　　آج قرار آگیا چرخ ستم شعار کو

چیخ اٹھیں ظلم ڈھاکر ہنسنے والے تو سہی
ضبط کی امداد تھوڑی نالۂ دل چاہیئے
مشکلیں غم کی خوشی سے کاٹ دے انسان وہ
کچھ نہیں پہلو میں اک ہنستا ہوا دل چاہیئے
سیر ہے بزمِ حسینانِ جہاں سے دل شمیمؔ
اس کا جلوہ جس جگہ ہو بس وہ محفل چاہیئے

زبان کی صفائی و سادگی
کچھ درد داغ ہے کہ دکھادے کوئی تمھیں
ضد کر رہے ہو آج تو تم خواہ مخواہ کی
کرنے کو آپ شوق سے وعدہ کریں مگر
جھٹلا رہی ہے دیکھئے شوخی نگاہ کی

؎ صاحب تذکرۃ الخواتین مولوی عبدالباری آسی نے یہ غزل "بی بیگم شمیم" کے تذکرہ میں نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ لکھنؤ کی کوئی پردہ نشیں خاتون ہیں ۔ اور کلام دستیاب نہیں ہو سکا ۔ بی بیگم شمیم لکھنؤ کی کوئی شاعرہ خاتون نہیں ہیں ۔ یہ غزل انوار فاطمہ شمیم ہی کی ہے اور" تذکرۂ شمیم میں موجود ہے ۔ تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ لکھنؤ میں رہنے کے باوجود مصنف خود لکھنؤ کی ایک ایسی سربرآوردہ خاتون کے متعلق اس قسم کی غلطی کرے ۔

کیوں بگڑ جاؤ اگر کہہ دے کوئی وعدہ خلاف
اس سے پہلے کیا کبھی جھوٹی قسم کھائی نہ تھی
کیا نیا دل ہو گیا پامال کوئی، خیر ہے
چال تھی مستانہ لیکن ایسی اٹھلائی نہ تھی

وعدہ کبھی کسی سے تم نے وفا کیا ہے
بس ٹلتے ہو یوں ہی ہاں ہاں نہیں نہیں پر
افشاں سے شوق شاید کچھ بڑھ گیا ہے ان کو
یوں ورنہ ٹوٹتے ہیں تارے کہیں زمیں پر

دفعتاً اٹھی نگاہِ فتنہ پرور خود بخود
خود بخود پیدا ہوا آشوبِ محشر خود بخود
آپ کی محشر خرامی سے قیامت آ گئی
ورنہ کیوں اٹھنے لگا تھا شورِ محشر خود بخود

سوز و گداز

آتشِ غم بجھا رہی ہوں میں
اشک پیہم بہا رہی ہوں میں
کوئی دیکھے مرا جنونِ طلب
ان کو اپنا بنا رہی ہوں میں
شاید اب عشق ہو گیا کامل
غم میں لذت سے پا رہی ہوں میں
دیکھیے کس ستم کا ہو آغاز
پھر انھیں یاد آ رہی ہوں میں

خدارا رحم کر او دردِ پیہم نکل جائے نہ نام ان کا زباں سے
معاذ اللہ طوافِ کعبہ اور ہم ہمیں فرصت کہاں کوئے بتاں سے
شبِ تاریک اور ان کا تصوّر وہ تنہا مجھے عیش کے لاؤں کہاں سے
ترے اک جلوۂ رنگیں کی خاطر بہت الجھی ہوں مرگِ ناگہاں سے

مرے دل میں حرم ہے نامِ محبّت مجھی سے ہے قائم نظامِ محبّت
کہا آنکھوں آنکھوں میں حالِ پریشاں دیا چپکے چپکے پیامِ محبّت

جب کہ تدبیر کی قوت بھی فنا ہو جائے پھر دعا میری حقیقت میں دعا ہو جائے
ہیں لئے اب رہِ محبّت میں جو اٹھائے ہیں قدم رہبرِ عقل سے کہہ دو کہ جدا ہو جائے

شفق اور شام کی نیرنگیاں دل کو دکھاتی ہیں
جنوں بڑھتا ہے اور اشکوں سے پلکیں تھرتھراتی ہیں
فضا کی خامشی میں طائرِ شب رنگ کی تانیں
مرے جذباتِ خوابیدہ کو رہ رہ کر جگاتی ہیں
خنک راتوں میں وہ مہتاب کی ننھی حسیں کرنیں
مسکن شیشۂ دریا پہ جس دم مسکراتی ہیں

ا؎ مومن: ع تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

جگر میں ہوک سی اُٹھتی ہے دل بیتاب ہوتا ہے
تمنائیں ابھی ہیں جذب ہو کر کھوئی جاتی ہیں
زمانہ اُف محبت کا اور اس کی پُر سکوں راہیں
مری تخئیل کی دنیا کو آ آ کر بساتی ہیں
محبت کی صبوحی پیتے تھے اور شاد رہتے تھے
کبھی دو دل تھے اس دنیا میں جو آباد رہتے تھے

رہے گی دردِ جگر کی خلش نہاں کب تک
کروں گی ضبط یوں ہی نالہ و فغاں کب تک
فراق و ہجر ہے اُلفت کا امتحاں لیکن
زمانہ ہو گیا، آخر یہ امتحاں کب تک
اُداس چہرہ، زباں بند، آنکھ میں آنسو
مجھے رولائے گا رخصت کا وہ سماں کب تک
تیری ہی آس پہ جیتی ہے اب شمیم حزیں
کرے گی رحم تو لے مرگ ناگہاں کب تک[1]

مناظرِ عیش اب کہاں ہیں ستم فلک کے اُٹھا رہی ہوں
ہے حسنِ رنگیں نظر میں میری میں یاس سے مسکرا رہی ہوں

---

[1] فانیؔ :- تو کہاں تھی اے اجل! اے نامرادوں کی مراد :: مرنے والے راہ تیری عمر بھر دیکھا کئے

کبھی جو تھا وجہ کیفِ محفل زمانہ سن کر جسے تھا بسمل
شکستہ تارِ ربابِ دل پر وہی ترانہ میں گا رہی ہوں
کہیں ہے حسرت کہیں ہے حرماں کہیں تمنا کہیں ہیں ارماں
میں اپنے ویرانۂ دل کی بستی نئی طرح پھر بسا رہی ہوں
اُداس چہرہ، نظر فسردہ، لبوں پہ ہلکا سا کچھ تبسم
ارے تم اس کو ہنسی نہ سمجھو میں اپنے غم کو چھپا رہی ہوں
نرالے آئیں ہیں اِس جہاں کے، جہاں محبت ہے کارفرما
کہاں کا ناموس، ننگ کیسا، خودی کو اپنی مٹا رہی ہوں
نہ بھول جاؤں کہیں وہ ماضی، جو ساری رنگینیوں سے پُر تھی
غم و الم کا میں اک مرقع اکیلی بیٹھی بنا رہی ہوں
لذیذ کس درجہ تھی حکایت، شمیم ان سے جو کل کہی تھی
اسی فسانے کو طول دے کر میں آج دل کو سنا رہی ہوں

ستم ہر روز تازہ ہے نئی ہر روز آفت ہے[1]
کبھی جوشِ تمنا ہے کبھی جوشِ ندامت ہے
فقط اک سانس کا لینا اذیت سی اذیت ہے
محبت در حقیقت ایک طوفانِ مصیبت ہے

---

[1] یہ محترمہ کی آخری غزل ہے جو انھوں نے اپنی وفات سے ایک ہفتہ پہلے یعنی ۱۶ اگست ۱۹۴۰ء کی رات کو لکھی تھی۔

ملوں یوں خاک میں گم ہو نشاں میرا زمیں پر ہو
نہ سبزہ ہو نہ مرقد ہو نہ پھولوں ہی کی چادر ہو
مجاور بے نشانی ہو بے کسی مرثیہ گر ہو
کمربستہ مری بربادیوں پر بادِ صرصر ہو
فلک تربت کی مٹی تک ہواؤں سے اڑا دینا
شمیم نامور کا تو نشاں بھی اب مٹا دینا

عشقِ حقیقی کی تڑپ

وہ عطا کر عشق اے پروردگار
بیقراری جس میں ہو بلبل وبہار
ہر گھڑی لب پر تری ہی یاد ہو
یاد سے تیری مرا دل شاد ہو
سازِ ہستی گر مرا چھیڑے کوئی
تو صدا نکلے ترے ہی نام کی
پاسِ ذلت خوف رسوائی نہ ہو
ہجر میں تیرے شکیبائی نہ ہو
درد اٹھے گو جگر میں بار بار
پر نہ ہوں اس درد سے میں بے قرار
استخواں جب جل کے میرے خاک ہوں
بارشِ رحمت سے تیری پاک ہوں

منظر نگاری

ادھر آئی گھنگھور کالی گھٹا
ادھر رعد نے دی کڑک کر صدا
کہیں پڑ رہی ہلکی ہلکی پھوار
کسی جا پہ قوسِ قزح کی بہار
سب ہیں جو وہ شرخاب و مرغابیاں
دکھاتی ہیں قدرت کی نیرنگیاں

کہیں سیوتی ہے کہیں نیلوفر
کہیں ہے کنول سطحِ آب پر
کھلے ہیں کہیں پھول نیلوفری
کہیں رنگ دکھلاتی ہے کیتکی
کہیں لالہ ہے زینتِ صحنِ باغ
جیسے دیکھو لالہ رخوں کو ہے داغ
کہیں عشق پیچاں، کسی جا گلاب
چمن پر غرض ہے عجب آب و تاب
تری کلکِ قدرت کی گلکاریاں
ہر اک پھول پتی میں دیکھی عیاں

شمیمِ جگر خستہ خاموش بس
ہے اللہ بس اور باقی ہوس

ملّی، وطنی اور سیاسی رنگ

ہے تقاضائے جگر شکوہ بیداد کروں
قیدِ غم سے دلِ پُر درد کو آزاد کروں
تا کجا ضبط سے خونِ دلِ ناشاد کروں
درد کہتا ہے کہ دل کھول کے فریاد کروں
دل کی فریاد ہے بنیادِ جہاں ہلتی ہے
ہاں سنبھل جاؤ کہ اب میری زباں کھلتی ہے[1]

---

[1] طرزِ ادا اور اسلوبِ بیان کی ہمرنگی ملاحظہ ہو۔ علامہ اقبال رحؒ

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں
فکرِ فردا نہ کروں محوِ غمِ دوش رہوں
نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
ہمنوا میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں
جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھ کو
شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھ کو
(شکوہ)

اپنے ہاتھوں سے اجاڑا گیا گلشن اپنا — آپ بلبل نے جلایا ہے نشیمن اپنا
جھوٹ ہے سب کہ زمانہ ہوا دشمن اپنا — ہم نے تاراج کیا آپ ہی مسکن اپنا

اب نہ وہ جام ہے اپنا نہ وہ میخانہ ہے
غیر کی بزم ہے، اور غیر کا میخانہ ہے

اب نہ پہلی سی حمیت ہے نہ ہم میں غیرت — نہ وہ احساس اخوت ہے نہ جوشِ الفت
نہ وہ خودداریاں باقی ہیں نہ اب عزت — ہر طرف دور میں ہے جامِ شرابِ غفلت

سب تو دنیا میں بلندی پہ چڑھے جاتے ہیں
اک فقط ہم ہیں کہ پستی میں گرے جاتے ہیں

تم نے اسلاف کی عادات کو چھوڑا یکسر — تم میں باقی نہیں اب میل و محبت کا اثر
مسجدوں میں کہیں جھگڑا تو کہیں مندر پر — مسجدیں بن گئیں دنگل تو اکھاڑے مندر

اپنے ہاتھوں سے کنوئیں کھودتے ہو اپنے لئے
جال کے پھندوں کو خود کستے ہو پھنسنے کے لئے[1]

اب بھی گر ہوش میں آؤ تو نہیں کچھ بگڑا — چھوڑ دو اب بھی یہ آپس کی لڑائی جھگڑا
مل کے اک ساتھ کرو دور سرا پا بچھڑا[?] — آن کی آن میں ہو پار تمہارا بیڑا

---

[1] علامہ اقبالؒ

خودکشی شیوہ تمہارا وہ غیور و خوددار — تم اخوت سے گریزاں وہ اخوت پہ نثار
تم ہو گفتار سراپا، وہ سراپا کردار — تم ترستے ہو کلی کو، وہ گلستاں بکنار

اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت ان کی
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت ان کی (جوابِ شکوہ)

خوفِ گلچیں ہو نہ اندیشۂ صیاد رہے
چمن آباد رہے بلبل اگر آزاد رہے

شمیم جالندھری

محترمہ ش۔ا۔ شمیم جالندھری شاعرہ ہیں۔ حمد و نعت و منقبت آپ کے خاص موضوع ہیں۔ کلام سے حفیظ جالندھری کے شاہنامہ کا رنگ جھلکتا ہے، کلام میں صفائی، روانی، اور متانت موجود ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

"میلادالنبی صلعم"

آج وہ دن ہے کہ برسا آسماں سے ابرِ نور
آج یثرب میں کیا شاہِ دو عالم نے ظہور
آج سکّے ان جوش پر تھی رحمتِ ربِ غفور
ہو گیا روشن خدا کے نور سے نزدیک و دور
قل ھو اللہ احد سے گونج اٹھا بت کدہ[1]
بجھ گیا ایران کا جلتا ہوا آتش کدہ[2]

شعبدے گم ہو گئے شیطان بھی گھبرا گیا
ہل گئے ایوانِ شاہی زلزلہ سا آ گیا
جھک گئی باطل کی گردن کفر بھی شرما گیا
ہیبتِ بعثت تھی گویا اک جہاں تھرا گیا
نعرۂ اللہ اکبر کی صدا آنے لگی
برقِ وحدت کفر کے خرمن کو جھلسانے لگی

---

[1] علامہ اقبال رحمہ ۔ کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے ؛ منھ کے بل گر کے ھو اللہ احد کہتے تھے

[2] کس نے ٹھنڈا کیا آتش کدۂ ایران کو ؛ کس نے پھر زندہ کیا تذکرۂ یزداں کو (بانگ درا)

شمیم ملیح آبادی

محترمہ صفیہ شمیم ملیح آبادی شاعرات حاضرہ کی صفِ اول میں ایک نہایت وقیع اور نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ کے خود نوشتہ حالات جو آپ نے اس تذکرہ کے لئے ارسال فرمائے ہیں، درج ذیل ہیں:-

"میرا وطن ملیح آباد ضلع لکھنؤ ہے میرے مورثِ اعلیٰ نواب فقیر محمد خاں صاحب گویا تھے جو افواجِ اودھ کے رسالدار تھے اور تہوّر جنگ حسام الدولہ کے خطابات پائے میرے نانا صاحب نواب بشیر احمد خاں صاحب بشیر (تعلقہ دار ملیح آباد) تھے۔ آپ بھی صاحب دیوان تھے اور غیر معمولی شہرت کے مالک تھے۔

میرے حقیقی ماموں صاحب جناب شبیر حسن خاں صاحب جوشؔ ملیح آبادی ہیں۔ ناظرین کے لئے یہ حقیقت تعجب خیز ہوگی کہ آپ نے میرے ایک شعر کو بھی تنقیدی نقطۂ نظر سے نہ دیکھا افسوس اس میں ان کی مصروفیت ہمیشہ حائل رہی۔

میری تاریخ ولادت ۲۷ مارچ سنہ ۱۹۲۰ء ہے۔ مجھے دس سال کی عمر سے شعر و سخن کا ذوق پیدا ہوا۔ میں نے چند سال مسلم گرلز اسکول میں تعلیم پائی پھر گھر پر شوقِ علم پورا کرتی رہی۔

میرا عموماً قیام لکھنؤ میں رہا اور یہیں کی علمی صحبتوں اور ادبی مجلسوں نے میرے ذوقِ شعری کو پیدا کیا۔"

صفیہ شمیم ملیح آبادی

۶ فروری سنہ ۴۲ء۔ لکھنؤ"

محترمہ شمیم ملیح آبادی ایک تعلیم یافتہ، بالغ نظر، عالی حوصلہ اور ادب پرور خاتون ہیں اور عصر حاضر میں اردو کی ایک نہایت زبردست اور نامور شاعرہ ہیں، آپ کی شاعری کی ابتداء سنہ ۱۹۳۰ء سے ہوتی ہے، شاعری کا ذوق فطرت کی طرف سے ودیعت ہوا تھا، پھر آپ نے ایک ایسے خاندان میں آنکھ کھولی جس میں جوش جیسا زبردست شاعر موجود تھا، جس کے پختہ آرٹ اور جوان نغموں نے ہر شخص کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ محترمہ کی شاعرانہ تربیت جوش کی کسی شعوری کوشش کی منت کش نہیں۔ جیسا کہ محترمہ نے خود اپنے حالات میں تحریر فرمایا ہے پھر بھی غیر شعوری طور پر جوش نے صرف اپنے ماحول سے جس قدر محترمہ شمیم ملیح آبادی کو متاثر کیا ہے اس کا ثبوت محترمہ کے کلام سے بخوبی ملتا ہے۔

یوں تو اس دور کی اکثر شاعرات جوش کے رنگ سے متاثر ہوئی ہیں مگر ان کے یہاں آرٹ کی وہ پختگی اور جذبات کی وہ لطافت موجود نہیں جو محترمہ شمیم ملیح آبادی کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ آپ نے جس پختہ اور دلکش آرٹ کا نمونہ پیش کیا ہے وہ قابلِ ستایش ہے۔

محترمہ کے کلام کی ایک نہایت نمایاں خصوصیت محاکات کا حسن ہے اس سلسلہ میں جوش کی طرح محترمہ بھی نہایت نادر و لطیف، نہایت نازک و شاعرانہ تشبیہات کا استعمال کرتی ہیں، خصوصاً مناظرِ فطرت کی تصویر کشی میں جذباتِ انسانی کا امتزاج محترمہ کا کمال ہے جس سے منظر اور بھی

سطورِ ذیل میں محترمہ شمیم ملیح آبادی کا مرسلہ انتخاب کلام درج کیا جاتا ہے:-

منتخب اشعار

عالی ظرفی و بلند حوصلگی

گلستاں کا ہر پھول دل بن کے مہکے | اگر ایک اشکِ تمنا گرا دوں
اگر چھیڑ دوں ساز خلوت میں تیری | چراغوں کو طاقِ حرم سے گرا دوں
اجل بھی میرے غم پہ آنسو بہائے | اگر نالۂ زندگانی سنا دوں

یہ کیا خیال کوئی نہیں ناخدا تو کیا | کشتی سپردِ شورشِ طوفاں تو کیجئے
گر ہے نئے نظام کی تخلیق کا خیال | آبادیوں کو نذرِ بیاباں تو کیجئے
گر جلوۂ جمال کی دل کو ہے آرزو | اشکوں سے چشمِ شوق چراغاں تو کیجئے
ہونا ہے دردِ عشق سے گر لذت آشنا | دل کو خرابِ تلخیٔ ہجراں تو کیجئے

اک لمحۂ نشاط کی گر ہے ہوس شمیم
دل کو ہلاکِ حسرت و ارماں تو کیجئے

دے موت ہی شاید غمِ ہستی سے رہائی | ہستی تو ہے اک صورتِ زنداں مرے آگے

گر ہے سکوں کی آرزو سوئے سکوں کبھی نہ دیکھ
خاروں سے لے خلش کا لطف پھولوں کی تازگی نہ دیکھ

ملہ عنوانات میرے ہیں۔ جمیل

زیادہ دلکش اور ذی حیات بنجاتا ہے، یوں بھی صحیح معنوں میں محاکات کوئی آسان چیز نہیں مگر اس میں جذبات کی آمیزش نہایت دشوار آرٹ ہے اور محترمہ اس میں پورے طور پر کامیاب ہیں۔

ادب اور خصوصاً شاعری کی بنیاد جذبات پر قائم ہے، جذبات جس قدر حقیقی، جس قدر گہرے اور شدید ہوتے ہیں اور جس قدر سچائی کے ساتھ ذاتی و شخصی طور پر محسوس کئے جاتے ہیں اُسی قدر اس ادب یا شاعری کا درجہ بلند ہوتا ہے، محترمہ شمیم ملیح آبادی کے کلام میں شدید اور تڑپتے ہوئے جذبات کا ایک ہجوم ہے، محسوسات و وارداتِ قلبی کی ایک دنیا ہے جس نے ان کے اشعار کو نہایت بلند اور پُراثر بنا دیا ہے۔

محترمہ کے نغمے کیف اور رومان کی دضاؤں میں پلے ہیں، اور کیف و رومان کی فضاؤں کے حامل ہیں، ان میں محبت کا کیف اور جذبات کی نرمی ہے ان کا سوز وگداز اور درد واثر نہایت دلدوز ہے۔ ساتھ ہی ساتھ محترمہ نے حقایق اور زندگی کے گہرے مسئلوں کی طرف بھی توجہ کی ہے۔ انھوں نے انسان کی بلندی پر بھی غور کیا ہے اور اس بلندی کے حصول کے لئے اس کو دعوتِ پیکار و عمل بھی دی ہے، ان کا دل اپنے ملک کی زبوں حالی پر بھی دکھا ہے اور ان کی آنکھ اپنے ہموطنوں کی خستہ حالی اور فاقہ مستی پر بھی روئی ہے۔

ٹوٹے دلوں کی سن صدا نغمۂ عیش روک کر
سوئے گدا نظر اٹھا شانِ سکندری نہ دیکھ
صرف اجل ہی زیست کا کرتی ہے قائم اعتبار
شکلِ اجل نظر میں رکھ جاذبِ زندگی نہ دیکھ
دل ہی میں اس کو پائے گا پہلے وسیع کر نظر
دیر و حرم کی سمت تو بھول کے بھی کبھی نہ دیکھ
اوجِ خودی بڑھائے جا سجدوں میں سر جھکائے جا
لذتِ بندگی اٹھا پستیٔ بندگی نہ دیکھ

کھولوں زباں جو ساری خدائی لرز اٹھے
وہ راز اپنے دل میں چھپائے ہوئے ہوں میں

وہ ہم کہ شکوۂ جورِ بتاں نہیں رکھتے
وفا تو کیا ہے جفا کا گماں نہیں رکھتے
یہ وضعداریٔ اہلِ وفا کوئی دیکھے
گلے تو رکھتے ہیں لیکن زباں نہیں رکھتے
ترے خیال کی وسعت ارے معاذ اللہ
کہ دل میں آرزوئے دو جہاں نہیں رکھتے
نہ لطفِ برق سے واقف نہ زورِ طوفاں سے
جو بد نصیب کوئی آشیاں نہیں رکھتے
سنا نہ عہدِ طرب کی کہانیاں ہمدم
کہ دل میں طاقتِ آہ و فغاں نہیں رکھتے

جذبات نگاری

مری زندگی کے طرب ناک نغمے
ترے غم میں آنسو ہوئے جا رہے ہیں
نہ پوچھ آہ دنیا تری انجمن سے
تمنائیں کیا کیا لئے جا رہے ہیں

کر دیا بادِ خزاں نے خاک سارا گلستاں
لب ہلے ہی تھے کلی کے مسکرانے کے لئے

یہ کیسی بے کسی ہے یہ کیسی نامرادی
کیا ختم ہو گئے ہیں لمحے مری خوشی کے

چھلک نہ جائے سبوئے حیات اپنا کہیں
دمِ وداع ان آنکھوں کو اشکبار نہ کر

ماسنی کا ہو نہ ترا آئنہ کہیں خموش
چھٹ جائے زندگی کا نہ داماں ترے بغیر

اے ہمنشیں نہ چھیڑ حکایاتِ رنگ و بو
مدت ہوئی کہ بھول چکے ہم بہار کو

نفرت سی ہو چلی ہے خموشی سے ان دنوں
پھر دل کو شوقِ عرضِ شکایت ہے آج کل

ناممکنات

جیسے پتھر کو کوئی ہیرا بنا سکتا نہیں
جیسے کانٹا صورتِ گل مسکرا سکتا نہیں
جیسے ناممکن ہے انگاروں کا بن جانا گلاب
جیسے کوئی زہر کو امرت بنا سکتا نہیں

جیسے دن کو دے نہیں سکتے ستارے روشنی / جیسے کوئی وسعتِ گردوں کو پا سکتا نہیں

جیسے چل سکتا نہیں بس زندگی کا موت پر / جیسے انساں عقدۂ ارواح پا سکتا نہیں

جس طرح بہکا نہیں سکتا شستوں کو کوئی / جس طرح دن، شب کی سی ظلمت دکھا سکتا نہیں

چھیننا جس طرح ناممکن ہے گرمی آگ سے / جیسے کوئی آگ پانی میں لگا سکتا نہیں

جیسے پتھریلی چٹانوں پر نہیں ملتے گہر / جیسے کوئی چاند کی تابش چرا سکتا نہیں

جیسے کوئی قید کر سکتا نہیں مہتاب کو / جیسے کوئی آسماں کا سر جھکا سکتا نہیں

جس طرح ہے تم کو میرا یاد فرمانا محال
دل مرا یوں ہی کبھی تم کو بھلا سکتا نہیں

انسانی عظمت کا احساس

میرے لئے

آراستہ ہے صحنِ گلستاں مرے لئے / نغمہ سرا ہیں مرغِ خوش الحاں مرے لئے

روشن ہے میرے واسطے قندیلِ مہر و ماہ / تارے ہیں اوجِ چرخ پہ رقصاں مرے لئے

کھلتے ہیں میرے واسطے گل ہائے نو بہ نو / شاداب ہے فضائے گلستاں مرے لئے

چلتی ہے سرد بادِ صبا میرے واسطے / آتا ہے روز ابرِ بہاراں مرے لئے

کرتی ہے نذر اوس کے موتی خموش رات / گلشن کا عطر بیز ہے داماں مرے لئے

رخسارِ گل پہ میرے لئے مضطرب ہے رنگ / روئے گہر میں آب ہے غلطاں مرے لئے

کھلتی ہے میرے واسطے شفاف چاندنی / انوار بار ہے مہِ تاباں مرے لئے

ہر شاخِ گل ہے جام بکف میرے واسطے / لبریز ہے نگوں سے بیاباں مرے لئے

ساری ہے ایک سیل روحِ بقا کائنات میں
جاری ہیں لاکھ چشمۂ حیواں مرے لئے

ہوتا ہے دن کا چہرہ مری خاطر آشکار
رہتی ہے شب کی زلف پریشاں مرے لئے

میرے لئے وجود میں آیا ہے کل جہاں
پیدا ہے میرے واسطے پنہاں مرے لئے

نسوانی فطرت کی عظمت کا احساس

"عورت سے"

حلقۂ ظلمات میں شمعیں جلا سکتی ہے تو
زندگی کی تیرہ شب کو دن بنا سکتی ہے تو

اللہ اللہ تیرے حسن و رنگ کی نابانیاں
حاملانِ عرش کو حیراں بنا سکتی ہے تو

یاس کی شکلیں، الم کی صورتیں، غم کا وجود
ایک ہلکی مسکراہٹ سے مٹا سکتی ہے تو

گردنیں اربابِ دولت کی شہنشاہوں کے سر
بارگاہِ حسن میں اپنی جھکا سکتی ہے تو

مسکراہٹ سے ستاروں کے اڑا سکتی ہے ہوش
قدسیوں کے عزم کی تعمیر ڈھا سکتی ہے تو

اک اشارے سے بدل سکتی ہے عالم کا نظام
اک صدا سے ساری دنیا کو جگا سکتی ہے تو

آج بھی قسمت پلٹ سکتی ہے تو اقوام کی
آج بھی ہر فرد کو ارجن بنا سکتی ہے تو

قلعۂ ظلم و ستم کی تو اڑا سکتی ہے خاک
قصرِ استبداد کی بنیاد ڈھا سکتی ہے تو

آہنی تیرے ارادے عزم طوفانی ترے
راہِ ہمت میں بھلا کب ہچکچا سکتی ہے تو

اپنے دلبندوں کو بے کھٹکے چڑھا کر ان کی بھینٹ
طورِ قربانی کے دنیا کو دکھا سکتی ہے تو

ہیں تمام اربابِ ہمت تیری گودوں کے پلے
کب قدم میدانِ ہمت سے ہٹا سکتی ہے تو

دستِ نازک سے الٹ سکتی ہے دنیا ظلم کی
دھجیاں سرمایہ داری کی اڑا سکتی ہے تو

خالد و حیدر سے فاتح پھر جنم لینے لگیں　یہ کرشمہ اب بھی دنیا کو دکھا سکتی ہے تو

جو زمیں کیا آسمانوں سے نہ ہرگز اٹھ سکے　بوجھ وہ کمزور شانوں پر اٹھا سکتی ہے تو

آج بھی بیدار کر سکتی ہے تو اقوام کو!

آج بھی ہر ملک کی قسمت جگا سکتی ہے تو!

محاکات

برسات کی چاندنی رات

یہ برشگال کی برسی ہوئی سنہری رات　یہ بوئے عود سے مہکی ہوئی سنہری رات

یہ چاندنی یہ فضائیں یہ وادیوں کی بہار　گماں یہ ہوتا ہے رہ رہ کے پڑ رہی ہے پھوار

یہ زرنگار فضائیں یہ جوشِ نکہت و نور　زمیں پہ وجد سا طاری ہے آسماں پہ سرور

یہ چاندنی یہ چٹکتے ہوئے سبک غنچے　یہ بوئے عود سے مہکے ہوئے خنک جھونکے

یہ آبشار کے نغمے یہ پپیہوں کے ستار　بھڑک رہا ہے ہر اک شے میں زندگی کا شرار

جبینِ ناز ہے روشن عروسِ فطرت کی　ہوائیں چلتی ہیں گلشن میں باغِ جنت کی

یہ جوشِ حسن، فروغِ بہار، کیا کہنا

یہ چاندنی یہ لبِ جوئے بار کیا کہنا

نکھر رہا ہے ہر اک رنگ زندگانی کا　سحر حیات پہ ہے تاج شادمانی کا

یہ بزم سازِ طرب، یہ بہار کیا کہنا　یہ گنگناتے ہوئے آبشار کیا کہنا

یہ مسکراتی ہوئی رات یہ خمارِ طرب　یہ چاندنی یہ فضا ہائے یہ بہارِ طرب

نہیں ہے تو جوشِ نشاطِ بہار کچھ بھی نہیں
دلِ حزیں میں بجز اضطرار کچھ بھی نہیں

رباعیات

خالی ہے تمناؤں سے سینہ اپنا
بے آب سا ہے دل کا نگینہ اپنا
خاموش ہیں موجیں تو ہوائیں ساکت
طوفان کا طالب ہے سفینہ اپنا

شب کو کوئی فریاد کیا کرتا ہے
دن عیش کے برباد کیا کرتا ہے
اُس دورِ نشاط عہدِ عشرت میں صبا
ہم کو بھی کوئی یاد کیا کرتا ہے

دل وقت کے دھارے میں بہا جاتا ہے
ماضی کا ہر اک نقش مٹا جاتا ہے
رنگینیٔ فطرت سے ہر اک لمحۂ زیست
فردوس کا اک خواب ہوا جاتا ہے

محترمہ کا مزید انتخاب کلام جو راقم الحروف کا کیا ہوا ہے درج ذیل ہے:۔

محاکات

رومان آفریں رات

بھینی بھینی ہوائیں نم سی فضا
کس قدر حسین ہے نشاط افزا
یہ مچلتی ہیں چاندنی کرنیں
دودھ کی بہہ رہی ہیں یا نہریں
سبزہ زاروں کی دور تک ہے بہار
ہے گلوں پر جوانیوں کا نکھار

موجیں چھلکی ہوئی ہیں پانی کی
کان پگھلی ہوئی ہے چاندی کی

مہکی مہکی فضا، لطیف سماں
چرخ پر ہنس رہا ہے ماہ رواں

نکھرے نکھرے مناظرِ قدرت
نم فضائیں ہواؤں میں فرحت

نرم کلیاں لطیف تر گھانسیں
لے رہی ہیں عجب طرح سانسیں

ہنس رہے ہیں گلاب کے غنچے
متبسم ہیں چرخ پر تارے

بزمِ قدرت پہ کیف طاری تھے
چاند کا فیضِ عام جاری ہے

سارا عالم رہینِ عشرت ہے
نور ہے مستیاں ہیں نکہت ہے

جان سی پڑ گئی ہے صحرا میں
چاندنی بہہ رہی ہے دریا میں

بے خبر فکر سے ہے روحِ حزیں
سانس ہر ایک ہے نشاط آگیں

ہے ضیا تا بہ سمتِ ارض و سما
پھوٹ نکلا ہے نور کا دریا

یہ فضائیں گلوں کی یہ بو باس
اب بھی لیکن شمیم دل ہے اداس

ایک حسرت

پُر کیف ہو جب دنیائے چمن اور ہر سو ہو آغاز سحر
انگڑائیاں لیں نازک شاخیں ہوں وجد میں جب گلپوش شجر

جب محوِ تڑپیں ہو عالم اگل صحرا کو مہکاتے ہوں
جب کھیت ہواؤں کی رَو سے میدانوں میں لہراتے ہوں

روشن ہو زمیں کا جب سینہ جب حسن فلک کا سونا ہو

لیلائے شب کے دامن میں اک آدھ ستارا ہوتا ہو

جب نہروں اور تالابوں پر ہوں عکس فگن انوارِ سحر

ہر قطرہ شبنم ہو موتی، ہر ذرّہ خاکی لعل و گہر

آراستہ ہو سلمائے جہاں جب نور کے دلکش زیور سے

پُر نور ہو جب تاریک فضا مہتاب کے سیمیں منظر سے

کوئل کی صدائیں آتی ہوں جب رہ رہ کے گلزاروں سے

اک نغمۂ شیریں پھوٹ پڑے جب دل کے نازک تاروں سے

اس وقت ہٹا کے پردوں کو تو کاش چمن میں در آئے

ہستی کا مری ذرّہ ذرّہ تصویرِ مسرّت بن جائے[۱]

ملکۂ صبح!

آرہی ہے صبح کی ملکہ وہ بل کھاتی ہوئی

صبح کا خاموش نغمہ زیرِ لب گاتی ہوئی

نور کے زرّیں سمندر میں ڈبوتی کائنات

آرہی ہے صبح رخ سے زلف سرکاتی ہوئی

۱؎ جوش ملیح آبادی

غلطاں ہے سبو میں عکس انجم ساقی
دریا میں ہے چاند سے تلاطم ساقی

اس وقت نظر ملا کے دم بھر کے لئے
ہیں تیرے نثار اک تبسم ساقی

جھاڑیوں سے جھانکتی شاخوں سے اٹھلاتی ہوئی
آ رہی ہے تاج پہنے صبح بل کھاتی ہوئی
ہر شجر کی چوٹیوں کو جگمگاتی۔ جھومتی
آ رہی ہے صبح سیمیں نور پھیلاتی ہوئی
نہر کی خوابیدہ موجوں کو جگاتی۔ چھیڑتی
آ رہی ہے صبح، دل کلیوں کے چٹکاتی ہوئی
نہر سے آنکھیں لڑاتی تھرتھراتی کودتی
آ رہی ہے ہر قدم پر ناز فرماتی ہوئی
اہلِ عالم کو پیامِ زندگی دیتی ہوئی
ناامیدوں کو خوشی کے خواب دکھلاتی ہوئی
محفلِ گلشن کو دیتی صبح بیداری کا حکم
قطرۂ شبنم کو ضو سے اپنی جھلکاتی ہوئی
کھیتیوں پر برق کی سی لہر دوڑاتی ہوئی
ولولے دل میں اٹھاتی زیرِ لب گاتی ہوئی
خامشی کا تار ٹوٹا چھڑ گئے نغمے نئے
محفلِ صحرا میں آئی صبح بل کھاتی ہوئی
لہر موسیقی اٹھاتی گلشنِ خاموش میں
آ رہی ہے صبح راگِ زندگی گاتی ہوئی
جھاڑیوں سے مسکراتی آ گئی صبحِ بہار

پھر شمیم مبتلا کی روح چونکاتی ہوئی

آرزوئے دل

جہاں اخلاص کے چشمے رواں ہوں — محبت کے جہاں گلشن جواں ہوں
جہاں عیش و طرب شام و سحر ہو — جہاں کا ذرہ ذرہ نغمہ گر ہو
جہاں غم کی نہ دیوی کا گذر ہو — نئے ارض و سما شمس و قمر ہو
جہاں ہر سمت ہو گل ریز جنگل — جہاں جھومیں گلستانوں پہ بادل
جہاں آتے لرزتی ہو خزاں بھی — نہ ہو افکار کا جس جا نشاں بھی
جہاں سایہ فگن ہو ابرِ رحمت — جہاں مسدود ہو تخلیقِ نفرت
جہاں ہو سادگی میں اک نزاکت — جہاں آنکھوں میں ہو روحِ مروت
جہاں ذرات کے منہ میں زباں ہو — جہاں مہر و وفا ہی کا جہاں ہو
جہاں عشرت کی دیوی جلوہ گر ہو — غمِ فردا سے ہر دل بے خبر ہو
جہاں زر کا نہ ہو کوئی پجاری — جہاں دریا محبت کے ہوں جاری
برستے ہوں جہاں راحت کے موتی — جہاں افسردہ خاطر ہو نہ کوئی
اب ایسی سرزمیں کی آرزو ہے — اب اس رنگیں فضا کی جستجو ہے

جذبات نگاری

بارگاہ جمال میں

اے خندہ بہار بیاباں کو چھوڑ دے — اے حسن ایک کشتۂ حرماں کو چھوڑ دے

اے غنچۂ بہار خزاں کی ہوس کر — اے ماہتاب رات کے داماں کو چھوڑ دے
اے خلد آرزوئے جہنم ہے کس لئے — اے سبزہ زار خارِ مغیلاں کو چھوڑ دے
دل سے بھلا دے یاد کسی نامراد کی — گر ہو سکے تو عشق کے ارماں کو چھوڑ دے

ہدیۂ برق و شرار

قرار دے نہ اگر، بیقرار ہی کر دے — خوشی محال سہی اشکبار ہی کر دے
مرے چمن کے نصیبوں میں گر بہار نہیں — تو اس کو ہدیۂ برق و شرار ہی کر دے[1]
وفا نہ ہو نہ ہو، وعدہ تو کر لے آنے کا — مجھے رہینِ غمِ انتظار ہی کر دے[2]
دلِ گرفتہ کو اے مالکِ جمال و بہار — شگفتہ گل نہیں کرتا تو خار ہی کر دے
اگر ہے میرے لئے لطفِ زندگی مفقود — تو پھر فنا سے مجھے ہمکنار ہی کر دے

دریچے میرے لئے بند ہیں خوشی کے اگر
دلِ شمیم کو غم کا شکار ہی کر دے

نہیں جاتی[3]

بگولے لاکھ اٹھیں شعلہ سامانی نہیں جاتی
سحر تک شمع محفل کی درخشانی نہیں جاتی

---

۱ علامہ اقبالؒ ع نغمۂ نو بہار اگر میرے نصیب میں نہ ہو ؛ اس دمِ نیم سوز کو طائرکِ بہار کر (بالِ جبریل)
۲ " ع نہ آتے ہمیں اس میں تکرار کیا تھی ؛ مگر وعدہ کرتے ہوئے عار کیا تھی (بانگِ درا)
۳ محترمہ کی یہ غزل قابلِ تحسین ہے خصوصاً پانچواں شعر تو تعریف سے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

جیسے شیخ و برہمن نے عجب سانچے میں ڈھالا ہے
وہ شے محسوس تو ہوتی ہے پہچانی نہیں جاتی
قمر لے نور ہو جائے تبسم چھوڑ دیں غنچے
بدل جائے زمانہ خوئے انسانی نہیں جاتی
بہاریں آئی بھی اور ہو گئیں رخصت مگر اب تک
گلستاں میں گلوں کی چاک دامانی نہیں جاتی[۵]

[پچھلے صفحہ سے] بالاتر ہے۔ اس زمین میں مولانا اصغر گونڈوی نے اپنے مخصوص انداز میں نہایت عمدہ غزل کہی ہے۔ یہ غزل اکتوبر سنہ ۱۹۳۰ء میں لکھی گئی تھی ملاحظہ ہو:-

ستم کے بعد اب ان کی پشیمانی نہیں جاتی
نہیں جاتی نظر کی فتنہ سامانی نہیں جاتی
نمودِ جلوۂ بیرنگ سے ہوش اس قدر گم ہیں
کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی
پتہ ملتا نہیں اب آتش وادی ایمن کا
مگر مینائے مے کی نور افشانی نہیں جاتی
مگر اک مشت پر کی خاک سے کچھ ربط باقی ہے
ابھی تک شاخِ گل کی شعلہ افشانی نہیں جاتی
چمن میں چھیڑتی ہے کس مزے سے غنچہ و گل کو
مگر موجِ صبا کی پاک دامانی نہیں جاتی
اُڑا دیتا ہوں اب بھی تار تار ہست و بود اصغر
لباسِ زہد و تمکیں پر بھی عریانی نہیں جاتی (سرودِ زندگی)

ا؎ شیخ احمد فیض ؎ کئی بار اس کا دامن بھر دیا حسنِ دو عالم سے
مگر دل ہے کہ اس کی خانہ ویرانی نہیں جاتی
(نقش فریادی ص ۱۱۸)

کسی کا نام سُن کر ضبط کے باوصف پہروں تک
مرے بے نور چہرے کی درخشانی نہیں جاتی

مری فکرِ نظر گرمِ سفر ہے ایسے عالم میں
جہاں کی وسعتوں تک عقلِ انسانی نہیں جاتی

مری باغی تمنائیں الٹ دیں گی زمانے کو
ہے جب تک زندگانی شعلہ سامانی نہیں جاتی

شمیم حالات نے گو کر دیا باغی زمانے سے
مگر باتوں سے تیری بوئے انسانی نہیں جاتی

کیوں

آئیں مرے خیال میں وہ بار بار کیوں ... خوابوں میں آ کے روز کریں بیقرار کیوں

* وہ حسرتِ بہار نہ طوفانِ زندگی ... آتا ہے پھر رلانے کو ابرِ بہار کیوں

* آلام و غم کے تند حوادث کے واسطے ... اتنا لطیف دل مرے پروردگار کیوں ۱

ترکِ وفا کے ساتھ ہو ترکِ خیال بھی ... آتے ہو اب خیال میں بھی بار بار کیوں

وہ دن گذر گئے وہ زمانہ نہیں رہا ... پھر ان کی یاد اے دلِ امیدوار کیوں

---

۱ غالب ۔ میری قسمت میں غم گر اتنا تھا :: دل بھی یارب کئی دیے ہوتے
میر ۔ کاش کے دل دو تو ہوتے عشق میں :: ایک رکھتے ایک کھوتے عشق میں

* اس غزل کے یہ اشعار محترمہ نے اپنے انتخاب میں ارسال فرمائے ہیں "ج"

جب زندگی کا موت سے رشتہ ہے منسلک
ہمنشیں ہے خطرۂ لیل و نہار کیوں
مطرب یہ رد لحن ہے یا کرب ساز ہے
رگ رگ میں بجلیاں ہیں مری بیقرار کیوں
*جب ربط و ضبط حسن و محبت نہیں رہا
ہے بار دوش ہستی ناپائدار کیوں
مدت ہوئی وہ نقشۂ دل ہی بدل گیا
اب چھیڑتے ہو ساز محبت کے تار کیوں
وہ شورش نشاط نہ سامان زندگی
اب کی چمن میں آئی عروس بہار کیوں
باب کرم میں جب کہ لفظ ستم نہ تھا
بنیاد زیست ڈال دی پروردگار کیوں

*رونا مجھے خزاں کا نہیں کچھ مگر شمیم
اس کا گلہ ہے آئی چمن میں بہار کیوں

نہ پوچھیے

کیوں زندگی سے دل ہے پشیماں نہ پوچھیے
دیکھا ہے جو وہ خواب پریشاں نہ پوچھیے
کیونکر ہوا ہے درد بھی درماں نہ پوچھیے
مشکل ہوئی ہے کس طرح آساں نہ پوچھیے
اہل خرد! تلطّف یزداں کے باوجود
بیچارگیٔ حضرت انساں نہ پوچھیے
دیوانگی میں جیب گریباں ہے چاک چاک
بیگانگیٔ حسن گریزاں نہ پوچھیے
دل میں کہاں ہے طاقت نظارۂ جمال

اب دل سے لطفِ صبحِ بہاراں نہ پوچھئے

فرصت نہیں ہے نالۂ شبگیر سے یہاں
اب لذّتِ سرودِ ہزاراں نہ پوچھئے

وقتِ سفر تسلّیٔ پیہم کے باوجود
کیوں چھٹ گیا تھا صبر کا داماں نہ پوچھئے[1]

پرتو سے جس کے ماند ہیں انوارِ ماہتاب
تاریک زندگی کا وہ عنواں نہ پوچھئے

سایہ میں نکہتوں کے شبِ ماہتاب میں
وہ آب و تابِ جلوۂ خوباں نہ پوچھئے

چہرہ عرق عرق، وہ ادائیں تھکی تھکی
نظارۂ جمالِ پشیماں نہ پوچھئے[2]

---

[1] جگر مرادآبادی

وہ خود تسکینِ خاطر کر رہے ہیں مگر دل ہے کہ پھر گھبرا رہا ہے
گلے مل کر وہ رخصت ہو رہے ہیں محبت کا زمانہ آرہا ہے

[2] ۔ "ان تھکی تھکی اداؤں" کی طرح جوش ملیح آبادی نے ایک جگہ "تھکی سی دلبری" اس طرح نظم کیا ہے

الاماں آنکھوں کی نیم افسردہ سی افسوں گری ؛ ایک بجھتا سا تبسّم اک تھکی سی دلبری

جگر مرادآبادی نے اس جمالِ پشیماں کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے

چشم پرنم، زلف آشفتہ، نگاہیں بے قرار ؛ اس پشیمانی کے صدقے میں پشیماں ہو گیا

وقت طلوعِ جلوۂ اسرار کی قسم
کیا دیکھتی ہے چشمِ پریشاں نہ پوچھیئے
فرصت سی ہو گئی ہے غمِ روزگار سے
کیا کیا ہیں دل میں حسرت وارماں نہ پوچھیئے
الہام کا نزول جب ہوتا ہے ذہن پر
اس دم مقامِ روحِ غزل خواں نہ پوچھیئے
مستقبلِ تبسم ہے جس سے ضیا فگن
وہ دل فریب خوابِ پریشاں نہ پوچھیئے

کامراں، کامگار ہیں ہم لوگ　　ناشناسِ قرار ہیں ہم لوگ
اک بجھا سا چراغ حسرت ہیں　　اک لٹی سی بہار ہیں ہم لوگ
ہم سے زندہ ہے گلستانِ ادب　　گو خرابِ بہار ہیں ہم لوگ
فکر میں بھی شگفتہ دل ہیں ہم　　غم میں بھی نغمہ بار ہیں ہم لوگ
ہیں جہاں کیلئے پیامِ سکوں　　خود مگر بے قرار ہیں ہم لوگ

شاعرہ کی موت

زیست میری جب فنا کی گود میں سو جائے گی
جب متاعِ زندگی اے ہمنشیں کھو جائے گی
موت کے ہاتھوں اُجڑ جائے گا جب باغِ حیات

روحِ غم دنیا کے اندیشوں سے پائے گی نجات
منھ پہ جب احساس کے پڑ جائے گی کالی نقاب
آرزوؤں کا مری جب ٹوٹ جائے گا رباب
سانس کا جب ٹوٹ جائے گا یہ رنگین سلسلہ
قطع ہو جائے گا رشتہ جسم کا اور جان کا

انجمن پھولوں کی ہوگی نوحہ خواں میرے بغیر
ہوگی دیوی صبح کی حسرت نشاں میرے بغیر
ہر خس و خاشاک میں جب تازگی آجائے گی
عارضِ قدرت پہ مایوسی سی اک چھا جائے گی
یاس آگیں رانگنی تالاب کی ہو جائے گی
ہنسنے والی ہر کلی مایوس سی ہو جائے گی
چشمِ باراں خوں کے آنسو شب کو جب ٹپکائے گی
روح میری آسمانوں پر بہت گھبرائے گی
نور سا روئے شفق کا دیکھنا اُڑ جائے گا
میرے بن کوئل کا دل گھبرائے گا اکتائے گا
صبح کو چڑیاں جگانے کو بہت چلّائیں گی
دیکھ کر ساکت مجھے مایوس واپس جائیں گی
پھول فرقت میں مری ہو جائیں گے خستہ خراب

کھٹکے گی ہر شاخ میرے نام پر یوں پیچ و تاب

چاک دامانی کرے گی میرے بن جو نسیم
خاک اڑائے گی مری فرقت میں پھولوں کی شمیم

جستجو میں میری آوارہ پھرے گا ماہتاب
میرے بن تارے فلک ہوں گے غرقِ اضطراب

روئیں گی شبنم کی لڑیاں میرے غم میں زار زار
ذکر سے میرے نگارِ شب کو ہوگا اضطرار

قبر پر میری عجب ہوویں مچیں گی صبح و شام
گائیں گے بیدار کرنے کو طیورِ خوش کلام

میری فرقت میں دِوانی تتلیاں ہو جائیں گی
منتشر فرشِ زمیں پر پتّیاں ہو جائیں گی

سِسکیاں لیں گی مری تربت پہ زندہ حسرتیں
روئیں گی فرقت میں میری گلشنوں کی رونقیں

جب بھری برکھائیں سب مل کر ترانے گائیں گی
شوخیاں میری بہت سکھیوں کو یاد آجائیں گی

میری الفت خیز باتوں کو بہت ترسیں گے کان
پر نہ پائے گا کوئی میری محبت کا نشان

باغ سے آئے گی جب غمگیں پپیہے کی پکار

یاد آجائے گی سکھیوں کو مری بے اختیار

جب کہانی ہو گی جاڑوں کی سنہری رات میں
یاد کر لیں گی مری سکھیاں مجھے ہر بات میں
جشنِ رنگیں ہوں گے جب ، ہو میں مچیں گی بے پناہ
یاد میں میری نکل جائیگی سب کے منہ سے "آہ"

موسمِ باراں میں ہر سو حُسن جب چھا جائے گا
ساتھ اشکوں کے مرا سب کو خیال آجائے گا

نوحہ خواں بزمِ صحافت ہو گی میرے ہجر میں
ہو گا اک طوفاں بپا ہندوستاں کے بحر میں
سبزۂ علم و ادب کچھ زرد سا ہو جائے گا
شاعری کا کچھ دنوں جیسے مزا کھو جائے گا

پُرالم نظمیں لکھی جائیں گی میری موت پر
مشرقی بہنیں میری فرقت میں ہوں گی نوحہ گر
ذکر میرا جب کبھی بزمِ سخن میں آئے گا
ایک نشتر سا دلوں میں دفعتاً چبھ جائے گا

شاعری کی بزم ہو جائے گی غمگیں بے قرار
لکھنوی بہنیں مری فرقت میں ہونگیں سوگوار
آئیں گے جب آسماں پر بادلوں کے قافلے

یادِ اہلِ ذوق کو آئیں گے میرے زمزمے
ہو گی فطرت غرق گریہ نوحہ خواں میرے لیئے
کچھ دنوں تک روئے گا ہندوستاں میرے لیئے
ایک دن پھر تن چلی دنیا کو صبر آجائے گا
قصر امیدوں کا اک تازہ بنایا جائے گا

ملک و قوم کی زبوں حالی کا احساس

روداد الم

نہ پوچھو ستم کیش ہندی کی حالت — حقیقت ہے یہ کچھ کہانی نہیں ہے
تبسم کی قلت تو ہے اس کرہ میں — مگر آنسوؤں کی گرانی نہیں ہے
نہ نالوں میں ڈھونڈو فراغت کی تانیں — یہاں نام کو شادمانی نہیں ہے
غریبوں کی محفل میں اک دن سنو تو — کوئی لے بجز نوحہ خوانی نہیں ہے
سسکتا جنازہ ہے کرب و بلا کا — غریبوں کی مفلس جوانی نہیں ہے
کوئی رات آئی نہ ایسی کہ جس میں — غریبوں کی خونی کہانی نہیں ہے
نہ پوچھو ستم کیش زندہ ہیں کیونکر — ہے سکرات یہ زندگانی نہیں ہے
ہوں جب تک میں زندہ بغاوت ہے زندہ — مرا جذبۂ صدق فانی نہیں ہے

دخترِ ہند

ایک لڑکی بیکس و مجبور و زار — خاک پر بیٹھی ہوئی ہے دل فگار

چیتھڑوں سے جسمِ لاغر ہے ڈھکا کائناتِ دل میں ہے محشر بپا
آنکھ میں ہے نیند کا ہلکا خمار گیسوئے خمدار پہ گرد و غبار
قلب میں الجھن پریشان و حزیں ایک گزرا زیب تن نیم آستیں
ایک کہنہ اوڑھنی اوڑھے ہوئے جس کے آنچل جابجا ادھڑے ہوئے
اندرونی دکھ کی سچی داستاں کہہ رہی ہے اس کی چشمِ خونفشاں
بیکسی، بے چارگی کا سر فرازہ دستِ نازک بھیک کی خاطر دراز

آہ یہ آفات۔ یہ بربادیاں
ہند کی اور آہ یہ شہزادیاں

آہ اے ہندوستانِ خستہ حال بھوک سے بیتاب ہیں لعلِ بے لال
آہ اے جنت نشاں ہندوستاں تو کہاں اور یہ تری حالت کہاں
کاش پلٹا کھائیں روز و ماہ و سال
تو ہو اور تیرا وہی جاہ و جلال

پیغامِ عمل

پیدا کر

شبِ تاریک سے انوارِ سحر پیدا کر ذرّے ذرّے میں نئے شمس و قمر پیدا کر
زورِ شمشیر سے دنیا کی بدل دے تقدیر قلبِ شبیرؓ کا حیدرؓ کا جگر پیدا کر
سرد ہے کب سے رگِ قوم میں خونِ چنگیز قلب میں پھر تپشِ برقِ شرر پیدا کر
کب سے چھایا ہے فضاؤں پہ فلاکت کا غبار ہند کی خاک سے پھر لعل و گہر پیدا کر

ذرّے ذرّے کو بنا آئینۂ حسنِ نگار
ریگ زاروں میں بہارِ گل تر پیدا کر

قطرہ قطرہ میں اٹھا شورشِ طوفانِ حیات
موج ظلمات سے پھر آبِ خضر پیدا کر

شہناز

شہناز زیدی نام اور شہناز تخلّص ہے۔ عصمت کی شاعرہ ہیں۔ اکثر اخلاقی مضامین نظم کرتی ہیں۔ کلام صاف اور طرزِ ادا دل آویز ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے:-

دنیا کے مسافر سے

نہ چل بن کے ناداں یہ پُر خار راہیں
کسی جا مسرّت کسی جا پہ آہیں

کہیں پر سُنے گا تو غمگیں صدائیں
کہیں ایسے نوحے، جو دنیا ہلائیں

چلا چل چلا چل مسافر چلا چل

ہر اک حال میں بھائی ثابت قدم ہو
کسی دکھ سے تیرا ارادہ نہ کم ہو

کسی غم میں یہ چشم بہیا نہ نم ہو
کسی کی خوشی نہ کسی کا الم ہو

چلا چل چلا چل مسافر چلا چل

نہ کر کچھ فکر دسے یہ دنیا ہے فانی
کسی کا فسانہ کسی کی کہانی

پڑھا کچھ صفحہ پر سنا کچھ زبانی
جھپکتے ہی آنکھیں ختم زندگانی

چلا چل چلا چل مسافر چلا چل

نہ کر غم کسی کا نہ ہو بے قراری
یہ دنیا ہماری ہوئی نہ تمھاری

نہ کر کوئی نوحہ۔ نہ نالہ نہ زاری
جو بیٹھا ہے اب کل چلے گی سواری

چلا چل چلا چل مسافر چلا چل

یہ دو چار دن کی جو ہے زندگانی | مسرت میں ہو یا صعوبت اٹھانی
لڑکپن بڑھاپا یا ہو نوجوانی | خوشی سے بسر کر یہ دنیا ہے فانی

چلا چل چلا چل مسافر چلا چل

لڑکپن کی بھولی فضاؤں میں کھو جا | جوانی کی اتھڑ اداؤں میں کھو جا
بڑھاپے کی بیکس دعاؤں میں کھو جا | تو کھو جا جہاں کی صداؤں میں کھو جا

چلا چل چلا چل مسافر چلا چل

شیریں

شیریں خانم نام اور شیریں تخلص ہے آپ کپتان عزیز کی شریک زندگی ہیں اکثر کلام رومان میں چھپتا تھا۔

آپ کا کلام بلند پایہ اور پُر کیف ہوتا ہے، بہت جذباتی رنگ میں لکھتی ہیں، کلام میں سوز و گداز اور حسرت و یاس کے دلائل موجود ہیں، زبان بہت شستہ اور صاف لکھتی ہیں۔ طرز ادا پاکیزہ اور دلکش ہے“ کلام کا نمونہ یہ ہے:۔

نوائے شیریں

میں ڈھونڈھتی ہوں تجھ کو فضائے بہار میں | آ جلد آ کہ دل ہے ترے انتظار میں
برسوں کے شکوے چشم زدن میں بھلا دئے | کتنا اثر تھا اس نگۂ شرمسار میں
عہد شباب ماتم امید الاماں | فصل خزاں کا رنگ ہے فصل بہار میں

دن بھی طویل رات بھی تاریک ہے فراق
کب تک نہ فرق آئے گا بیل و نہار میں

اے بیخودی خدا کے لئے ڈھونڈھنا مجھے
کھوئی گئی ہوں سایۂ ابرِ بہار میں

صیاد کر دے یا تو قفس سے ہمیں رہا
یا آشیاں کو آگ لگا دے بہار میں

تم اختیار میں جو نہیں ہو تو زور کیا
رونا یہ ہے کہ دل بھی نہیں اختیار میں

ہر گل کو بے خودی میں گلے سے لگا لیا
شیریں کو کیا ہوا یہ ہجومِ بہار میں[۱]

ص

صغرا ۔ حیدرآبادی۔

صغرا بیگم نام اور صغرا تخلص ہے۔ آپ مرزا محمد علی خاں مرحوم سابق صوبہ دار کی چھوٹی صاحبزادی ہیں آپ کے دادا مرزا موسیٰ خاں مرحوم سرکار آصفیہ کے پہلے ناظم تعلیمات تھے، اور چچا مرزا مہدی خاں کوکب اچھے شاعر اور حیدرآباد کے سب سے پہلے طالب علم تھے جنہوں نے یورپ کی ڈگریاں حاصل کی تھیں۔

محترمہ صغرا بیگم کی پیدائش ۱۹۱۱ء میں حیدرآباد میں ہوئی۔ آپ نے محبوبیہ گرلز اسکول میں تعلیم پائی۔ شادی کے بعد بنگال میں

---

[۱] محترمہ نجمہ تصدق
چومتی پھرتی ہے ہر پھول کا عارض نجمہ
اس کو عکسِ رخِ گلفام دکھایا کیوں تھا

شاہنی نمکین کی سراپا شعر اور موسیقی کی رنگین فضاؤں میں کچھ عرصہ تک رہنا ہوا۔

خاندانی علمی ماحول کے علاوہ فطری رجحان کے باعث آپ کو شعر و سخن کا ذوق ہے آپ کی شادی ڈاکٹر امیر خاں المتخلص بہ ہاشم سے ہوئی ہے۔

آپ کے کلام میں سادگی وصفائی ہے۔ زبان سلیس لکھتی ہیں۔

آپ نے مناظر فطرت کی نقاشی اور جذبات نگاری دونوں پر قلم اٹھایا ہے طرز ادا دلکش اور پُر کیف ہے۔

خموشی سی عالم پہ جب چھا رہی تھی	میں ہستی سے سوئے عدم جا رہی تھی
اُجالا جو گھٹنا تھا روئے زمیں پر	گھڑی عمر کی بھی گھٹی جا رہی تھی
عجب وحشت انگیز تھا وہ سماں کہ	میں صحرا نوردی سے گھبرا رہی تھی
اکیلی تھی میں اور ہمراہ ڈر تھا	مجھے اپنی تنہائی دہلا رہی تھی
اور اس اپنی مجبوری و بیکسی پر	زمین و زماں کو میں لرزا رہی تھی
جو ہیں ماہ نے اپنا جلوہ دکھایا	میں چاندی کی لہروں میں تیر رہی تھی
وہ جگنو کی جگ مگ وہ تابش قمر کی	جو حوروں کے جلوہ کو شرما رہی تھی
سُہانا تھا دشت اور اُجلا سماں تھا	جہاں باد صرصر بھی منڈلا رہی تھی
اور اس وقت میں مجھ کو رحمت خدا کی	خوش آئند لوری سے بہلا رہی تھی
"نہیں ہے یہ ممکن تجھے بھول جاؤں"	مجھے یہ ذہنی صدا آرہی تھی
مجھے تھا گماں یہ کہ نا آشنا ہوں	صدا سے بوئے آشنا آرہی تھی
نہیں تھا یہ معلوم مجھ کو کہ کوئی	مری بگڑی قسمت کو چمکا رہی تھی

غرض شانہ لطف سے شانِ رحمت
مری اُلجھی زلفوں کو سلجھا رہی تھی

صفیہ ۔ حیدر آبادی

صفیہ بیگم نام اور صفیہ تخلص ہے ۔ آپ محمد صدیق حسین صاحب مہاجر کی دختر ہیں ۔ صدیق حسین مرحوم نظام کالج حیدر آباد دکن میں پروفیسر تھے اور فارسی زبان میں شعر کہا کرتے تھے ۔

محترمہ صفیہ صدیق کی پیدائش حیدر آباد میں ۱۹۱۹ء میں ہوئی ۔ زنانہ اسکول نامپلی میں تعلیم پائی اور پھر کلیہ اناث میں بی ۔ اے کی تعلیم حاصل کی ۔ اردو کی خدمت گزاری کا شوق ہے ، نظم ، نثر اور ترجمہ کے ذریعہ سے آپ اس شوق کی تکمیل کرتی ہیں ۔ اخبار پیام اور رسالہ شہاب وغیرہ میں آپ کی نظمیں اور مضامین شائع ہوتے ہیں ۔ آپ مشرقی تہذیب کی دلدادہ ہیں اور اپنے ان خیالات کی ترجمانی اکثر اپنے کلام میں بھی کرتی ہیں ۔ کلام سے ابھی تو مشقی ظاہر ہوتی ہے ۔ گو صفائی موجود ہے نمونہ یہ ہے :-

مشرقی دنیا کی عورت تجھ میں ہے عفت بھری
عورتوں پر ساری دنیا کی تو سبقت لے گئی
حسن کی دیوی ہے تو شرم و حیا تجھ پر نثار
تیرے ہر انداز میں پنہاں ہے حسن قدسی

سارے گوہر سے ہے بہتر عصمت و عفت تری
ہو گئے عاجز پرکھنے سے بھی سارے جوہری
تیری خودداری سے عاجز ہو گئی ہے عاجزی
پھر وفاداری میں بھی تیرا نہیں ثانی کوئی
شکر ہے اللہ کا تو سب پہ بازی لے گئی
تو بھی اے صفیہ اسی زمرے میں شامل ہو گئی

ظ

ظریفہ

نام معلوم نہیں ظریفہ تخلّص ہے لیکن نہایت دلدوز اور حسرت آمیز اشعار لکھتی ہیں۔ آپ کا کلام جذبات اور واردات قلب کا گنجینہ ہے اس میں درد و اثر اور سوز و گداز سب کچھ موجود ہے۔ آپ کے یہاں معاملہ بندی کی اچھی مثالیں ملتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ جرأت اور مومن کے رنگ سے کافی متاثر ہوئی ہیں۔ آپ کے کلام کی خاص خصوصیت جذبات کی فراوانی ہے، جس نے آپ کے اشعار کو صرف دلکش ہی نہیں بہت پُر اثر بھی بنا دیا ہے، رنگ پختہ اور اسلوب بیان پاکیزہ ہے نمونہ کلام یہ ہے:-

"نذرِ عشق"

بہتر یہی تھا کہ مجھے پیار نہ کرتے   کرتے بھی تو رسوا سرِ بازار نہ کرتے

میں آپ دکھاتی تھیں تو رنگ کے جلوے
جذبات کی رَو میں مجھے معبود بنا کر
دل ہی میں چھپا رکھتے اگر رازِ محبت
دیوانگیٔ عشق ہے سرمایۂ راحت
منظور نہیں مجھ کو تنک ظرفیٔ منصور[1]

تم حسرتِ دیدار کا اظہار نہ کرتے
اے کاش تم اپنے کو گنہگار نہ کرتے
اس دکھ کا علاج آپ ہی دشوار نہ کرتے
تم پھول میں پیدا خلشِ خار نہ کرتے
دنیا پہ عیاں حالِ دلِ زار نہ کرتے

اتنا بھی نہ تھا مادۂ ضبط جو تم میں
بہتر تو یہی تھا کہ مجھے پیار نہ کرتے

عابدہ

عابدۃ النساء بیگم نام اور عابدہ تخلّص ہے۔ حیدرآباد کی شاعرہ ہیں۔ آپ مولوی سیّد عارف الدین صاحب ناظم تعمیرات حیدرآباد دکن کی دختر اور سیّد علی صاحب ایچ۔ سی۔ ایس کی شریکِ حیات ہیں۔

آپ نے محبوبیہ گرلز اسکول میں تعلیم پائی ہے۔ شعر گوئی سے کافی ذوق ہے۔ اس اسکول کی میگزین میں آپ کا کلام اکثر شایع ہوا کرتا تھا۔ کلام میں صفائی موجود ہے۔ اگر آپ کہتی رہیں تو پختگی بھی پیدا ہو جائے گی۔ نمونۂ کلام یہ ہے:۔

---

[1] غالب:۔ قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہم کو تقلیدِ تنک ظرفیٔ منصور نہیں

اُلفت

الفت ہے اے خدا کیا ہم کو ذرا دکھا دے
الفت ہے نام کس کا؟ الفت ہمیں سکھا دے

قوموں بہت ہیں دشمن اک دوسرے کی ہیں ہم
میل و ملاپ کا تو ان کو سبق پڑھا دے

ملت نہیں ہے کوئی جو پھوٹ سے ہو خالی
اس پھوٹ کا جہاں سے نام و نشان مٹا دے

دنیا میں فرقہ بندی بڑھتی ہی جا رہی ہے
آپس کے بیر کو سب دل سے خدا بھلا دے

آپس کی پھوٹ سے ہم برباد ہو رہے ہیں
اپنے کرم سے ہم کو شیر و شکر بنا دے

یہ عابدہ کی زاری کر لے قبول یا رب
الفت کے راستے پر ہم سب کو پھر لگا دے

عاصیہ

ملاحظہ ہو - رابعہ

عبرت

محترمہ زینت بیگم صاحبہ عبرت نے اپنے حالات جو خود لکھ کر ارسال فرمائے ہیں، درج ذیل ہیں:-

"میرا شجرۂ نسب حضرت امیر قیس عبدالرشید رضؓ سے ددھیالی اور حضرت خالد بن ولید رضؓ سے ننھیال شروع ہوتا ہے، میرے ددھیالی بزرگوں میں ہفت ہزاری پنج ہزاری اور سہ ہزاری زمانہ سلف میں گزرے ہیں میرے والد ماجد ڈاکٹر خوب داد خان بہادر کلکتہ میں ہیڈ اسسٹنٹ

چیف کمسریٹ کے عہدہ پر مامور تھے۔ بریلی میں محلہ گگی بھاٹان میں ہماری کوٹھی مبارک باغ کے نام سے مشہور تھی۔ میرے والد مرحوم نے اس کوٹھی میں ایک باغ لگایا تھا جس میں انواع و اقسام کے درخت پھولوں اور پھلوں کے موجود تھے۔ دوست احباب میں اشتہار عام تھا کہ اگر کوئی شخص یہ بتا دے کہ فلاں پھل اور پھول کا درخت اس باغ میں نہیں ہے اس کو پانچ روپیہ انعام ملتے تھے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں بجلی کا رواج بہت کم تھا مرحوم نے بیٹریوں کے ذریعے تمام کوٹھی اور باغ میں بجلیاں لگوائیں۔ واجد علی شاہ والیٔ لکھنؤ کا سامان آرائش جب کلکتہ کے مٹیا برج میں نیلام ہوا تو وہاں سے بہت بیش قیمت اور منتخب سامان لاکر کوٹھی کو بقعۂ نور بنایا۔ چار قوال نوکر تھے صبح و شام کھانا کھاتے وقت ان کی قوالی ہوا کرتی تھی اور رات کو سوتے وقت قصہ خوانی کے لئے حیا ایب صاحب مرحوم ملازم تھے جو زبانی اور کتابوں سے داستان سنایا کرتے تھے۔ ہم تین بہنیں اور تین بھائی تھے۔ دنیا کے افکار و آلام سے قطعی نا آشنا۔ دن عید اور رات شب برات تھی۔ والد صاحب مرحوم اُردو و انگریزی کے شاعر تھے۔ اُن کا اُردو کا دیوان "دیوان خوب سفینۂ مرغوب" کے نام سے مشہور ہے اور انگریزی کا دیوان پوئیٹیکل جمس (Poetical Jems) کے نام سے مشہور ہے جس کی تعریف گورنروں اور وائسرائے و دیگر معززین انگریزوں نے کی ہے اور وہ سب اصلی ریکارڈ میرے پاس

محفوظ ہے۔

چونکہ میرے گھر میں ہر وقت علم و ادب کا چرچا تھا اس لئے اس کی ضو پاشیوں سے میں بھی محروم نہ رہی۔۔ چونکہ ہمارے زمانہ میں پردہ کا رواج بہت سخت تھا۔ اس لئے بلا امداد کسی استاد فن کے اپنی استعداد کے مطابق اپنے کلام کو چلاتی رہی۔

۱۹۰۳ء میرے خاندان کے لئے اس درجہ منحوس آیا کہ میرے والد ماجد کا انتقال اچانک مرض فالج میں دہلی میں ہو گیا۔ میرے منجھلے بھائی نے ریلوے کے ٹھیکہ جات لینا شروع کئے کام کا تجربہ نہ تھا۔ ملازموں نے خوب لوٹا۔ ہر کام میں نقصان ہوا۔ ۲۔ ۳ لاکھ کے ٹھیکے نتیجہ یہ ہوا کہ ہم لوگ تباہ ہو گئے میری شادی ۱۹۰۵ء میں سید محمد عبدالحی صاحب سے ہوئی یہ خاندان ہندوستان کا ایک مستند اور مشہور و معروف خاندان ہے۔ پیر زادے ہیں۔ صاحب نساب و شجرہ ہیں۔ میرے خسر سید مولوی عبدالغنی صاحب وکیل ضلع سیتاپور میں وکالت کرتے۔ کثیر آمدنی تھی۔ گاؤں، مکانات و باغات تھے۔ میری دو بہنیں اور دو بھائی انتقال کر چکے۔ اب میں اور میرے ایک بھائی حیات ہیں۔ صرف تین بہنوں اور ایک بھائی کی اولاد بھی بفضلہ موجود ہے۔ چونکہ ٹوٹی پھوٹی شاعری کا شوق تھا۔ اس لئے میری لڑکیوں کو بھی شوق ہوا ماشاءاللہ ملقبہ فاطمہ بیگم نے تو ہندوستان میں بوجہ شاعری و قومی خدمات کافی نام پیدا کیا۔ اور پنجاب و حیدرآباد دکن کے شائقان ادب اس کو ادیب جلیلہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ اس کے

قائم کردہ پانچ اسلامی اسکول لڑکیوں کے لئے گوالیار اسٹیٹ میں چل رہے ہیں چونکہ اس کی شادی ہو گئی اب اس کی جگہ جنرل سکریٹری کا کام اس کی چھوٹی بہن انیس فاطمہ عرف زہرہ خاتون کرتی ہیں۔ انھوں نے بلقیس فاطمہ کے اسکول سے مڈل بھی پاس کیا ہے۔

میری پانچ اولادیں ہیں تین لڑکیاں اور دو لڑکے۔

میرے شوہر محمد عبدالحی صاحب جو گورنمنٹ میں منیجر کورٹ آف وارڈس رہے اور گوالیار میں سپرنٹنڈنٹ مجسٹریٹ درجہ اوّل بھی رہے انھوں نے بریلی سے ۱۹۱۰ء تک میٹرک کلاس تک تعلیم پائی اور اس وقت انگریزی کھیلوں میں کافی نام پایا۔ یہ بریلی کی کل ٹیموں کے جنرل کیپٹن بھی رہے حضرت مولوی احمد رضا خاں صاحبؒ کے بھی عقیدت مند تھے۔ میرے خاوند کی عمر ۶۶ سال ہے اور میری ۵۶ سال ہے۔"

محترمہ عبرت کا زیادہ تر کلام پرانے روایتی شاعرانہ رنگ میں ہے ایک زمانہ میں لکھنؤ میں اور تھوڑا بہت دہلی میں بھی یہ رنگ مقبول تھا لیکن چونکہ سچّے اور صحیح جذبات کی ترجمانی اس میں زیادہ نہیں تھی اس لئے یہ رنگ زیادہ عرصہ تک مقبول نہیں رہ سکا اور اب اس کو ترک کیا جا رہا ہے محترمہ نے چونکہ انھیں فضاؤں میں آنکھ کھولی اور اسی ماحول میں پرورش پائی۔ اس لئے ان کے یہاں اس رنگ کا ہونا کچھ تعجب خیز بات نہیں ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے یہاں ترجمانی جذبات کا

بالکل فقدان ہے۔ ان کے یہاں اس رنگ کے بھی کچھ اچھے شعر ملتے ہیں۔ جیسا کہ اشعار ذیل کے مطالعہ سے واضح ہوگا۔

ذیل میں محترمہ کے مرسلہ کلام کا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔

لطف آتا ہے انھیں ہر ظلم نو ایجاد میں
چین آتا ہے مجھے دردِ دلِ ناشاد میں

دل کو دیکھوں یا جگر کو یا غم و اندوہ کو
سازِ ہستی جل رہا ہے اب کسی کی یاد میں

جان "مضطر" دل مکدر قلب محزوں چشم نم
ہائے کیا کیا بن گئی ہم پر کسی کی یاد میں

نہ ہوتا دل تو کوئی کیوں کسی پہ مبتلا ہوتا
حسیں ہوتے تو کیا تھا دلربا ہوتے تو کیا ہوتا

نہ دل ہوتا تو کیوں فرہاد اپنی جان سے جاتا
جہاں میں سیکڑوں شیریں ادا ہوتے تو کیا ہوتا

تصور میں کبھی آ کر تسلی دے ہی جاتے ہیں
نہ اتنے بھی مرے درد آشنا ہوتے تو کیا ہوتے

ہمارے دم سے ہی تو نے ستمگر نام پایا ہے
نہ ہوتے ہم اور انداز جفا ہوتے تو کیا ہوتا

کسی کی اک نگاہِ مست سے بیہوش ہو بیٹھے
اسیر گیسوئے زلف رسا ہوتے تو کیا ہوتا

مقدر میں ازل کے روز سے ہم غم لکھا لائے
نہ کرتے وہ وفا کیونکر وفا کرتے تو کیا ہوتا

(نوٹ اگلے صفحہ پر)

ستمگر ہیں تو جب بھی اک عالم ہے تمنائی
اگر رسم و رہِ دلداری ادا کرتے تو کیا ہوتا[2]
مجھے قسمت سے شکوہ ہے شکایت ان سے کیا عزت
ستمگر ہیں تو کیا ہے باوفا ہوتے تو کیا ہوتا

وہ نہ آئے وعدہ کر کے دلِ بیقرار سوجا
ہیں دروغ ان کی قسمیں نہ کر اعتبار سوجا
مری آنکھیں منتظر تھیں مرا قلب مضطرب تھا
کہا نامہ بر نے آکر نہ کر انتظار سوجا
مجھے دفن کر چکا جب تو یہ بولا شاد ہے اب
تجھے اب تو چین آیا مرے بیقرار سوجا
تجھے یاس روچکی اب تجھے شوق کھو چکا اب
ترا نوحہ ہو چکا اب مرے غمگسار سوجا

حالِ دل بر سرِ رحم ان کو میں پاؤں تو کہوں
ہیں وہ بیجرم خفا مجھ سے مناؤں تو کہوں
زاہدو پوچھو نہ اس عشق بلاخیز کے ڈھنگ
نقشۂ کفر ذرا دل سے مٹاؤں تو کہوں
کیا کہوں جو دلِ صد پاش سے آتی ہے صدا
گر پڑا سنگِ جفا بر میں اٹھاؤں تو کہوں
دردِ ہجراں کا یقیں آپ کو کب آئے گا
داغ ہائے دل مجروح دکھاؤں تو کہوں

[پچھلے صفحہ سے] [1] مؤلف حقیر: شکستِ دل ازل ہی سے مری قسمت میں لکھا تھا
قصور اس میں تمھارا اے انیسِ بیکساں کیا تھا

[2] آغا حشر کاشمیری:- جب اتنی بے وفائی پر دل اس کو پیار کرتا ہے
خداوندا اگر وہ باوفا ہوتا تو کیا ہوتا

عذرا

سیدہ عذرا جمال نام اور تخلص عذرا ہے آپ موجودہ دور کی ایک تعلیم یافتہ روشن خیال اور عالی دماغ خاتون ہیں آپ نے کینرڈ ٹریننگ کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی ہے۔ اب آپ دہلی میں مقیم ہیں آپ کا عرف سنجیلہ خاتون ہے۔

آپ موجودہ دور کی ایک نہایت خوش گو اور قادر الکلام شاعرہ ہیں آپ کی شاعری صرف گل و بلبل کے افسانوں تک محدود نہیں بلکہ اس میں قوم اور وطن، تہذیب اور سماج، رسم اور رواج اور زندگی کے حقائق پر تبصرہ ہے آپ علامہ اقبال کے رنگ سے بہت متاثر ہوئی ہیں اور اس رنگ میں بہت عمدہ لکھتی ہیں۔ آپ کا کلام پختہ پر وقار اور بلند ہے نمونہ یہ ہے:-

پیامِ عذرا

اُٹھ کہ پھر تیرا وطن گردشِ ایام میں ہے
تلخیِ زہر ترے بادۂ گلفام میں ہے

ہو نہ پابستہ غلامی کے اگر دام میں ہے
زندگانی کا مزا کوششِ ناکام میں ہے

خوابِ غفلت میں جو سوتے ہیں جگا دے ان کو
جل کے اقبال کا یہ شعر سنا دے ان کو

"اُٹھ کہ خورشید کا سامان سفر پیدا کریں
نفسِ سوختۂ شام و سحر پیدا کریں"

(عذرا کا پیام خواتینِ مشرق کے نام)

مجھ سے اک دخترِ تہذیب نوی نے یہ کہا

نقش بیکار رہے اب ہنر میں عورت کا وجود

زنِ مغرب رہِ ایجاد پہ ہنگامہ خرام
اور یہاں زیست کے ہر سانس پہ طاری ہے جمود

عرصۂ دہر پہ وہ گرمِ تقاضائے حیات
اور نظارہ کناں ہم صفتِ چشمِ حسود

نبضِ تقدیر پہ قابو ہے زنِ مغرب کا
اور ہم اپنی ہی تخئیلِ کہن سے محدود

سُن کے میں نے کہا افرنگ کے اے دستِ نگر
تیری آزادیٔ افکار نہیں فالِ سعود[1]

تو کبھی نقش گرِ راہِ ترقی تھی، مگر
ذوقِ تقلید ز تو نعمتِ ایجاد ربود

---

[1] مغرب زدہ عورت پر حضرت علامہ اقبالؒ نے رموزِ بیخودی میں اس طرح اظہارِ خیال فرمایا ہے،

فکرِ او از تابِ مغرب روشن است　　ظاہرش زن، باطن او نازن است
بندہائے ملتِ بیضا گسیخت　　تا ز چشمش عشوہ ہا دل کردہ ریخت
شوخ چشم و فتنہ زا آزادیش　　از حیا نا آشنا آزادیش
علمِ او بارِ امومت برنتافت　　بر سرِ شامش یکے اختر نتافت

این گل از بستانِ ما نارستہ بہ
داغش از دامانِ ملت شستہ بہ　　[رموز ص ۱۷۵]

اب بھی صد جلوہ بداماں ہے فضائے عالم
کور ذوقی سے تری بند ہے گو چشمِ شہود

بت افرنگ سے ہو تو نہ اگر رشتہ بپا
اب بھی ہے زندہ و پائندہ ترا ربِ ودود

جنس برباد ہوئی تیری حیا کی دولت
تیری عصمت کے محافظ تھے رسوم اور قیود

تو کسی روز بھی خود قوم کی زندہ تقدیر
اور اب تجھ ہے ترا تقدیر سے شکوہ بے سود

دوزخِ غرب کو فردوس سمجھنے والی
عصمتِ حُسن کے جوہر سے ہے عورت کی نمود

سر زمیں ہند کی ہے منتظر اس عورت کی
مایۂ ناز ہو ملت کے لئے جس کا وجود

حُسن کی روحِ رواں عشقِ جواں کی دولت
الله کہ خطرہ میں ہے اب امن و اماں کی دولت"

عصمت

خورشید عصمت نام اور عصمت تخلص ہے۔ موجودہ دور کی ایک نہایت خوش فکر اور کہنہ مشق شاعرہ ہیں۔ پختہ رنگ میں کہتی ہیں۔ زبان پر آپ کو بڑی قدرت حاصل ہے۔ جذبات اور طرزِ ادا دونوں اعتبار سے آپ کا

کلام بلند اور قابل قدر ہے، نمونہ کلام یہ ہے،

صبر کو آزما کے دیکھ لیا
تیر یہ بھی چلا کے دیکھ لیا

بے وفا ہے وہ بے وفا ہیں تیرے
آزما آزما کے دیکھ لیا

خود ہی محفل میں ہو گئے رسوا
تم نے ہم کو اٹھا کے دیکھ لیا[1]

نہیں کوئی انیس غم عصمت
ہم نے خوب آزما کے دیکھ لیا[2]

عصمت

عصمت جہاں بیگم نام اور عصمت تخلص ہے آپ کا تعلق مظفر نگر کے ادب پرور اور ادب خیز خطہ سے ہے کلام کا رنگ صاف وستھرا ہے جذبات کی ترجمانی اور دلچسپ واقعات نگاری آپ کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ آپ کا کلام اکثر رسالہ محشر خیال میں شایع ہوتا تھا۔ نمونہ یہ ہے۔

مجھے ماں باپ کے گھر میں وہ اطمینان حاصل تھا
کہ دنیا بھر کی امیدوں کا گہوارہ مرا دل تھا

ہوئی حالت مگر بالکل وہی سسرال میں آکر

---

[1] مومن:- تیرے پردہ نے کی یہ پردہ دری ؛ تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا
[2] مومن نے اس مضمون کو بڑی لطافت اور بڑی حسرت سے ادا کیا ہے ملاحظہ ہو
ثو فلک مرگ علم سب سے غافل ؛ اک کسی کا بھی آسرا نہ رہا

پھنسے جیسے کوئی آزاد طائر جال میں آ کر

محلّے بھر کی ساری عورتیں مجھ کو بناتی ہیں
میں اُن کا منھ چڑاتی ہوں وہ میرا منھ چڑاتی ہیں
سہے جاتے نہیں اب مجھ سے طعنے ساس نندوں کے
قیامت ہے رہوں کس طرح دن بھر پاس نندوں کے

وہیں لے چل مرا چرخہ جہاں چلتے ہیں ہل تیرے

تری فرقت کی ماری تجھ کو اکثر یاد کرتی ہے
مجھے لے چل کہ میری آتما فریاد کرتی ہے
نہ آنسو آئیں گے رخ پر نہ گھبرائے گا دل میرا
کہ تیرے ساتھ رہنے سے بہل جائے گا دل میرا

یہ مانا ہیں بہت دلچسپ صبح و شام کے جلوے!
رہے نم آنکھ سے اوجھل تو پھر کس کام کے جلوے
تمھارے ساتھ رہ کر اپنا غم سب بھول جاؤں گی
تمھیں گاتا جو دیکھوں گی تو خود بھی ساتھ گاؤں گی

وہیں لے چل مرا چرخہ جہاں چلتے ہیں ہل تیرے

عظمت

عظمت اقبال نام اور عظمت تخلص ہے دورِ حاضر کی ایک خوش گو شاعرہ ہیں کلام نہایت پُر کیف اور بلند پایہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے آپ اساتذہ کے

کلام سے متاثر ہوئی ہیں، نمونہ کلام یہ ہے:۔

چمن اپنا نہ گُل اپنا نہ کوئی باغباں اپنا	طبیعت بجھ گئی اُجڑا خوشی کا گلستاں اپنا[1]
مری صبح مسرت بن گئی شام الم کیسی	ہے محوِ خونفشانی یہ شبابِ نوحہ خواں اپنا
مقدر کی لکیریں مٹ نہیں سکتیں اگر یارب	نکل جائے تو بہتر سینے ہی سے قلبِ طپاں اپنا
سنایا حال محرومی وہیں ہر لمحہ رنگین نے	جہاں الٹا نقابِ ماضیٔ دورِ خزاں اپنا

حکایاتِ جنوں پھر لب پہ آتی ہیں مگر عظمت
فسانہ ہے لبوں پر اور نہیں افسانہ خواں اپنا[2]

---

[1] مومن :- ؎ نہ میں اپنا نہ دل اپنا، نہ تم میرے، نہ جاں میری
اثر کس کس کو ہو، ہووے بھی گر فریاد یکس ہیں

فانی ؎ یہ کس قیامت کی بے کسی ہے نہ میں ہی اپنا نہ یار میرا
نہ خاطر بیقرار میری نہ دیدۂ اشکبار میرا

[2] اس زمین میں نواب معظم جاہ بہادر شجیع شاہزادہ دولت آصفیہ دکن نے بھی ایک نہایت پُرکیف اور مرصّع غزل لکھی ہے چونکہ عام نظروں سے یہ غزل نہیں گذری ہوگی اس لئے ذیل میں پیش کی جاتی ہے، ملاحظہ ہو:۔

اور ہے زمانہ میں کون رازداں اپنا	یا نگاہِ نازاں کی یا غمِ نہاں اپنا
جستجو محبت میں بے اثر نہیں ہوتی	ان کو ڈھونڈھنے نکلے مل گیا نشاں اپنا
میرا حال سن سن کر مسکرا رہے ہیں وہ	یوں بڑھا رہے ہیں وہ لطفِ داستاں اپنا
کچھ اثر نہیں کرتا جذبۂ نہاں ان پر	رہ نہ جائے غم بن کر جذبۂ نہاں اپنا

[بقیہ اگلے صفحہ پر]

عفت۔ مظفر نگری۔

محترمہ آمنہ خاتون عفت، رابعہ خاتون پنہاں، بلقیس جمال اور میمونہ خاتون غزالہ کی بڑی بہن اور موجودہ دور کی ایک ممتاز اور مشہور شاعرہ ہیں۔ حالات جو آپ نے اپنی زیر نگرانی لکھوا کر ارسال فرمائے ہیں درج ذیل ہیں:-

آمنہ خاتون عفت دختر اوّل شیخ مولانا مولوی عبدالاحد صاحب مرحوم سپرنٹنڈنٹ ڈی۔ پی۔ آئی۔ آفس الٰہ آباد ۲۲ر نومبر ۱۹۰۳ء کو بمقام سہارنپور تولد ہوئیں۔ ۶ سال کی عمر میں قرآن شریف ختم کرنے کے بعد اردو، فارسی اور انگریزی کی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل

[پچھلے صفحے سے]

آپ دل میں نہ آ کر بھی دل سے بےخبر کیوں ہیں
دل ہی راز ہے اپنا، دل ہی رازداں اپنا

پھر گئی ہے کچھ کہہ کر وہ نگاہِ جاں پرور
اب سکوں نہ بن جائے اضطرابِ جاں اپنا

یوں بھی جا نہیں سکتا دل سے رنجِ تنہائی
عالمِ تصوّر میں ان پہ ہے گماں اپنا

رائیگاں نہ ہو جائیں نقش میرے سجدوں کے
وہ بدل بھی سکتے ہیں سنگِ آستاں اپنا

ابتدائے خاموشی آپ کی کہانی تھی
انتہائے خاموشی بن گئی بیاں اپنا

ان کی مہربانی سے مٹ رہی ہیں امیدیں
لٹ رہا ہے منزل پر آج کارواں اپنا

بزمِ ناز میں ان کی ہے کچھ اور ہی عالم
اب کسے یقیں ہوگا دل بھی تھا یہاں اپنا

ضبطِ غم ضروری تھا غم شنیع کیوں ہوتا
لے لیا محبت نے خود ہی امتحاں اپنا

کی۔ (جوکہ بریلی کے ایک معزز خاندان کے رکن تھے) جنوری ۱۹۲۰ء
میں خاندانی عزیز مسٹر ناظر حسن صاحب وکیل و میونسپل کمشنر مظفر نگر
سے شادی ہوئی۔ یہ شادی والد صاحب نے اپنے حسب منشا کی
اوائل عمر سے مضمون نگاری کا شوق رہا۔ چند کتابیں تصنیف کیں اور
کچھ زیرِ تصنیف ہیں۔ آپ کے افسانوں کا ایک مجموعہ "گوہر عفت"
شایع ہو چکا ہے، دوسرا تیار ہو رہا ہے، شاعری کا بھی ذوق ہے۔ قومی
خدمات میں زندگی گزر رہی ہے، بارہ سال سے میونسپل بورڈ اور
ڈسٹرکٹ بورڈ میں بحیثیت سرکاری ممبر شامل ہیں اور دیگر اداروں
میں تقریباً ۱۵ سال سے حصہ لے رہی ہیں۔

ایک زنانہ اسلامی درسگاہ کی بنیاد ڈالی جو ترقی پذیر ہے۔ اور
اس وقت (بحیثیت انگلش مڈل اسکول) دخترانِ مظفر نگر کی تعلیمی خدمات
انجام دے رہی ہے۔ اس کے ساتھ ایک صنعتی و حرفتی زنانہ اسٹور
قائم کیا ہے جو انتہائی مقبول ہوا۔

کچھ عرصہ سے دنیائے فانی سے لگاؤ کم ہو گیا ہے اور طبیعت فقر
کی طرف راغب ہے۔ مشرقی تہذیب اور مذہب کی پابند ہیں۔ شرعی پردہ
کرتی ہیں، چنانچہ کمیٹیوں وغیرہ میں زیرِ نقاب کام کرتی ہیں۔ دستکاری اور امور
خانہ داری سے دلچسپی ہے طبیعت میں ہمدردی ہے زندہ دلی ہے اخلاق بہت وسیع ہے،
آپ کا رنگ پختہ اور کلام سنجیدہ و بلند پایہ ہے اسلوب
بیان پاکیزہ اور صاف ہے ذیل میں خود محترمہ کا وہ انتخاب

درج کیا جاتا ہے، جو آپ نے اس تذکرہ کے لئے راقم الحروف کو ارسال فرمایا ہے:-

جلوہ ترا جہاں ہے
ہر گل میں تو نہاں ہے
دریا صحیفہ خواں ہے
موجوں ہیں اک اذاں ہے

وقتِ نماز اینست
کیفِ نیاز اینست

ہر ذرہ جاگ اٹھا ہے
نغمہ زناں صبا ہے
ہر برگ اک ثنا ہے
سجدہ کناں فضا ہے

وقتِ نماز اینست
کیفِ نیاز اینست

نشاطِ حال بھی ہے کشتۂ اندیشۂ فردا
حصولِ مدعا میری نظر کا منتہا کیوں ہو
درخشاں صبح دم اشک تمنا ہو گئے عفت
تو پھر منت کشِ الفاظِ رنگاں التجا کیوں ہو

طرحی غزل کے چند اشعار۔ طرح: میرا ہونا برا کیا ہے نوا سنجانِ گلشن کو
میرے زخموں ہیں اب تک لذتِ نیشِ سلاسل ہے
کہاں تارِ رفو ہر دم میسر نوکِ سوزن کو

مظالم چھپ نہیں سکتے تمھاری پردہ پوشی سے
چھپاؤ گے کہاں تک رنگِ چشمِ شوخ و پرفن کو
کیا رنگین اک پرتو سے رنگِ گلشنِ ہستی
تبسم سے کیا پھر خاک کیوں گلزارِ ایمن کو
نہ اذنِ ہم نشینی ہے، نہ اذنِ دید ہے عفت
مرا ہونا بُرا کیا ہے نوا سنجانِ گلشن کو

اشعار ذیل محترمہ کے مرسلہ انتخاب کے علاوہ آپ کے کلام کا مزید انتخاب ہیں:-

[1] صلہ پائے گی آہِ نارسا کیا | ہلے گا پردۂ عرشِ عُلا کیا
میں ہر ذرہ میں تجھ کو پا رہا ہوں | مجھے دیر و حرم سے واسطہ کیا
جو غنچہ ہے جُدا جو گل الوکھا | یہ ہے نیرنگیوں کی انتہا کیا
جھلک ان کی کہیں دیکھی تھی ہم نے | اسی دن سے نہ جانے ہو گیا کیا
جبل اور دشت اک جلوہ نے پھونکے | کرے چشمِ طلب پھر حوصلہ کیا
مرے اعمال نے کشتی ڈبو دی | شکایت ہائے دستِ ناخدا کیا
ہر اک آنسو ہے روحِ عشق عفت
دُرو گوہر سے اس کو واسطہ کیا

---

[1] یہ ایک طرحی غزل ہے جو محترمہ نے لکھنؤ کے ایک مشاعرہ میں ۱۹۴۰ء میں پڑھی تھی۔

ہیں ان جلووں کے قرباں کیا یہ لطفِ بیکراں ہوگا
کہ اک پرتو سے سینہ مثلِ ایمن ضو فشاں ہوگا

اگر یہ پائے ہمت جانبِ منزل رواں ہوگا
تو ہر خارِ بیاباں رشکِ گلہائے جناں ہوگا

شبِ تاریک اور بحرِ الم کی غم فزا موجیں
ٹٹولوں کس طرح یارب مرا ساحل کہاں ہوگا[۱]

قدم پہلا سنبھل کے تم نے گر عفت بڑھایا ہے
تو پھر نزدیک منزل جلد تر یہ کارواں ہوگا

مری آنکھ میں مسکرا دو محمدؐ | خرابِ آئینہ کو جلا دو محمدؐ
جہاں طائرِ عقل بھی نارسا ہے | رسائی وہاں تک کرا دو محمدؐ
مری روح و جاں نذرِ چشمِ کرم ہیں | خدارا نظر اک اٹھا دو محمدؐ

گناہوں سے مردہ ہوئی روحِ عفت
شفاعت سے اپنی جلا دو محمدؐ

عفت۔ بنارسی

عفت تخلص ہے۔ رضا کاظمی صاحب ساکن بنارس کی شریکِ حیات

[۱] خواجہ حافظ
شبِ تاریک و بیمِ موج و گردابے چنیں حائل ؛ کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحل ہا

ہیں، اور اس نسبت سے اکثر رضا دولہن کے نام سے معروف ہیں۔ غزل گو شاعرہ ہیں اور اکثر خوب لکھتی ہیں۔ روایتی شاعری کے علاوہ جس کا مستقبل امید افزا نہیں، آپ کے یہاں جذبات و وارداتِ قلب کی ترجمانی بھی موجود ہے۔ طرزِ ادا پختہ اور کامیاب بنے ہے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے:۔

بہار آتے ہی بن آئی جنونِ فتنہ ساماں کی
وہ دیکھو پتلیاں پھرنے لگیں بیمارِ ہجراں کی

الٰہی خیر ہو گلزارِ وحشت کی مرے پیچھے
وہی رنگینیاں پھرتی ہیں نظروں میں بیاباں کی

نگاہِ شوق بزمِ ناز و جلوہ ہائے رنگیں ہیں
معاذ اللہ کتنی سرخیاں ہیں بزمِ امکاں کی

تغافل لاکھ برتو تم مگر یاد آ ہی جاتی ہے
نوازش ہائے پیہم کی عنایت چشمِ گریاں کی

قتیلِ حُسن کو حاجت نہیں دفن و کفن کی کچھ
لحد بن جائے گی خود خاک اُڑ اُڑ کر بیاباں کی

خدا رکھے سلامت جوشِ مستی کو مری عفت!
اسی سے زندگی کا کچھ پتہ ملتا ہے انساں کی

غ

غزالہ۔ بریلوی

حسن آرا بیگم نام، میمونہ خطاب اور غزالہ تخلّص ہے۔ محترمہ میمونہ غزالہ آمنہ خاتونِ عفت، رابعہ خاتون پنہاں اور بلقیس جمال کی چھوٹی بہن ہیں۔ یہ چاروں بہنیں اردو کی گرامی قدر شاعرات ہیں۔ اور بہت خوب کہتی ہیں؛

آپ کے حالات جو آپ کی بڑی بہن محترمہ آمنہ خاتون عفت نے اپنی زیرِ نگرانی لکھوا کر ارسال فرمائے ہیں درج ذیل ہیں:۔

"میمونہ غزالہ بریلوی دختر چہارم شیخ مولٰنا مولوی عبدالاحد صاحب مرحوم سپرنٹنڈنٹ ڈی۔پی۔آئی۔ آفس الہ آباد۔ بمقام سہارنپور نومبر ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئیں۔ اور اوائل عمر میں الہ آباد اپنے والد کی جائے ملازمت پر مقیم رہیں۔ قرآن شریف ختم کرنے کے بعد اردو۔ فارسی اور انگریزی کی تعلیم اپنی ہمشیرہ محترمہ رابعہ پنہاں سے حاصل کی۔ ۱۹۲۵ء میں شاعری اور مضمون نگاری کی ابتدا ہوئی۔ ان کے دلکش افسانے غزلیات اور نظمیں مختلف رسائل میں شایع ہوتے رہے۔ اصلاحِ سخن محترمہ رابعہ پنہاں بریلوی۔ اور محترمہ بلقیس جمال بریلوی سے حاصل کی۔ جولائی ۱۹۲۷ء میں آپ کی شادی آپ کے والد کے قریبی عزیز جناب مولوی احسان الحق صاحب آڈیٹر (Auditor) دہلی سے ہوئی۔ آپ کی شادی آپ کی والدہ نے اپنی حسبِ منشا کی۔ اب

کچھ عرصہ سے آپ کی صحت کمزور ہو گئی ہے۔ اس لئے علمی۔ ادبی مشاغل کم ہو گئے ہیں۔ آج کل آپ کا قیام دہلی میں ہے۔ آپ کی غزلوں کا ایک مجموعہ بہ عنوان "غزال" شایع ہو کر بہت مقبول ہوا ہے۔ ماشاء اللہ آپ کے ۵ بچے ہیں جن میں دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔

آپ بچپن سے مشرقی تہذیب کی پرستار ہیں۔ اور صوم و صلوٰۃ کی پابند۔ شرعی پردے کو پسند فرماتی ہیں۔ آپ رقیق القلب اور خوش مزاج ہیں۔"

محترمہ میمونہ غزالہ موجودہ دور کی ایک نہایت خوش گو اور ممتاز شاعرہ ہیں۔ آپ نظمیں اور غزلیں دونوں خوب لکھتی ہیں۔ جذباتی اور وجدانی اعتبار سے آپ کا کلام بہت بلند ہے۔ آپ نے محاکات کی بھی بہت عمدہ مثالیں پیش کی ہیں۔ آپ کا کلام بہت پرکیف اور پرتاثیر ہے۔ طرزِ ادا بہت دلکش اور صاف ہے۔ خود محترمہ کے منتخبہ اشعار جو آپ نے ارسال فرمائے ہیں درج ذیل ہیں:۔

اے ظلمتِ شامِ جنوں وجہ پریشانی نہ پوچھ

اے پرتو سوزِ دروں تمہیدِ حیرانی نہ پوچھ

ہنا اک حجابِ رز ہوں کیا پوچھنا مژگانِ کم

ماہوں خو گر مشقِ الم اشکوں کی ارزانی نہ پوچھ

عارض ہیں برقِ خندہ زن ۔اک اِس طرف اک اُس طرف
آنکھیں ہیں دو رنگیں چمن اک اِس طرف اک اُس طرف
پلکوں کی جنبش اک طرف ۔ آنکھوں کی لغزش اک طرف
دو سامری ہیں خندہ زن اک اِس طرف اک اُس طرف
آنکھوں کے ڈورے اک طرف بسمل غزالہ اک طرف
دو تیر ترکش کا مراں اک اس طرف اک اس طرف

اک اشارہ سے جہانِ عشق روشن ہو گیا
ذرّہ ذرّہ غیرتِ صحرائے ایمن ہو گیا
کس کی پرتو کی جھلک سے بجلیاں لٹنے لگیں
آئینہ خانہ نویدِ برق ایمن ہو گیا

اضطرابِ مے خدایا کیا کروں ہاتھ میں پھولوں کے رنگیں جام ہے
جستجوئے ذوقِ منزل مرحبا اب میری پرواز نزدِ بام ہے
لوٹ لے میرا متاعِ زندگی اے نگاہِ ناز یہ انعام ہے
ذیل کا کلام آپ کے کلام کا مزید انتخاب ہے جو آپ کے مختصر مجموعہ
"غزال" تم سے پیش کیا جا رہا ہے :۔

بانسری بجائے جا
او حسین کافرہ مست و نازہ مطربہ

شوخ لب مغنیہ　　اونشیلی ساحرہ

راز غم سنائے جا
بانسری بجائے جا
خاکِ دشت اڑائے جا
بانسری بجائے جا

میرے دل کی ابتری　　اور تیری بے خودی
میرا حالِ زندگی　　تیری زلف عنبری

راز غم سنائے جا
بانسری بجائے جا
خاکِ دشت اڑائے جا
بانسری بجائے جا

تابشِ جمال تو　　نازشِ خیال تو
رخصتِ کمال تو　　ہے دلِ غزال تو

راز غم سنائے جا
بانسری بجائے جا
خاکِ دشت اڑائے جا
بانسری بجائے جا

غزال صد ۶ تا ۹

بار بار نہ پوچھ

شوقِ دیدار ایک الجھن ہے — الجھنیں دل کی بار بار نہ پوچھ
کس لئے چشمِ نم ٹپکتی ہے — بے قراریٔ انتظار نہ پوچھ
ایک آنسو ہے ترجماں دل کا — حالتِ چشمِ اشکبار نہ پوچھ

دھڑکنیں بڑھ گئیں غزالؔ اب تو
دل کی حالت کا اضطرار نہ پوچھ

(غزال ص۱۷)

وہ نگاہیں شرمگیں آکر مجھے سمجھا گئیں

خواب میں آکر امیدیں صورتیں دکھلا گئیں
اُف ہلا پتہ ہوا سے اور دل دھڑکا غزالؔ
چونکتے ہی چونکتے لب پر دعائیں آگئیں

[غزال ص۱۹]

غمناک سا افسانہ

لیلیٰ کی کہانی تو برسوں کی پرانی ہے — اب اور سنا مجنوں تازہ کوئی افسانہ
کوثر بھری آنکھوں سے مت دیکھ ادھر ساقی — اٹھتے ہی نظر تیری بیہوش ہے دیوانہ

یہ تو ہے غزالہ ہی مجنوں کہو یا وحشی
ہاں دل ہے مگر اس کا غمناک سا افسانہ

[غزال ص۲۶]

محترمہ کی ذیل کی نظم آپ کے مجموعہ "غزال" میں شامل نہیں ہے:۔

"ندی کنارے"

دہقاں کی پیاری لڑکی ندی پہ جلوہ زا ہے
ساری کا سبز آنچل سر سے ڈھلک رہا ہے
چتون کی سادگی میں اک برق شعلہ زا ہے
جس پر نظر پڑی وہ شعلہ بنا ہوا ہے
ہونٹوں پہ ہے تبسّم نظریں جھکی ہوئی ہیں
معصوم حسن بے خود انگڑائی لے رہا ہے
ہاتھوں میں چوڑیوں کی رنگیں لہریاں ہیں
اک نیم بازہ غنچہ کانوں میں ہنس رہا ہے
معصوم سادگی میں لاکھوں تجلیاں ہیں
ماتھے کا سرخ ٹیکا شعلہ بنا ہوا ہے
مژگاں میں مست پتلی رقصاں ہے ستم گر
کالی گھٹا میں کوئی انگڑائی لے رہا ہے
تیزی سے نرم جھونکے کچھ چھیڑ کر رہے ہیں
ان پیاری انکھڑیوں میں ساغر چھلک رہا ہے
بجلی تڑپ رہی ہے ہر ہر نظر میں قاتل
ہر اک ادا میں ظالم شعلہ بھڑک رہا ہے
معصومیت کی پتلی دیوی نزاکتوں کی
تیری ادا ہے سادہ جنت نہیں تو کیا ہے

غمخوار

آپ دہلی کی ایک ہندو خاتون ہیں۔ منور ما کنشول نام اور غمخوار تخلص ہے۔ اُردو سے بہت ذوق ہے۔ نظم اور نثر دونوں کے ذریعے اس کی خدمت کرتی رہتی ہیں۔ کلام کا رنگ نہایت پاکیزہ ہے زبان بہت شائستہ اور مہذب استعمال کرتی ہیں۔ منظر نگاری بھی خوب کرتی ہیں۔ کلام کا نمونہ یہ ہے :۔

"خزاں" (کشمیر میں)

ہر طرف پیلے پڑے ہیں لالہ زار شعلۂ جوالہ ہے ہر اک چنار
یہ خزاں ہے یا کہ تکفینِ بہار؟

پتّوں کے آنچل پھنسے کانٹوں میں ہیں اور چمن کا پیرہن ہے تار تار
کس قدر ظالم ہیں یہ لیل و نہار؟

بوڑھے بوڑھے پیڑ دولہا کی طرح پہنے بیٹھے ہیں قبائے زرنگار
ہائے پیری میں جوانی کی بہار؟

سرفروشی کا یہ عالم باغ میں ایک جھونکا لاکھ پتّے گل ہزار
کر رہے ہیں اپنا اپنا سر نثار

برگ لرزاں ہیں درختوں پر کہ گل موت کی آغوش میں ہیں بے قرار
اوڑھ کر پیلا کفن ہے سبزہ زار

مزرعہ پھولوں سے چمن دامن بھرے جیسے ماں کی گود میں بیٹا مرے
کیوں نہ بجلی ہو فلک پر بے قرار

آسماں پر ہیں صدائیں بے قرار اور زمیں پر خامشی ہے اشکبار

مر رہا ہے ایک اک زیرِ مزار

میٹھے میٹھے گیت گائے آبشار یا سنائے قصہ ہائے دلِ فگار

ہم بھی روئیں وہ بھی روئے زار زار

ایسے روئیں رونے میں کھو جائیں ہم رواں رواں ہو ہمارا اشکبار

ہائے دل کو کس طرح آئے قرار

ایک جھولا آنسوؤں کا ڈال کر سسکیاں لے لے کے جھولیں بار بار

نالہ آئے کیف میں بھی لب پہ یوں

برقرار اے بیقراری برقرار

ق

قمر

آپ سید حسین صاحب ساکن دیوبی شریف کی صاحبزادی ہیں اور قمر تخلص کرتی ہیں۔ طرزِ ادا صاف اور زبان شستہ ہے۔ کلام میں روایتی و تخیئلی پہلو غالب ہے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے:-

ساون

اٹھی انگڑائیاں لیتی جو گھٹا ساون کی چلی بل کھاتی ہوئی بادِ صبا ساون کی

تیرے بیمارِ محبت کو سلانے کے لئے رات بھر لوریاں دیتی ہے ہوا ساون کی

جھولا پھولوں کو جھلاتی ہے گلستاں میں بہار جوشِ مستی سے مگر تن کے ہوا ساون کی

ہو گئے زخم مرے دل کے ہرے آپ سے آپ ٹھنڈی ٹھنڈی چلی کچھ ایسی ہوا ساون کی

ذہنِ دل میں لئے تازہ گلِ جذبۂ عشق ناز کرتی ہوئی آتی ہے گھٹا ساون کی

میں تھا وہ نغمۂ جگر قبر پہ میری آ کر چادرِ برق چڑھاتی ہے گھٹا ساون کی

مانگ لو بھائی سے انعام سنا کر یہ غزل!
مسجد سے کھنچی ہے قمر اٹھ کے گھٹا ساون کی

قمر

جمیلہ خاتون نام اور قمر تخلص ہے۔ موجودہ دور کی ایک خوش گو شاعرہ ہیں۔ کلام بلند اور پُرکیف ہے طرزِ ادا سنجیدہ اور صاف ہے آپ کے یہاں بھی تخیلی رنگ غالب ہے نمونہ کلام یہ ہے:-

خدا رکھے وہ جذبہ ہے جنونِ عشق ساماں میں
جو ہم چاہیں گلستاں کھنچ کے آ جائے بیاباں میں

یہ سایہ بھی اٹھا یا رب مری امید کے سر سے
اثر دیکھا نہیں برسوں سے اپنی آہِ سوزاں میں

شہیدانِ وفا ایسا نہ ہو بیدار ہو جائیں
ذرا اے بادِ صرصر بچ کے چل گورِ غریباں میں

کمالِ شوق میں پوشیدہ رازِ کامیابی ہے
جو میں چاہوں بہارِ بے خزاں کر دوں بیاباں میں

مری وحشت کی تفسیر یا کوئی سمجھے تو کیا سمجھے

ہزاروں باندھ رکھے ہیں گریباں میں نے داماں میں

بلا سے جان جائے یا رہے اب اے قمر اپنی
کمی باقی نہ رہ جائے کوئی غافل کے ارماں میں

قمر

صفیہ بیگم نام اور قمر تخلص ہے۔ حیدر آبادی خاتون ہیں۔ آپ زیادہ تر نظمیں لکھتی ہیں اور خوب لکھتی ہیں۔ رسالہ عصمت میں آپ کا کلام شایع ہوتا رہتا ہے۔ نمونہ حسب ذیل ہے:-

عورت

تکمیل ہوں انساں کی تصور بڑا ہوں | طاعت کے طریقوں میں ملک سے بھی سوا ہوں
آلام و مصائب کی ہیں سچ عقدہ کشا ہوں | اور منزلِ الفت کی میں ہی راہ نما ہوں

انسان کی صورت میں آوازِ خدا ہوں

تہذیب تمدن میں سدا ہاتھ بٹایا | انسان کو احساس فرائض کا سکھایا
خود صبر و قناعت پہ عمل کر کے دکھایا | اور خوگرِ ہمدردی و ایثار بنایا

واقف ہے ہر اک اہلِ بصیرت کہ میں کیا ہوں

قمر

قمر سلطان بیگم نام اور قمر تخلص ہے۔ دہلوی خاتون ہیں علم و ادب کی بڑی دلدادہ اور قدر شناس ہیں۔ اُردو سے شغف ہے اور

کسی نہ کسی طرح اس کی خدمت کرتی رہتی ہیں۔ شعر گوئی کا شوق ہے
نظمیں اور غزلیں دونوں لکھتی ہیں۔ کلام پُر کیف اور طرزِ ادا دلکش ہے
ذیل میں محترمہ کی ایک نظم پیش کی جاتی ہے جو آپ نے اُردو زبان پر لکھی
ہے۔ یہ امر خصوصاً قابلِ لحاظ ہے کہ اس خشک اور بے رنگ موضوع
کو بھی محترمہ نے اپنے خاص انداز کی بنا پر کس قدر دلکش بنا دیا ہے۔

اُردو مری زباں ہے

ہاں باغ پُر خزاں ہے ہاں دل میں غم نہاں ہے
ہاں ہر طرف زیاں ہے اُمّید ابھی جواں ہے

اُردو مری زباں ہے

بدلے گا پھر زمانہ کہہ دیں گے پھر فسانہ
گونجے گا پھر ترانہ اُردو ابھی جواں ہے

اُردو مری زباں ہے

آئے گی پھر مسرّت جائے گی پھر مصیبت
چھائے گی پھر محبّت ہر ذرّہ شادماں ہے

اُردو مری زباں ہے

اب ہے ہراس تو کیا ہے دل کو یاس تو کیا
میں ہوں اُداس تو کیا موسم تو کامراں ہے

اُردو مری زباں ہے

ہمّت سے کام لوں گی اُردو کا نام لوں گی

گردنوں کو تھام لوں گی جرأت ابھی جواں ہے
اُردو مری زباں ہے
بدلیں گی پھر ہوائیں پلٹیں گی پھر فضائیں
برسیں گی پھر گھٹائیں اللہ مہرباں ہے
اُردو مری زباں ہے
دل شاد ہے اثر کا روشن ہے منہ سحر کا
جائے گا غم قمر کا میرا بیاں بیاں ہے
اُردو مری زباں ہے

قمر

نواب قمر جہاں بیگم نام اور قمر تخلص ہے۔ اودھ کے تعلقدار اور ایک بڑے خاندان کی چشم و چراغ ہیں۔ تعلیم یافتہ اور بالغ نظر خاتون ہیں۔ آپ مشرقی تہذیب کی دلدادہ اور مذہب پرست خاتون ہیں۔ آپ مغربیت اور مغربیت سکھانے والی موجودہ تعلیم نسواں کے خلاف ہیں اور اس کے معائب کے خلاف آپ نے نظم و نثر دونوں میں آواز بلند کی ہے۔ آپ خواتینِ مشرق اور خصوصاً دخترانِ اسلام کو مغربی معاشرت کی تباہ کاریوں سے بچانا چاہتی ہیں۔ آپ نے سماج کے غلط رسم و رواج پر بھی تنقید کی ہے۔ آپ مسلمان مرد و عورتوں کو اسلام کا بھولا ہوا سبق پھر یاد دلانے کی خواہش مند ہیں۔ اور یہ

نیک اصلاحی اور تبلیغی مقصد آپ کے کلام میں نمایاں ہے،

تہذیبِ جدید کا نوحہ

نئے فیشن کے دلدادہ غضب کیسا یہ ڈھاتے ہیں
سرِ بازار وہ ناموس کو اپنے پھرلاتے ہیں
وہ نسوانی شرافت اور عزت کو مٹاتے ہیں
کہ اپنے دوستوں کے ساتھ میں اُن کو نچاتے ہیں
جو عورت مومنہ دیندار اُن کے پالے پڑتی ہے
تو کرتوتوں سے اپنے خون کے آنسو رلاتے ہیں
نہ پرواہ خانہ داری کی نہ ہے کچھ فکر بچوں کی
یہ جوڑے پارٹی میں اور کلب میں روز جاتے ہیں
کہاں کی ہے یہ آزادی اسے کہتے ہیں بربادی
زنِ دشمن ہیں ہمارے یہ طریقے جو سکھاتے ہیں
جہالت میں کبھی دختر کو زندہ دفن کرتے تھے
مگر اب روشنی میں علم کی اس کو جلاتے ہیں
نہیں ہے اب بھی وقعت کوئی عورت کی زمانے میں
بہائم کی طرح اس کو اشاروں پر نچاتے ہیں
پسند آتی ہے یہ تقلید ان کو غیر قوموں کی
سب احکامِ الٰہی اپنے دل سے یہ بھلاتے ہیں
وہ عاشق ہو گئے اس درجہ دیوی پرستانہ کی

کہ عورت اور غیرت بھینٹ دیوی پر چڑھاتے ہیں

یہی تعلیم نسواں فرض کی ہے کیا پیمبر نے

کہ اسکولوں میں اس کو علم موسیقی سکھاتے ہیں

سمجھتے ہیں یہ جاہل اپنے ماں باپ اور دادا کو

خدا کی شان ہے غنچے گلوں پر مسکراتے ہیں

یہ اپنی بیوں کو دیتے ہیں دھمکی طلاقوں کی

خلع کا دھیان بھولے سے نہیں پر دل میں لاتے ہیں

اطاعت فرض ہے شوہر کی جب وہ ہو مطیع حق

خدا سے منحرف ہو کر خدائی کیوں جتاتے ہیں

ستیا پر نچھاور کر دیا کیوں اپنے مذہب کو

کھڑے ہوں اپنے بل بوتے پہ کیوں ایماں گنواتے ہیں

پڑھو آیات قرآنی سنو تعلیم اسلامی

خدا کی اور پیمبر صلعم کی یہ خوشنودی سکھاتے ہیں

سنو اسلام بھی آیا ہے عورت کی حمایت میں

مقولہ بانی اسلام کا تم کو سناتے ہیں

تمھاری ماؤں کے قدموں کے نیچے باغ جنت ہے

سلوک اچھا کرو تم اپنی زوجہ سے بتاتے ہیں

بہت تاکید زوجہ کے لئے عدل و کرم کی ہے

جو حق اُن پر تمھارا ہے وہی ان کا بتاتے ہیں

اور ان کا نان و نفقہ مہر دینا تم پہ واجب ہے
کمائی میں تمھاری ہیں شریک اس کو بتاتے ہیں

مگر انصاف کے بدلے یہ بے انصافیاں کیسی
انھیں کا مال کھاتے ہیں انھیں پر ظلم ڈھاتے ہیں

لغت میں لفظ عورت ہی کے معنے ہیں چھپانے کے
حفاظت کے لیئے سب قیمتی موتی چھپاتے ہیں

ذرا سوچو اگر اسلام میں پردہ نہیں جائز
تو محرم اور نامحرم کی شرطیں کیوں لگاتے ہیں

نہیں حارج ہوا پردہ کبھی دنیا کے کاموں میں
خواتینِ سلف کے کارنامے یاد آتے ہیں

حیا ایمان کا جز ہے یہی زیور ہے عورت کا
جو عاقل ہیں کہیں وہ اپنی دولت کو گنواتے ہیں

قمرؔ ہم نے ادا اپنا کیا اک فرض تبلیغی
خدا رکھے انھیں جو ہم کو دیوانہ بناتے ہیں

قیصر

محترمہ قیصر جہاں مسولی عصمت کی مشہور شاعرہ ہیں نظمیں بہت عمدہ لکھتی ہیں آپ کا کلام پختہ اور بلند ہے۔ طرزِ ادا صاف پاکیزہ و دلکش ہے زبان بہت مہذب اور شائستہ لکھتی ہیں۔

مسرّت

نغمہ یہ وہ ہے جو تاروں سے کبھی نکلا نہیں پردۂ سازِ جہاں میں جو کبھی مچلا نہیں
نور اس کا چاند اور تاروں میں بھی ملتا نہیں پرتو اس کا قلبِ انساں پر کبھی پڑتا نہیں
جامِ دل لبریز ہو جس سے یہ وہ صہبا نہیں چھو سکیں جس کو حسینوں کے لب یہ وہ مینا نہیں

آسماں کی وسعتوں میں بھی خوشی ملتی نہیں
یہ کلی وہ ہے کہ گلزاروں میں بھی کھلتی نہیں

اس کی نکہت باغِ عالم کی بہاروں میں نہیں جلوہ اس کا بزمِ ہستی کے نظاروں میں نہیں
یہ جہاں کے پُر فضا دلکش کہساروں میں نہیں دشت میں صحنِ چمن میں کوہساروں میں نہیں
یہ شمیمِ روح پرور خلد زاروں میں نہیں کیف اس کا گل بداماں سبزہ زاروں میں نہیں

صدفِ دل محرم ہے جس سے وہی گوہر ہے یہ
چوٹ سے تاروں کی جو ٹوٹے وہی ساغر ہے یہ

میں نے اس گوہر کو ڈھونڈا زندگی کے بحر میں تھا یہ ذوقِ جستجو جذبات کی ہر لہر میں
روشنی دیدہ پرور اس کی بزمِ دہر میں میں نے ڈھونڈی شمع میں نظروں میں شعاعِ مہر میں
لینے نکلی میں اسے ویرانوں میں سونے شہر میں جا بجا عالم میں کھوجا گوشہ ہائے دہر میں

میں نے ڈھونڈا سازِ فطرت کے ترنم میں اسے
صبحِ رنگیں میں غنچوں کے تبسم میں اسے

خارزارِ غم کو طے کر لیں تو یہ جنت ملے بے نیازِ عیش ہو جائیں تو یہ عشرت ملے
ترک کر دیں لذتیں ساری تو یہ لذت ملے نظرِ استغنا جو حاصل ہو تو یہ نعمت ملے
فکرِ دنیا سے دلِ انساں کو گر فرصت ملے اس تہی دستی سے پایہ کہ یہ دولت ملے

نُور اس کا خانۂ تاریکِ غم سے دُور ہو
قلبِ مستغنی ہیں یہ بن کر سکوں مستور ہو

ک

کافر

فرخ جمال نام اور کافر تخلص ہے، جہان آباد دہلی بحیثیت مسکن ہے
آپ نے مسلم گرلس اسکول علیگڑھ میں تعلیم پائی ہے۔
آپ موجودہ دور کی ایک خوش گو اور قابل قدر شاعرہ ہیں۔ آپ کی شاعری میں صرف خیال آفرینی اور لفظی صناعی ہی نہیں، جذبات کی ترجمانی بھی موجود ہے آپ کے اشعار بہت پُر کیف اور بلند پایہ ہوتے ہیں، زبان پر بھی آپ کو بڑی قدرت حاصل ہے آپ اساتذہ کے رنگ سے متاثر معلوم ہوتی ہیں "نقاب اُلٹا" اور "آفتاب اُلٹا" بہت پامال طرح ہے جس میں خصوصاً مصحفی اور سید انشا کی یہ غزلیں آج تک مشہور ہیں:۔

مصحفی ؎ جو پھر اسے اس نے رخ کو بقضا نقاب اُلٹا
ادھر آسمان اُلٹا، ادھر آفتاب اُلٹا

سید انشاء ؎ مجھے کیوں نہ آئے ساقی نظر آفتاب اُلٹا
کہ پڑا ہے آج خُم میں قدح شراب اُلٹا

اسی زمین میں مخدومہ نے بھی ایک غزل لکھی ہے اس کے اشعار ملاحظہ ہوں

بدمستی شبینہ کا رہ شباب اُلٹا		جس میکدہ میں پہنچے جامِ شراب اُلٹا
ساقی سے کر رہا ہے شکوے شتاب اُلٹا		گستی رمے میں کب تک جامِ شراب اُلٹا
شرم و حیا نے بڑھکر خود آئینہ دکھایا		بیٹھا ہوں سنے بڑھکر طرف نقاب اُلٹا
اُٹھتی نہیں نگاہیں شرم اے گناہ الفت
ہم ان سے کر رہے ہیں کافر حجاب اُلٹا

کامل

زمانہ حال کی ایک پردہ نشین عفت مآب تعلیم یافتہ سنی المذہب خاتون ہیں۔ کلام صاف اور ستھرا ہے نمونہ یہ ہے:-

پی چکے جام ترے ہاتھ سے جو اے ساقی
حشر تک اب وہ نہیں ہوش میں آنے والے
چاہئے تجھ کو بھی ہو لاش اُٹھانے میں شریک
دفن ہوتے ہیں ترے ناز اُٹھانے والے
دوست کا نام لیں آکر سرِ بالیں دم بھر
وقتِ آخر مجھے لیسین سنانے والے
ناز سے ہم تو بتوں کے ہوئے تنگ اے کامل
کعبہ کی سمت ہیں اب ہند کے جانے والے

جو کچھ کہ عہد ہے ترا پورا ابھی کر اسے		اے بے وفا تجھے ترے ایمان کی قسم

جب تک کہ دم میں دم ہے کہونگا میں بس یہی | دیتا ہوں تجھ پہ جان تری جان کی قسم

کلثوم

غالباً یہی نام اور یہی تخلص ہے۔ آپ کا کلام عصمت میں اکثر شائع ہوتا رہتا ہے۔ ذیل کا مرثیہ جو آپ نے اپنے بیٹے بشیر کی وفات پر لکھا تھا یاس و حسرت کے جذبات کا مرقع ہے۔ اس نظم میں ایک ظاہر بیں نقاد کو، جو شاعری کو صرف الفاظ و تراکیب اور زبان کے معیار پر جانچنے کا عادی ہے" بہت سے عیب نظر آئیں گے۔ مثلاً دوسرے بند میں "میں نے" کے بجائے "میں" ولی و سودا کے زمانے میں جائز ہو تو ہو اب جائز نہیں ساتویں بند میں "دھیان" (بہ اعلان نون) کی بجائے "دھیاں" (بغیر اعلان نون) نہایت غیر فصیح ہے اس بند کے آخر میں "جگر پر سانپ لوٹنا" محاورہ غلط ہے چونکہ محاورہ دل پر سانپ لوٹنا ہے۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے سب اعتراضات تسلیم۔ لیکن دراصل شاعری صرف الفاظ و زبان کا نام نہیں، شاعری نام ہے ترجمانی جذبات کا اور اس حیثیت سے یہ نظم بہت بلند ہے:

ایک اُجڑے دل کی فریاد

کثرت سے غم کی سینہ و دل داغ داغ ہے | یادِ پسر سے اپنا پریشاں دماغ ہے
ناکامیوں سے خانۂ دل بے چراغ ہے | ایسے بھی ہوں گے جن کو کہ غم سے فراغ ہے

اپنی تو ہائے زیست مصیبت میں کٹتی ہے

رنج و غم و الم میں اذیت میں کٹتی ہے

سو سو مصیبتوں سے میں پالا بشیر تھا | اس بدنصیب گھر کا اُجالا بشیر تھا
صورت میں خو میں سب سے نرالا بشیر تھا | میرے چمن کا سروِ دو بالا بشیر تھا

چڑھتی جوانی ہی میں قضا اس کو کھا گئی
برچھی لگا گئی مجھے زخمی بنا گئی

بیٹھے بٹھائے مجھ پہ تو بپتا سی پڑ گئی | برچھی غموں کی ہائے کلیجہ میں گڑ گئی
افسوس ایک بیک مری قسمت بگڑ گئی | کیسی ہری بھری مری کھیتی اُجڑ گئی

دکھیاری غم کی ماری نہ روئے تو کیا کرے
کثرت سے غم کی جان نہ کھوئے تو کیا کرے

چین آئے کیونکہ سینہ سے قلب و جگر گیا | دیکھوں جہاں میں کیا مرا نورِ نظر گیا
افسوس میرا لاڈلا اک دم میں مرگیا | ہا ہے مٹا گیا مجھے برباد کر گیا

ہا ہے بیقرار دل مرا سیماب کی طرح
تڑپ رہی ہوں غم سے ماہیِ بے آب کی طرح

وہ دن کہاں گئے کہ وہ تھا شمع آرزو | گھر میں اجالا ہو رہا تھا جس سے چار سو
ہا ہے یہ کیسی چل گئی بے وقت گرم لُو | نغمے کے بدلے باغ میں شور ہائے و ہو

افسوس جڑ سے نخلِ تمنا اُجڑ گیا
دم میں ہرا بھرا مرا گلشن اُجڑ گیا[1]

---

[1] چکبست کی مشہور نظم "رامائن کا ایک سین" کا آخر شعر یہ ہے ؎
لیکن یہاں تو بن کے مقدر بگڑ گیا ؛ پھل پھول لا کے باغِ تمنا اُجڑ گیا

آنکھوں میں آج میری سیہ ہو گیا جہاں | اُٹھتا ہے دل سے حسرت و ارمان کا دھواں
نکلے نہ دل سے کیونکہ مرے نالہ و فغاں | افسوس لٹ گیا مری بستی میں کارواں

کچھ رحم آیا مجھ پہ نہ اے آسماں تجھے
جل جل کے کیوں نہ بھولا میں دوں گالیاں تجھے

جب بھولی بھولی شکل نکل آتا ہے مجھے دھیان | گودی میں لیٹ کر وہ سنانا کہانیاں
وہ دھیمی دھیمی گفتگو اور توتلی زباں | دن رات میرے دل میں چبھوتی ہیں برچھیاں

وہ لڑکھڑا کے بھاگنا جب یاد آتا ہے
میرے جگر پہ سانپ سا اک لوٹ جاتا ہے

میری کمائی لوٹ لی تو نے جو اک تھا | برباد میں ہوئی ترے کیا ہاتھ آگیا
مجھ دل جلی کے گھر میں فقط اک چراغ تھا | بیدرد تو نے ہائے اسے بھی بجھا دیا

اے موت لے گئی تو کلیجہ نکال کر
اس غم سے کیوں کہ ہو وے نہ ٹکڑے مرا جگر

یہ مانا حکم حق سے تو بے اختیار ہے | بندوں کی جان لینے میں مصروف کار ہے
موت و حیات مرضیٔ پروردگار ہے | راہِ گریز اور نہ جائے فرار ہے

پر دل کے ہاتھوں تنگ ہوں صدمہ کا جوش ہے
بے بس ہوں فرطِ رنج سے بیجا خروش ہے

۵؎ "دھیان" میں "ن" کا اعلان ضروری ہے پھر بھی یہ بند جہاں تک واقعات نگاری کا تعلق ہے قابلِ فخر ہے "ج"

کنیز

محترمہ کنیز میمونہ مانڈہ کی رہنے والی ہیں۔ آپ کا کلام زنانہ رسالوں خصوصًا خاتونِ مشرق میں شایع ہوتا رہتا ہے۔ محاکات اور واقعہ نگاری سے آپ کو خاص دلچسپی ہے اور اس رنگ میں اچھا لکھتی ہیں۔ احسان اور جوش کے رنگ سے متاثر ہیں۔ اشعار پُر کیف و پُر اثر ہیں، نمونہ یہ ہے:-

جا رہی ہے اک حسینہ مینڈھ پر
بھوک کی شدّت سے ہے چہرہ نڈھال
چشم سے لبریز پیمانے عیاں
ہائے یہ اُٹھتی جوانی کا جمال
اس کو کھانا پیٹ بھر ملتا نہیں
گردِ رہ سے ہیں اٹے معصوم بال
زردئی کہہ ہے عارض پر نقاب
حسرت و ارمان منہ پھیرے ہوئے
اوڑھنے کو اک دوپٹہ بھی نہیں
زندگی گرداب میں آئی ہوئی
آسماں کی کج روی افسوس ہے
آہ ہندوستان! تیری لڑکیاں

گاؤں سے کچھ فاصلے پر ننگے سر
فرطِ غم سے آرزوئیں پائمال
آنسوؤں سے غم کے افسانے عیاں
یہ حسینہ اور روٹی کا سوال
کوئی غم کی داستاں سنتا نہیں
خشک ہوکر رہ گئے رنگیں بال
جس طرح بادل کی تہہ میں ماہتاب
حادثاتِ زندگی گھیرے ہوئے
آہ گردوں تو کسی کا بھی نہیں
آبرو کی ناؤ چکرائی ہوئی
حسن کی یہ مفلسی افسوس ہے
اس طرح سے ٹھوکریں کھائیں کہاں[۱]

---

[۱] صفیہ شمیم ملیح آبادی ۔ آہ یہ آفات یہ بربادیاں ہند کی اور آہ یہ شہزادیاں

آہ تیری اب یہ حالت ہو گئی — تیری قسمت منہ چھپا کر سو گئی

دل بھر آتا ہے تری برسات سے — درد اٹھتا ہے ترے نغمات سے

آہ ہندوستان ایسا انقلاب — سرنگوں ہے تیرے دامن میں شباب

ہے زمانے میں سکوں شاید محال

اب میں سمجھی زندگانی کا مآل

ل

لطیف

لطیف النساء بیگم نام اور لطیف تخلص ہے، حیدر آبادی خاتون ہیں آپ سید مظفر الدین سابق مہتمم پولیس کی دختر اور سید یوسف علی صاحب لکچرار سٹی کالج حیدر آباد کی شریک حیات ہیں۔

ابتدائی تعلیم محبوبیہ گرلز ہائی اسکول حیدر آباد میں ہوئی اور پھر جامعہ عثمانیہ سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اب محبوبیہ گرلز اسکول میں معلّمہ ہیں۔ نظم و نثر دونوں لکھتی ہیں۔ رسالہ سب رس کی خصوصی مضمون نگار ہیں آپ کی نظمیں سادہ، سہل اور عام فہم ہوتی ہیں۔ آپ زیادہ تر بچوں کے لئے لکھتی ہیں اور اس کا خیال رکھتی ہیں کہ خیالات اور طرز ادا دونوں بچوں کے حسب حال ہوں۔ نمونۂ کلام یہ ہے:-

زبیری اپنی جبار ہے تھے — نذرین اپنا بنا رہے تھے

پکڑ کر لائے تھے اک مگوڑہ — نہن کو اپنی ڈرا رہے تھے

سہم گئے ہٹتی تھی پیچھے مریم
غریب بچی بلک رہی تھی
نہ بھایا قدرت کو ظلم ان کا
مکوڑے نے اب جو کاٹ کھایا

یہ "باؤ" کہہ کر جو آرہے تھے
ذکی میاں کھلکھلا رہے تھے
جو بے خطا کو ستا رہے تھے
سزا کئے کی یہ پا رہے تھے

تڑپ رہے تھے دبائے انگلی
بری طرح بلبلا رہے تھے

لیلیٰ

لیلیٰ بیگم نام اور لیلیٰ تخلص ہے۔ حیدرآباد دکن کی شاعرہ ہیں آپ سیّد امین الحسن صاحب ناظم عدالت حیدرآباد کی شریکِ حیات ہیں۔ شاعری کا شوق ہے۔ اپنے شوہر ہی سے تلمذ حاصل ہے۔ آپ کا کلام ادبی رسائل میں شایع ہوتا ہے۔ آپ کے کلام میں خیالات کی بلندی، رنگینی اور لطافت موجود ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

اس انداز سے آئے غصّہ میں وہ
کہ ہر اک ستم مدّعا ہوگیا

محبّت کا اعجاز میں کیا کہوں
بڑھا درد، بڑھ کر دوا ہوگیا[1]

---

[1] غالب ؎ درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہوجانا

محترمہ انوار فاطمہ شمیم لکھنوی

شاید اب عشق ہوگیا کامل
غم میں لذّت سی پا رہی ہوں میں

م

محجوب

محجوب جہاں نام اور محجوب تخلص ہے، دورِ حاضر کی ایک اچھی غزل گو شاعرہ ہیں۔ آپ کی صرف ایک طرحی غزل ملی ہے، زبان شستہ اور طرز ادا صاف و پاکیزہ ہے۔

کروں میں اس سے عرض مدعا کیا — وہ سمجھے گا وفا نا آشنا کیا
تمنا تک ہے لطف زندگانی — تمنا مٹ گئی تو پھر رہا کیا
نہ اب وہ بال و پر ہیں اور نہ جرأت — چھٹے بھی گر قفس سے تو مزا کیا
سنیں جب میری باتیں ہنس کے بولے — یہ ہے تمہید عرضِ مدعا کیا
نہیں جب ان کو اندازہ جفا کا — تو پھر سمجھیں گے وہ میری وفا کیا

محبت میں جو اے محجوب گزری
کہیں اب تم سے اس کا ماجرا کیا

مخفی

سعیدہ جہاں نام اور مخفی تخلص ہے آپ کے خود نوشتہ حالات جو آپ نے راقم الحروف کو اس تذکرہ کے لئے ارسال فرمائے ہیں درج ذیل ہیں:۔

"میں ۱۵ر جولائی ۱۹۱۵ء کو پیدا ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے خاندانی معظم و بزرگ مولوی محمد شفیع خاں سے حاصل کی جو اردو، فارسی

اور عربی میں خاصی قابلیت رکھتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ شاعر بھی تھے۔ آپ کے صاحبزادے محمد علی خاں آثر رامپوری کے نام سے مشہور ہیں۔ اردو، فارسی کی تعلیم مولوی صاحب موصوف سے حاصل کی لیکن جلد ہی تعلیمی سلسلہ ختم کرنا پڑا کیونکہ پندرہ سال کی عمر میں ۱۷ ر جنوری ۱۹۳۱ء کو شادی ہوگئی۔ پڑھنے لکھنے کا شوق بارہ تیرہ سال کی عمر میں پیدا ہوا۔ ویسے تو یوں ہی والدین کے حکم کی تعمیل تھی لیکن شوق جوں کا توں رہا کیونکہ شادی عورت ہونے اور گھربار کی ذمہ داری کا سارٹیفکیٹ تھی اب اتنی مہلت کہاں تھی کہ از سرِ نو اس کا ارادہ کیا جاتا لیکن ہمت اور ذوقِ حقیقی نے پھر ایک کروٹ لی اور دل کے اندر دبی ہوئی چنگاری رفتہ رفتہ آتش فشاں بن گئی روزمرہ کی ضروریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے انگریزی کی ضرورت محسوس ہوئی اس کی ابتدا میرے شوہر رحمت نبی خاں نے کرائی۔ ایک ماہ بعد استاد ہمت ہار بیٹھے لیکن شاگرد کو اور بھی زیادہ شوق پیدا ہو گیا کچھ خاندانی معاملات ایسے تھے جن کی وجہ سے کوئی استاد یا استانی مقرر کر کے باقاعدہ تعلیم جاری نہیں رکھ سکتی تھی۔ بالآخر چھوٹے چھوٹے بچوں سے مدد لے کر ڈکشنری کی امداد سے ٹوٹی پھوٹی انگریزی سیکھ لی۔ میرے ذوقِ علمی کو مدِّ نظر رکھ کر رحمت نبی خاں صاحب کے استاد قاضی صولت حسین خاں صاحب ایم۔ اے نے رائے دی کہ مجھے منشی الہ آباد کے امتحان میں شرکت

کی لہذا بغیر کسی استاد کے (کیونکہ بچپن کی اُردو۔ فارسی تعلیم تھوڑی بہت تھی) امتحان میں شرکت کی اور کامیاب بھی ہوئی اس کے بعد میرے کرم فرما ماسٹر صولت حسین صاحب کی کوشش اور آپ کی امداد سے میں نے میٹرک امتحان پاس کیا اس کے بعد رفتہ رفتہ اتنی سہولت ہو گئی کہ میں ماسٹر صاحب موصوف سے کہا ہے گاہے اپنی مشکلات حل کر لیا کرتی تھی۔ اور آپ نے انتہائی جانفشانی اور کوشش سے ایف۔ اے کا امتحان دلادیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے جو کچھ بھی ملا وہ ماسٹر صولت حسین صاحب کی شفقت اور مہربانی سے ملا۔ انھوں نے ہی مجھے ترقی کی راہ دکھلائی۔ صاحب موصوف معزز خاندان سے ہیں خاندان مغلیہ سے خطابات بھی حاصل کئے ہوئے ہیں اور موجودہ زمانہ میں بھی ان کے عزیز معزز عہدوں پر ممتاز ہیں۔
عربی کی ابتدائی تعلیم مولوی محمد جان بیگ سے حاصل کی۔
تہذیب نسواں میں متعدد مضامین شائع ہوتے رہے اور دوسرے رسائل مثلاً ایشیا وغیرہ میں بھی ریڈیو اسٹیشن لکھنؤ سے کئی ڈرامے۔ فیچر "سوتیلی ماں" "دلہن" وغیرہ براڈکاسٹ ہوئے شوہر کی تعلیم کے سلسلہ میں علیگڑھ جانا پڑا۔ وہاں ادبی ذوق سے کافی متاثر ہوئی۔ محترم قبلہ پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی صدر شعبہ اُردو مسلم یونیورسٹی علیگڑھ نے ادبی نکات و باریکیاں سمجھائیں اور اپنی شاگردی کا شرف بخشا جو میرے واسطے

باعث صد افتخار ہے - مختصر یہ کہ ابتدا مولوی محمد شفیع خاں نے کرائی اور تکمیل پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی قبلہ نے - ان کی رائے سے اعلیٰ قابلیت کا امتحان پاس کیا - شاعری کا شوق بچپن سے رہا اور اس دوران میں جب موقع ملا کچھ نہ کچھ کہہ گزری - سب سے پہلی چیز آل انڈیا اردو کانفرنس بریلی کے موقعہ پر کہی جو مصرعۂ طرح پر لکھی گئی تھی۔ اس کے بعد سے یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور فوراً ہی علیگڑھ جانا پڑا - وہاں ادبی موجوں نے خوب پیاس بجھائی - بہت چیزیں کہیں، تقاریر کا سلسلہ بھی جاری رہا - گرلز کالج میں، زنانہ مسلم کانفرنس میں برابر موقع ملتا رہا اور میرے ذوق کو تسکین ملتی رہی -

۱۹۳۶ء میں ایک سیاسی پمفلٹ نکالا - ایک ڈرامہ اسٹیج کے لئے تیار کیا -

خاندان کے متعلق مصنف کی معلومات کافی ہیں - "راقمہ مخفی"

محترمہ مخفی جناب قمر شاہ خاں صاحب بی - اے (آکسن) بیرسٹر ایٹ لا کی صاحبزادی ہیں جو رامپور کے ایک مشہور اور بڑے رئیس ہیں - محترمہ کے خاندان میں زمانہ قدیم سے ادبی ذوق چلا آرہا ہے، آپ کے جد امجد کے یہاں ہمیشہ شاعروں کا ہجوم رہا - آپ کے والد کے نانا محمد عثمان خاں صاحب رامپوری کا تذکرہ مولانا احسن مارہروی کی تاریخ نثر اردو حصہ اول اور شوق رامپوری کے تذکرہ کاملان رامپور میں موجود ہے - آپ کی شادی

جناب رحمت نبی خاں صاحب الم۔ اے دعا گیک ہاسے ہوئی ہے جو راقم السطور کے دوست اور ہمدرس رہ چکے ہیں۔ آپ جناب جمیل خاں صاحب رئیس رام پور کے صاحبزادے ہیں اور بریلی میں مقیم ہیں۔ اس نسبت سے محترمہ مخفیؔ اکثر ادبی دنیا میں "سعیدہ رحمت نبی بریلوی" کے نام سے معروف ہیں :۔

محترمہ مخفیؔ موجودہ دور کی ایک تعلیم یافتہ اور روشن دماغ خاتون ہیں آپ خواتین میں بیداری پیدا کرنے کی خواہشمند ہیں اور ان کو علم اور زندگی کی برکتوں سے فیض یاب دیکھنا چاہتی ہیں۔ آپ نے اپنے ان جذبات کا اظہار اپنی اکثر نظموں میں فرمایا ہے، نظموں کے علاوہ آپ غزلیں بھی لکھتی ہیں۔ آپ کا کلام صاف و پُر اثر، اور اسلوب بیان پاکیزہ ہے۔

ذیل میں جو کلام پیش کیا جا رہا ہے۔ وہ محترمہ کا خود منتخبہ کلام ہے جو آپ نے اس کتاب کے لیے ارسال فرمایا ہے۔

غزل[1]

چشم تر دیکھ، غم دل نہ نمایاں ہو جائے
عشق کے سامنے اور حسن پشیماں ہو جائے

جانتا ہوں میں تمنا کو گناہِ اُلفت
عشق وہ ہے جو نہاں رہ کے نمایاں ہو جائے

اپنی مجبوریِ اُلفت کا فسانہ کہہ کر
ڈر رہا ہوں کہ کہیں وہ نہ پشیماں ہو جائے

---

[1] یہ ایک طرحی غزل ہے مصرعہ طرح یہ تھا "جو نظر بھر کے تجھے دیکھ لے حیراں ہو جائے"

داغِ اُلفت کی تجلّی جو نمایاں ہو جائے
شعلۂ طور بھی اک بار پشیماں ہو جائے

ضبطِ غم سے نہیں یارائے خموشی مجھکو
تم جو کچھ پوچھ لو مشکل میری آساں ہو جائے

کاش یوں برق گرے خرمنِ دل پر مخفی
ذرّہ ذرّہ مری ہستی کا فروزاں ہو جائے

بیداریٔ نسواں [1]

اپنی کھوئی ہوئی توقیر نمایاں کر دیں
کیوں نہ تاریکیٔ محفل کو فروزاں کر دیں [2]

نورِ سلطانۂ رضیہ کی حمیّت کی قسم
عظمتِ رفتہ سے دنیا میں چراغاں کر دیں

فاطمہ زہرہ کے دلدوز تحمّل کی قسم
گنبدِ چرخ کو اک بار تو لرزاں کر دیں

جبر اور ظلم کی بنیاد کو ڈھا کر بہنو
آؤ اب ہمّتِ مردانہ کو حیراں کر دیں

تفرقے سارے یہ آپس کے مٹا دیں ہم
آؤ اب جراتِ نسواں کو نمایاں کر دیں

ہند ویراں ہوا ہم کو ہی مخفی رکھکر
اٹھو اس اُجڑے گلستاں میں بہاراں کر دیں

غزل

بتادو تمھیں میری چاہت نہیں ہے
جدائی ہماری قیامت نہیں ہے

---

[1] یہ نظم آل انڈیا زنانہ مسلم لیگ کانفرنس کے موقعہ پر علیگڑھ میں فاطمہ جناح کی صدارت میں سنائی گئی۔

[2] علامہ اقبال رح
اٹھو کہ ظلمت ہوئی پیدا اُفقِ خاور پر
بزم میں شعلہ نوائی سے اُجالا کر دیں

نہیں ہے تمھیں مجھ سے الفت نہیں ہے
بنا دے ہماری یہ چاہت نہیں ہے

ہمیں تم سے ملنے کی حسرت نہیں ہے
مگر دور رہنے کی طاقت نہیں ہے

تمھیں یاد کرنے کی فرصت نہیں ہے
ہمیں بھول جانے کی عادت نہیں ہے

نہ کنز اور سنتہ نہ گھبرائیے مجھ کو
نہیں ہے یہ مخفی کی تربیت نہیں ہے

"اُمید"

غمِ مخفی ہی علاجِ غمِ نسواں ہوگا
دردِ دل آپ ہی اپنے لئے درماں ہوگا

ہو جو تاریکی پیہم ہے تو غم کیا بہنو
بے بسی بے کسی ہمدم ہے تو غم کیا بہنو

غیرتِ مردمی برہم ہے تو غم کیا بہنو
تابشِ غم ہی علاجِ غمِ دوراں ہوگا

(۲)

منہ چھپائے گا خود اندوہ کو صیاد مہیب
ہوگی بربادی ملی آبادئ نو کی تقریب

غرق ہو جائے گا اک روز طلسمِ تخریب
جب تمھیں اپنا خیالِ غمِ پنہاں ہوگا

(۳)

یہ گھٹائیں جو اٹھی ہیں افقِ دوراں سے
داغ مٹ جائینگے اب سینۂ ہندوستاں سے

پھول برسیں گے یہیں پر دہنِ نسواں سے
دہر اب نازکشِ ہمتِ نسواں ہوگا

(۴)

دور ہو جائے گا اک روز جہالت کا نشانہ
قہر اور مکر سے ہو جائے گی دنیا آزاد

ہاں جگا دے گی زمانہ کو ہماری فریاد
خنجرِ حق جو اسی طرح نمایاں ہوگا

(۵)

عقل و انصاف کا لہرائیں گے پرچم بڑھ کر
زیست کو بخشیں گے تسکینِ دو عالم بڑھ کر
بنتِ حوّا کے لئے لائیں گے عزت بڑھ کر
یہ جہاں باعثِ صد عزتِ نسواں ہوگا

(۶)

دشت کو باغ بنا دے گی ہوائے دوراں
پھر نظر آئے گا ہر فرد ہی شاداں فرحاں
سرِ مغرور جھکا دے گی صدائے نسواں
دامنِ ہند گل افروز بہاراں ہوگا

(۷)

ہاں جہالت کا یہ تاریک زمانہ کب تک
اور رسوماتِ کہن کا یہ بہانہ کب تک
قید اور بند کا دل سوز فسانہ کب تک
ہوگا مہتابِ حقیقت کا درخشاں ہوگا

(۸)

خانۂ امن و مساوات بنے گی دنیا
عدل و انصاف کا گہوارہ بنے گی دنیا
غیرتِ جنتِ فردوس بنے گی دنیا
اخترِ امن و مساوات نمایاں ہوگا

(۹)

اب نہ ہم بارِ اذیت یہ سہیں گے بہنو
اپنی ہمت سے سمجھ اب ایسے نپٹیں گے بہنو
غم بہم میں نہ اب ایسے پھنسیں گے بہنو
ہر بشر قوتِ احساس پہ حیراں ہوگا

(۱۰)

شمع بیداریٔ نسواں ہی چراغاں ہوگی
آگہی جراتِ نسواں پہ جو حیراں ہوگی
زندگی سربکف احساس پہ نازاں ہوگی
ہند گلزار گل افروزہ گل افشاں ہوگا

(۱۱)

پست نظروں سے نہ دیکھے گا کوئی اب ہم کو
کیسے نفرت سے پکارے گا کوئی اب ہم کو
کیسے نظروں سے گرائیگا کوئی اب ہم کو
چرخ پہ کوکب نسواں ہی درخشاں ہوگا

(۱۲)

روح بیداری احساس پہ یوں مائل ہے
دردِ دل، دردِ جگر، سوز وفا حاصل ہے
ہم کو بیداری نسواں کا یقیں کامل ہے
جذبِ دل جرأت نسواں ہی پہ خنداں ہوگا

(۱۳)

غمِ دل اپنا جو مخفی ہے سنو تم بہنو
داستاں خالدہ ترکی کی ذرا تو دیکھو
درس تاریخ کا بہنوں سے کچھ اب سیکھو
یوں ہی اقبال تمھارا بھی نمایاں ہوگا

(۱۴)

جگمگا دے گا جہاں کو یہ مرا عزم سعید
اب مٹا دے گا غلامی کو مرا عزم سعید
ہاں ہلا دے گا فلک کو یہ مرا عزم سعید
دل پژمردہ جو تقدیر پہ خنداں ہوگا

دخترِ اسلام سے خطاب

دخترِ اسلام تو آغازِ خوش انجام ہے
تو نہیں شامل تو ہر کارِ جہاں ناکام ہے

کیوں نہیں آزاد ہوتی ان قیودِ خام سے

۱؎ علامہ اقبال رح
در معرکۂ بے سوزِ تو ذوقِ نتواں یافت
اے بندۂ مومن تو کجائی تو کجائی
(ضربِ کلیم)

کیوں پریشانی ہے تجھ کو اس اندھیری شام سے
دردِ قومی کی تڑپ سینے میں گر پاتی ہے تو
سوزِ ملت کی خلش کا کچھ اثر پاتی ہے تو
قوم تیری کیوں تباہی کی طرف جاتی ہے اب
سوچ کر شاید یہ ہی اس درجہ شرماتی ہے تو
ظلمتِ دیرینہ میں آخر چلی جاتی ہے کیوں
بحرِ افکارِ مسلسل میں بہی جاتی ہے کیوں
تیرا ساحل چھوٹتا ہے اور تو خاموش ہے
تیرا بیڑا ڈوبتا ہے اور تو خاموش ہے
دوسری قومیں فضیلت پا رہی ہیں تجھ پہ اب
زحمتوں پر زحمتیں کیوں چھا رہی ہیں تجھ پہ اب
یادگارِ عظمتِ رفتہ ہے تو! خاموش ہے!!
دل فگار اب غیرتِ رفتہ ہے تو! خاموش ہے!!
یاد کر پچھلے سبق، پچھلی وفا، پچھلی وہ شان
یاد کر وہ آن اب اے دخترِ ہندوستان
ہاں الٹ خودداریٔ نسواں کے وہ پہلے ورق
یاد کر تہذیب اور اخلاق کے بھولے سبق
تیری دنیا لٹ رہی ہے تو بھی اب بیدار ہو
چپ پڑی کیوں گھٹ رہی ہے، تو بھی اب بیدار ہو

ہاں خدارا رحم کر یہ خوابِ غفلت کب تلک؟
جبر و استبداد یہ قہر و مذلّت کب تلک؟

رفعتِ نسواں دکھا دے بس ابھی اک آن میں
نغمۂ شیریں سنا دے آج اپنی شان میں

اپنے پاکیزہ تخیّل کی بلندی سے کے آ
دخترِ اسلام شانِ ستمندی سے کے آ

خنجرِ حق ہاتھ میں لے شورِ آزادی مچا
عزم کے طوفان بہا انصاف کے بادل اٹھا

ذوق میں زیب النسا بن ہمّتِ رضیہ دکھا
عقل میں تو نور بن اور عفّتِ زہرہ دکھا

پھونک دے تو اپنی آہوں سے خس و خاشاک کو
سرد کر دے آنسوؤں سے بیکسی کی آگ کو

عزم میں تو خالدہ بن جراتِ سلمیٰ دکھا
حلم میں تو فاطمہ بن رفعتِ اسمیٰ دکھا

اپنی آزادی کے نغمے گا کے دنیا کو جگا
اور اپنے طالعِ خفتہ کو بیداری سکھا

عشرت و ثروت کو بیجا عیش سامانی کو چھوڑ
اپنی راہیں یاد کر اندازِ دہرانی کو چھوڑ

اپنے احساسِ خودی کو آہ تو نے کیا کیا

آدمیت کی سعی کو آہ تو نے کب کیا
چھوڑ دے فیشن پرستی، اور تباہی کے چلن
کھول دے اب راز ہستی بھول مستی چلن
تو نہیں زندہ فقط اپنے لئے یہ جان لے
رحمت کونین ہے میرا کہا تو مان لے
خود پرستی خود نمائی، یہ نہیں تیرا شعار
پست نظری خود ستائی یہ نہیں تیرا شعار
بیکسوں کا دے سہارا، بے نواؤں کو سکوں
تو غریبوں کی مدد کر، دے یتیموں کو سکوں
تو سہارا ڈھونڈھتی ہے خود سہارا بن کے آ
خونِ ملت سرد ہے اب تو شرارہ بن کے آ
طالبِ امداد تو ہو غیرتِ نسواں کہاں
تو کسی کے کام آ، پھر دیکھ یہ حرماں کہاں
اپنے اخلاق و ہنر آداب و تہذیب کمال
وقف کر دے خدمتِ عالم کو اپنے جان و مال
دخترِ اسلام اپنی شان اب مخفی نہ رکھ
جوش میں آ گرمی ایمان اب مخفی نہ رکھ

مخفی

صالحہ بیگم نام اور مخفی تخلص ہے۔ آپ خاتونِ مشرق کی مخصوص شاعرہ ہیں۔ اور زنانہ رسالوں میں بھی آپ کا کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ آپ کا کلام صاف اور اسلوب بیان دلکش ہے۔ نمونہ یہ ہے:-

ساقی گلعذار آ بلبل نغمہ بار آ — رحمتِ کردگار کو ساتھ لئے بہار آ

شورشِ اضطراب ہے یاد رخ نگار آ — مونس و غمگسار آ راحت جانِ زار آ

ساقی کہاں کدھر ہے خم ہوش کا بھی پتہ نہیں — ساغرِ دل میں غیب سے بادۂ خوشگوار آ

آتا ہے کون پوچھنے ہجر کے غم نصیب کو — تیرا ہی انتظار ہے بہرِ خدا قرار آ

خشک شجر امید کا کر نہ سکے خدا ہرا — آس ہے کب سے منتظر جلد تو اے بہار آ

شاخوں سے پھول گیا ہو کس کا یہ دست ظلم تھا — حشر کریں چمن میں ہم بلبل ہوگوار آ

حسن سے اور عشق سے نظم ہے کائنات کا — سارے جہاں میں اے ندیم جاکے ذرا پکار آ

قبر شہید ناز پر پھول کبھی چڑھے نہیں — دوش سے اپنے فرض کو جاکے تو ہی اتار آ

ہو شب ہجر کو زوال ملنے لگیں جو اسے بال — بادِ صبا تو جا ذرا زلف صنم سنوار آ

رہے طلوع صبح میں تو ہے نمود شام میں — دل کے اس آئینہ میں بھی عکسِ جمال یار آ

تیرے سوا کوئی نہیں مخفیِ غم نصیب کا
خانۂ دل ہے گھر ترا اس میں تو بار بار آ

مدنی

شہنانہ بیگم نام اور مدنی تخلص ہے۔ ورنگل (دکن) میں قیام ہے

زمانہ رسالوں میں اکثر آپ کا کلام چھپتا رہتا ہے۔ مشرقی تہذیب کی دلدادہ ہیں اور خواتین کو مغربی تہذیب و تعلیم کی ہلاکت آفرینیوں سے بچنے کی کوشش کرتی ہیں۔ آپ کے کلام میں بھی زورِ خیالات کا اثر موجود ہے۔ آپ کا کلام صاف اور سنجیدہ ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے:۔

جہاں کا رنگ پلٹا اور زمانہ کی ہوا بدلی
اثر تہذیبِ مغرب کا یہ ہے ساری فضا بدلی
فقط تعلیمِ نسواں سے نہ اک ذرہ ہوئی خصلت
مسلمانوں کی طرزِ زندگی حد سے سوا بدلی
ہمیں آزادیٔ مغرب نے بے پرواہ کیا اتنا
کہ جس فیشن کو دیکھا اپنی نیت برملا بدلی
ہمارا خلق بدلا، ڈھنگ بدلا، ہر عمل بدلا
ہماری چال بدلی، طرز بدلی، ہر ادا بدلی
ہوائے مغربی نے جوشِ غیرت تک کیا ٹھنڈا
کہ حتیٰ آج اپنی فطرتی شرم و حیا بدلی

مضمر محترمہ رفیعہ بانو رضویہ

محترمہ مضمر رضویہ دورِ جدید کی شاعرات میں ایک بلند درجہ رکھتی ہیں۔ آپ نے مختلف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے اور قطعات غزلیں اور نظمیں سب کچھ لکھی ہیں۔ آپ کا کلام بلند پایہ اور پُرکیف ہے

جذبات اور وارداتِ قلب کی ترجمانی آپ کا خاص جوہر ہے۔ آپ کے یہاں رومانیت کے گہرے نقوش ملتے ہیں جنھوں نے آپ کے کلام کو بہت دلدوز اور پُراثر بنا دیا ہے۔ ڈاکٹر عندلیب شادانی کی طرح چاندنی اور ستارے آپ کی شاعری کے مخصوص و مرغوب موضوعات ہیں۔ آپ کے اس قسم کے اشعار بغایت بلند و دلکش ہوتے ہیں۔ آپ دنیائے ادب میں صرف ایک خوش گو شاعرہ ہی کی حیثیت سے متعارف نہیں بلکہ آپ ایک بلند پایہ اور انشا پرداز، مضمون نویس اور افسانہ نگار بھی ہیں۔ آپ کے افسانے اور مضامین اکثر ادبی رسالوں میں شایع ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کا طرزِ بیان پاکیزہ اور اسلوب دلکش ہے۔ زبان پر آپ کو بڑی قدرت حاصل ہے۔

محترمہ مضطر رضویہ نے اپنے حالاتِ زندگی اور شاعری پر جو روشنی ڈالی ہے وہ شکریہ کے ساتھ درج ذیل کی جاتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ آپ کا منتخبہ مرسلہ کلام بھی شکریہ کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے:

میری شاعری

"جناب مصنف صاحب کا اصرار پیہم ہے کہ میں ان کی کتاب کے لئے اپنے حالات لکھوں۔" کیا ضرورت ہے کہ نشتر کی رگوں سے زخموں کی مزاج پرسی کی جائے اور کانٹوں کی نوکوں سے پھولوں کا ہار گوندھا جائے۔" میں کیا اور میرے حالات کیا۔ کچھ یہ نہیں کہ میری زندگی خدا نہ کرے کوئی ناکام زندگی ہے، نہیں بلکہ میرے اس

انجماد اور افسردگی کا سبب میری خرابیٔ صحت ہے۔ اسی کے باعث زندگی کا محبوب مشغلہ "فکرِ سخن" بالکل ترک نہیں ہوا تو کم ضرور ہو گیا ہے۔

"جو شغل کبھی "شغلِ حیات" تھا اب وہ ماضی کا بھولا ہوا خواب ہے، اللہ رے نیرنگیٔ زمانہ! آہ وہ دلچسپ مصروفیتیں، وہ ہنستی ہوئی شاعرانہ مشغولیتیں اب کہاں؟ حق تو یہ ہے کہ شادی کے بعد کوئی عورت تخیّل پرست نہیں رہ سکتی، اگرچہ اس کو کتنی ہی آزادیاں میسّر ہوں، سکون و اطمینان حاصل ہو۔ لیجئے میں اپنی شاعری کا نوحہ پڑھنے بیٹھ گئی۔ مجھے تو اپنے حالات لکھنے ہیں۔

"میری پیدائش سنہ ۱۹۲۰ء میں بمقام مامن (ضلع بلند شہر) ہوئی۔ میرا پورا نام رفیعہ بانو مضمر رضویہ ہے۔ مجھے ابتدا ہی سے شعر و سخن سے بڑی رغبت تھی۔ کچھ فضا بھی حسنِ اتفاق سے شاعرانہ ملی تھی۔ والد مرحوم فارسی اشعار کے گویا لغت تھے۔ مجھے بہت بچپن سے انھوں نے حافظ و سعدی رح وغیرہ کے چیدہ چیدہ اشعار ازبر کرائے تھے۔ سنہ ۳۰ء میں میں نے گل و بلبل سے متعلق ایک شعر کہا تھا۔ سب سے پہلا شعر ذرا سنئے تو کیا عجیب سا تخیّل ہے

ہمیشہ مست ہم رہتے ہوا ہی خوشبوؤں میں خود ۵

اثر کیا ہوئے گا تم پر گلو شورِ عنادل کا

"اس وقت میرے والد مرحوم انتقال فرما گئے تھے برادر گرامی

رفیق رضوی (فلم ڈائرکٹر) نے جب شاعری سے میرا یہ اُنس دیکھا تو بہت خوش ہوئے انہی کی کاوش و محنت کا نتیجہ تھا جو میں اتنی جلد شعر کہنے لگی۔

"عام لڑکیوں کی مانند گھر پر اُردو، فارسی کی تعلیم حاصل کی، بھائی (بمبئی) میں اک گمنام سے گاؤں میں۔ محض اعلیٰ درجہ کے رسالوں، کتابوں اور لغت کی مدد سے میں نے بغیر کسی اتالیق کے اپنے میں اتنی استعداد پیدا کر لی تھی کہ نظمیں، مضامین اور افسانے خدا کے فضل و کرم سے خاصے لکھ سکتی تھی۔ مجھے اپنے دماغ پر خود ناز تھا، عصرِ حاضر کے بہت سے مردانہ و زنانہ رسائل میں میرا کلام شائع ہوتا تھا۔ میری شاعری کا انتہائی عروج سنہ ۱۹۴۰ء تک ہے اس کے بعد گویا انحطاط کی ابتداء ہے۔ میری شادی سنہ ۱۹۴۰ء میں سیّد ارشاد حسین بی اے سے ہوئی۔ میرے خسر صاحب مرحوم سیّد اخلاق حسین صاحب دیوان تھے۔ مرحوم کا تذکرہ خمخانۂ جاوید جلد اوّل میں آچکا ہے۔ خدا کے فضل سے میری سسرال والے شعر و ادب کے شائق اور اہلِ مذاق ہیں۔ یہاں بھی ماحول اچھا ملا۔ مگر دل و دماغ کی کیفیت نہیں کہی جا سکتی کہ کیا ہو گیا۔ اور اگرچہ شادی کے بعد بھی میں نے کافی عرصہ تک نظمیں کہیں۔ مگر میرا یہ ذاتی تجربہ ہے کہ عہدِ دوشیزگی کے تخیّل میں جو رومان جو شعریت جو حسن، اور جو جوانی تھی وہ بعد شادی کچھ عرصہ تک قائم رہی۔

پھر بالکل فنا ہو گئی۔ حالانکہ نہ زندگی ایک کامیاب زندگی تھی، کیا یہ اک ناقابلِ فراموش حقیقت نہیں کہ "تکمیل آرزو" ہی آرزو کی موت ہے [۱]

"میں ابتدا میں اپنا کلام رشتہ کے ایک بزرگ کو دکھاتی تھی لیکن جب تمام اعزہ میری تعلیم اور میری شاعری کے خلاف نظر آئے تو بھائی جان کے اک دوست جناب احسن رضوی دانا پوری سے اصلاح لینے لگی، وہ بھی کچھ عرصہ تک، پھر تو اللہ کا نام لیکر افسانے اور مضامین تو بالکل ہی اور کچھ نظمیں بھی بغیر کسی کو دکھائے شائع کروانے لگی۔

لیجئے اب انتخاب کلام ملاحظہ فرمائیے، پہلے کچھ قطعات اور ۱۹۳۹ء کی دو تین غزلیں دیکھئے۔

"راقمہ مضطر رضویہ"

قطعات

مجھ کو قدرت نے ودیعت کی ہے وہ حسن لطیف
روح میں چھپتی ہے نرم و پاک پھولوں کی نسیم
جگمگا اٹھتے ہیں میرے نوجواں ماضی کے خواب
چھیڑتی ہے شوخ کلیوں کو جو گلشن میں نسیم

---

[۱] نفسیاتی ادب اس فقرہ پر جس قدر بھی ناز کرے کم ہے "ج"

چاندنی، تارے، سمندر، فصلِ گل، کیف بہار
اُف یہ انبوہِ تجمل، یہ ہجومِ رنگ و بو
اس طرف زانو پہ میرے ان کا روئے نازنیں
ہاں یقیناً آج میں ہوں کامیابِ آرزو

اے ستارو! چشمِ شاعر کے چمکتے آنسوؤ
جاگ کر روتے ہو تم راتوں کو کیوں آخر کہو
دیکھتے رہتے ہو کیوں حسرت سے شاعر کی طرف
اس کے دامن میں مچلنے کی ہے کیا پھر آرزو؟

ستارے!

جو چرخ پر سیمیں ستارے اس طرح ہیں منتشر
جیسے حورانِ بہشتی کی لڑی ٹوٹے نور سے
گر پڑے ہوں چند غنچے ٹوٹ کر ہنستے ہوئے

۱؎ ڈاکٹر عندلیب شادانی ؎
چاندنی، موسمِ گل، صحنِ چمن، خلوتِ ناز خواب دیکھا تھا کہ کچھ یاد ہے کچھ یاد نہیں
ایضاً ؎ کچھ ایسی ہی فضا، ایسی ہی شب ایسا ہی منظر تھا
نہ جانے کیا مجھے یاد آگیا تاروں کی جھلمل سے

یا حوادث سے فرشتے جب اثر لینے لگے!
روشن و بیتاب آنسو ان کی آنکھوں سے گرے
یا فروغ نکہت و ناشاد کامی دیکھ کے!!!
آسمانوں کی جبینوں پر پسینے آ گئے

غزلیات

جو حرف ماتم دل گیسوئے جانانہ ہو جائے
تو ہستی عشق کی الجھا ہوا افسانہ ہو جائے

سمجھ جائے اگر انسان خود رعنائی دل کو
نگاہوں میں جہانِ رنگ و بو افسانہ ہو جائے

ارے ظالم! نہ تیری پردہ داری ہیں اگر چاہوں
تو ہر نقطہ کتابِ دل کا اک افسانہ ہو جائے

وفورِ غم سے قوّت ضبط کی اب سلب ہوتی ہے
مجھے ڈر ہے نہ ان کا راز بھی افسانہ ہو جائے

گدازِ درد میں ڈوبے سے کچھ قطرے ہیں مژگاں پر
اگر تم دیکھ لو بہتا ہوا افسانہ ہو جائے

محبّت راز رہتی ہے رہے جب تک نگاہوں میں
اسی کو بیخودی کہہ دے تو اک افسانہ ہو جائے

جذبات اُلٹ دیں گے چہرہ سے نقاب آخر
اک چشمِ تماشا سے کب تک یہ حجاب آخر

دُنیا کی خبر بھی ہے او محوِ جفا کوشی
کب تک یہ بہاریں ہیں کب تک یہ شباب آخر

اب دل کی عبارت بھی بے ربط ہوئی مضمرؔ
افسانۂ ہستی کی ہوتی ہے کتاب آخر[1]

اک میں ہوں باعثِ رسوائی ان کے واسطے
اک وہ ہیں زندگی کا آسرا میرے لئے

منظومات

قسم!

میرے ایوانِ تخیل کے مکیں | تیرے گیسوئے معنبر کی قسم
میرے کاشانۂ ہستی کے چراغ | تیرے رخسارِ منوّر کی قسم
نکہتِ حسن وضیا کے پیکر | تیرے ملبوسِ معطّر کی قسم
صدمۂ ہجر میں مشکل ہے سکوں | جذبِ شوق وغمِ مضمرؔ کی قسم[2]

---

[1] مؤلف احقرؔ ؎ کیا تھا جس کو خود تیرے مرتب :: وہ افسانہ بھی بکھرا جا رہا ہے

[2] جگرؔ مراد آبادی ؎ اب بھی ہیں تیرے تصوّر سے وہی راز و نیاز
اپنے اُجڑے ہوئے آغوشِ محبت کی قسم

میرے لئے ہے!

جذبات کی رَو میں ترے شعروں کی جوانی
اے شاعرِ نوخیز، جواں میرے لئے ہے

رعنائیِ اندازِ بیاں ہے مری خاطر
یہ گرمیِ فریاد و فغاں میرے لئے ہے

ہر شعر میں تو شعلہ بہ لب ہے مری خاطر
ہر نظم میں تو نغمہ فشاں میرے لئے ہے

میں خود بھی ہوں واقف کہ بایں صبر و تحمّل
تو وقفِ غم و سوختہ جاں میرے لئے ہے

ہے میرے لئے محوِ سخن تیرا تخیّل
گویا ترے ہونٹوں میں زباں میرے لئے ہے

فریبِ تصوّر!

(ماضی کے ایک واقعہ کی یادگار)

سسکیاں لیتی ہے جب بستر پہ زخمی آرزو
جب تمنّا کی نگاہوں سے ٹپکتا ہے لہو!!

روح میں جب چبھنے لگتی ہیں الم کی برچھیاں
جب جگر کو پھونکتی ہیں سوز کی چنگاریاں

آہ! ان لمحوں میں وہ سرمایۂ عیشِ حیات

وہ میرا نادیدہ ہمدم وہ بہارِ کائنات
جو بناتا ہے روح کے پردوں کی رنگیں اوٹ سے
اک مجسم التجائے دیدہ آنکھوں میں لئے!

مجھ سے کہتا ہے کہ اے معبودہ شعر و جمال
مطربِ عہدِ جوانی، ساقئ بزمِ خیال
نشہ صہبائے الفت، جلوہ حسنِ ازل
اُٹھ نظامِ زندگی کو زورِ بازو سے بدل

تجھ کو قدرت نے بنایا ہے عمل کے واسطے
جذبۂ بیدار جہدِ برمحل کے واسطے
تو اگر چاہے تو فتنے جاگ اُٹھیں رفتار سے
آگ سی لگ جائے تیری گرمئ افکار سے

اُٹھ خدا کے واسطے اُٹھ کس لئے خاموش ہے
کیا قیامت ہے کہ ساقی آج خود مدہوش ہے
اے مری حورِ تخیل "شکوہ سنجِ غم ہے کیوں؟
سچ بتا دے تو سراپا نالہ و ماتم ہے کیوں؟

چونک اُٹھتی ہوں یہ سن کر اپنے رنگیں خواب سے
اور ٹپک جاتے ہیں آنسو دیدۂ بیتاب سے
بیخودی میں دوڑتی ہوں صحنِ گلشن کی طرف
کھینچتی ہیں وحشتیں صحرا کے دامن کی طرف

یہ صدا سن کر دلِ مضطر سکوں پاتا نہیں
ڈھونڈھنے سے بھی مجھے کوئی نظر آتا نہیں

ہے تہی دامن مگر مقصد سے جیب آرزو
کون یوں کھائے تصور میں فریبِ آرزو

عزم!

بدل دوں گی نظامِ زندگی کو سعیِ پیہم سے!
زمانہ کانپ اٹھے گا مرے عزمِ مصمم سے

سماجی قوتوں کو زورِ بازو سے مسل دوں گی
میں اس تہذیب کی ناگن کو پیروں سے کچل دوں گی

یہ محکومی، یہ بندش، یہ مذاق و فکر کی پستی
یہ روحوں کی غلامی، یہ سیہ کاری، یہ بدمستی

یہ خاک و خون میں لتھڑے ہوئے افکار انسانی
یہ محکومی کی قرباں گاہ پر ذہنوں کی قربانی

یہ خونیں آنسوؤں پر ہنسنے والی سنگدل بستی
ندامت کے خمارِ سرگراں سے مضمحل بستی

یہ بستی جس نے ویراں کر دیا آباد روحوں کو
کیا ہے قیدِ زنجیرِ جنوں آزاد روحوں کو

جہاں انسانیت کے ولولوں کا خون ہوتا ہے

جفا دستور ہوتی ہے ستم قانون ہوتا ہے
جہاں تہذیب کی بنیاد ہے اشکوں پر آہوں پر
جہاں اخلاق کی بنیاد ڈالی ہے گناہوں پر

جہاں عشق و محبت کو جنوں کا نام دیتے ہیں
درندے امن و تسکیں کا جہاں پیغام دیتے ہیں
جہاں پہرے لگائے ہیں نگاہوں پر زبانوں پر
بڑھاپے کی حکومت ہے جہاں کے نوجوانوں پر

جہاں جہل و ہوس کا نام علم و پارسائی ہے
جہاں بندوں پر انسانی خداؤں کی خدائی ہے
جہاں دوشیزگی خم ہے ہوس کے آستانوں پر
جہاں مذہب بکا کرتا ہے تقویٰ کی دکانوں پر

میں اس دنیا کو مضطر اپنے نعرے سے ہلاؤں گی
فروغِ سوزِ غم سے آگ دنیا میں لگاؤں گی
اٹھوں گی میں جلال و عزم و ہمت کا علم لیکر
بڑھوں گی موت کی صورت بغاوت کا علم لیکر

مرے بگڑے ہوئے تیور سے طوفاں دم بخود ہونگے
مرے بپھرے ہوئے نعرے سے انساں دم بخود ہونگے
جو طعنہ زن ہیں میرے ذوقِ شعر و فکر رنگیں پر

خدا شاہد وہ اک دن سر دھنیں گے میری نگیں پر
جنھیں کچھ لطف آتا ہے مرے دل کو ستانے میں
وہ اک دن راگ گائیں گے مرے سارے زمانے میں
میں مضمر ہوں ابھی مضمر ہے میری شان لاثانی
کوئی سمجھا نہیں اب تک مرا ذوقِ سخندانی

میں ہوں زیب النسا مخفی ابھی تک میری ہستی ہے
مرے افکار پر انوار کی شبنم برستی ہے
مٹا سکتا ہے کوئی بزمِ ہستی میں کہاں مجھ کو
کہ قدرت نے عطا کی ہے حیاتِ جاوداں مجھ کو

شبنم!

اے کلی! اے شاہکارِ آب و گل روحِ بہار
صبحدم یہ میری آنکھیں دیکھتی ہیں آہ کیا
نورِ چشمِ گلستاں، پروردۂ نازِ بہار
تیری پلکوں پر چھلکتے آنسوؤں کا جھمگھٹا
تو نے دیکھا ہے خزاں کا کیا کوئی پرہول خواب
کیا نظر آیا تجھے فانی گلستاں کا شباب
تو نے دیکھا پھول کا انجام حسرت ناک کیا

سینکڑوں غنچوں کو پایا ہے گریباں چاک کیا

سچ تو منہ سے بول آخر کیا نظر آیا تجھے
کس لئے اکیا وجہ یہ اندازِ غم بھایا تجھے
اُٹھ گیا کیا سامنے تیرے نقابِ زندگی
تو نے بالتشریح کیا پڑھ لی کتابِ زندگی

تخلیق نغمہ!

اگرچہ کیف و رنگینی تھی فردوسی فضاؤں میں
معطّر نور کے رقصاں شرارے تھے ہواؤں میں
وفورِ شادمانی سے کھِلا جاتا تھا ہر غنچہ
ہوا میں دوشِ نکہت پر اُڑا جاتا تھا ہر غنچہ
پھواریں عطرِ گل کی شاخِ نسریں پر برستی تھیں
ہوائیں جھومتی تھیں اور فضائیں غرقِ مستی تھیں
اگرچہ نکہت و زینت کی تھی ہر سُو فراوانی
نہ تھی فکر و تخیّل میں کہیں اندوہ سامانی
یہ سب کچھ تھا مگر بے رونقی سی پائی جاتی تھی
فضائیں تھیں ابھی فردوس کی محرومِ موسیقی
نہ کلیاں باخبر تھیں ڈالیوں پر گنگنانے سے
نہ واقف تھیں ہوائیں کوئی دلکش گیت گانے سے

نہ تھیں کوثر کی لہریں آشنا لحنِ ترنّم سے
ٹپکتی تھی نہ موسیقی کسی گُل کے تبسّم سے

یکایک خلد کی دنیا میں آدم کی دعا گونجی
اور ان کی التجاؤں سے ہوئی تخلیق حوّا کی

پھر اُٹھیں جانبِ محبوب حوّا کی حسیں آنکھیں
اسے دینے لگیں درسِ محبّت نرگسی آنکھیں

اٹھا کر پردۂ رنگِ حیا پھر اک تبسّم سا
نزاکت سے معالب ہائے رنگیں پر ہوا پیدا

وہ نازک مسکراہٹ رفتہ رفتہ پھر بڑھی ایسی
فراواں موسمِ گُل میں ہو پھولوں کی مہک جیسی

ملائک کے لبوں پر گنگناہٹ سی ہوئی پیدا
انھوں نے جب ہر اک سو اک سرورِ کیف گیں دیکھا

فضا میں ارغنوں بجنے لگا مدھم صداؤں سے
ہوا معمورِ نغمہ ہو گئی شیریں نواؤں سے

کوئی گانے لگا چھپ کر بہشتی آبشاروں میں
ترنّم ریزیاں کرنے لگی فطرت ستاروں میں

ریاضِ خلد میں لہرا گئے جب دل نشیں نغمے
رباب و چنگ کے ہونے لگے افلاک پر چرچے
چٹک کر گلشنِ فردوس میں گانے لگیں کلیاں

خود اپنی ہی نوا پر وجد میں آنے لگیں کلیاں

ہوائیں ٹہنیوں کے ساتھ مل کر گنگنا اٹھیں
حسیں پھولوں کی گردن سے لپٹ کر مسکرا اٹھیں

یہ سب ہم سیفیاں پنہاں تھیں ہوا کے تبسم میں
جواب تاک گونج اٹھتی ہیں فضاؤں کے ترنم میں

تارے!

(۱۹۳۸ء کی ایک نظم)

کسی مہوش کی خاطر جب شفق کے لالہ زاروں میں
ہوا مہرِ منور گم افق کے کوہساروں میں
دریچے کھل گئے گردوں کے مثلِ دیدۂ حیراں
اتر آئیں جہانِ خامشی سے خواب کی پریاں

زمیں سے آسماں تک چھا گئی پُرہول تاریکی
کہ جس سے کانپتی ہے روشنی ماہ درخشاں کی
فضائیں ہو گئیں خاموش فطرت کے اشاروں سے
ہوائیں دم بخود تھیں شام کے مبہم نظاروں سے

یکایک پردۂ اسرارِ قدرت سے صدا آئی
کہ اے خیلِ ملائک حاملانِ عرشِ دارائی
یہی گذرا ہے فکرِ قدرت و ذہنِ مشیت

نہیں ہے آدمؑ و حوّا کا مسکن باغ جنّت میں
تم ان خاکستری پتلوں کو پہنچا دو زمینوں پر
یہ لکھ دو خامۂ تقدیر سے ان کی جبینوں پر
نہ جب تک سختیاں جھیلیں گے یہ نارِ جہنّم کی
بہت دشوار ہے فطرت بدلنا نسلِ آدم کی
ہوئی آگاہ حکمِ غیب سے جب مخلوقِ نورانی
تو فوراً حکم کی تعمیل کی بے عذر و حیرانی
عیاں تھا رنگِ مایوسی نگاہِ حسرت افزا سے
حقیقت میں نہ تھے آگاہ وہ قدرت کے منشا سے
یہ دم بھر کا تماشہ تھا ادھر آئے ادھر لوٹے
زمیں پر آدم و حوا کو تنہا چھوڑ کر لوٹے
خیالِ جنت الفردوس میں رونے لگے آدمؑ
فراقِ روضۂ رضواں میں جاں کھونے لگے آدمؑ
ابھی تک بزمِ ہستی پر اندھیری رات تھی چھائی
وہ تاریکی وہ سناٹا، وہ خاموشی وہ تنہائی
عیاں تھا ہر طرف اک ہیبت خاموش کا منظر
اندھیرے کی حکومت تھی جہاں کے ذرّہ ذرّہ پر
دلِ آدمؑ لرز اٹھا کہ یہ پُر ہول ویرانہ
بجائے جنّتِ فردوس ہے اب میرا کاشانہ

عنانِ صبر چھوٹی ہاتھ سے اور اشک بھر آئے
سرشکِ غم کا یہ عالم کہ طوفاں موج پر آئے

ملائک نے جو دیکھی چشم آدم کی دُر افشانی
زمینِ خشک پر اشکِ مسلسل کی فراوانی

تو وہ تھرا اُٹھے اس منظرِ ناکامی و غم سے
زبسکہ نسبتِ سجدہ تھی اُن کو ذاتِ آدم سے

ملائک نے سرشکِ غم کو ہاتھوں ہاتھ بھر لیکر
بصد اندازِ حرمت ان کو چھڑکا آسمانوں پر

چھڑکتے ہی یکایک اشکِ آدم جگمگا اُٹھے
ذوقِ شادمانی سے فرشتے گنگنا اُٹھے

وہی اشکِ ندامت اب بھی روپ اپنا دکھاتے ہیں
ستارے جن کے راتوں کا مقدر جگمگاتے ہیں

ممتاز

ممتاز رفیع بیگم نام اور ممتاز تخلص ہے۔ مارہرہ وطن ہے بھوپال میں مقیم ہیں۔ آپ کا کلام اکثر ادبی رسائل میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ زبان صاف و شستہ استعمال کرتی ہیں۔ کلام سلجھا ہوا اور پُر کیف ہوتا ہے۔

عید کا چاند

مسرت آشنا ہے عید کا چاند　　نویدِ جانفزا ہے عید کا چاند

ترقی کا سبق ملتا ہے اس سے
جو گھٹ گھٹ کر بڑھا ہے عید کا چاند

جفائے دردِ دل کافور ہو گی
کہ اک شکلِ وفا ہے عید کا چاند

زمانہ آ گیا ہے خرّمی کا
خوشی کی ابتدا ہے عید کا چاند

بہت ہی سر جھکائے آ رہا ہے
عروسِ نو بنا ہے عید کا چاند

ہر اک کے دل میں ہے اس کی محبّت
بہ شکلِ دلربا ہے عید کا چاند

جو یہ آیا تو دردِ دل ہوا کم
مرادِ رو آشنا ہے عید کا چاند

مسرّت کی فضا چھائی ہوئی ہے
بہت ہی غم ربا ہے عید کا چاند

کھلی جاتی ہیں اس سے دل کی کلیاں
بہارِ دلکشا ہے عید کا چاند

جو مہجورِ وطن ہیں ان کے دل پر
یہ شمشیرِ جفا ہے عید کا چاند

نظر آیا ہے اب تو سال بھر میں
کہ خود ہی بن گیا ہے عید کا چاند

بنا ہے مرکزِ اہلِ حقیقت
مگر صدق و صفا ہے عید کا چاند

کسی کی ابروئے پُرخم کے آگے
بہت کچھ جھک گیا ہے عید کا چاند

عزیزانِ وطن کی یاد لے کر
فلک پر آ رہا ہے عید کا چاند

نظر ممتاز کی جچتی نہیں ہے
جمالِ دلربا ہے عید کا چاند

ن

نازؔ

محترمہ نازؔ بلگرامی اورنگ آباد دکن کی رہنے والی اور اردو کی ایک

قابلِ قدر شاعرہ ہیں۔ کلام اکثر خاتونِ مشرق میں چھپتا رہتا ہے آپ کا کلام جذباتی حیثیت سے بلند اور پُرکیف ہے۔ زبان صاف اور طرزِ ادا پاکیزہ ہے نعت و منقبت بھی لکھتی ہیں۔ ایسی نظموں میں آپ کا جوشِ عقیدت جھلکتا ہے۔ کلام سنجیدہ، پُرکیف و بلند ہے۔

زندگانی کٹ رہی ہے ایک ہی امید پر
جی رہی ہوں بس تمھاری آرزوئے دید پر

تم کو کیا احساس اک سرگشتۂ ناشاد کا
تم سے بے دردوں کو درد اک عاشقِ برباد کا

سب بہاریں گلشنِ ہستی کی ویراں ہو گئیں
سب تمنائیں مری خونابہ افشاں ہو گئیں

زندگی کیا ہے اب اک آزار ہے میرے لیے
گلشنِ ہستی کا ہر گل خار ہے میرے لیے

وہ بھی کیا دن تھے کہ میری آرزوئیں شاد تھیں
کیا زمانہ تھا کہ دل کی بستیاں آباد تھیں

یاالٰہی پھر وہی پچھلا زمانہ بھیج دے
پھر وہی عیش و طرب کا کارخانہ بھیج دے

پھر محبت پر بہار آئے تمنا ہو جواں
پھر امیدوں پر شباب آجائے دنیا ہو جواں

پھر چلے بادِ بہاری پھر کھلیں گلہائے عیش
نغمہ ہائے عیش سے معمور ہو دنیائے عیش

کھول دے تو نازؔ پر یارب کتابِ زندگی
حال میں پڑھ لے وہ مستقبل کا بابِ زندگی۔

عقیدت کے پھول

گلشنِ رسالت میں

قلب میں تیری یاد ہے ذہن میں تیری رفعتیں
تجھ پہ نثار ہو جہاں، تجھ پہ نثار دولتیں

قلب میں تیرا ہے جمال، نظروں میں تیرا نور ہے
روح میں تیری عظمتیں، قلب میں تیری برکتیں
سارے جہاں کے آفتاب سارے جہاں کے ماہتاب
سارے جہاں کی کائنات تجھ پہ نثار مدحتیں
تیرے ہی دم سے اے جناب سارا جہاں ہے فیضیاب
وقف ہیں تجھ پہ شوکتیں وقف ہیں تجھ پہ برکتیں
نازؔ پہ بھی نگاہِ لطف کیجئے شاہِ باصفا!
نازؔ کے حال پر بھی ہوں لطف و کرم کی بارشیں

نازؔ

شفیق بیگم نام ہے اور نازؔ تخلص۔ موجودہ دور کی ایک اچھی شاعرہ ہیں۔ اکثر زنانہ رسالوں میں کلام چھپتا ہے۔ کلام صاف اور شستہ ہے

نقابِ عارضِ روشن ہٹا کے مسکرا دینا
ہمارے خرمنِ دل پر ذرا بجلی گرا دینا
خرامِ ناز سے تربت پہ اک ٹھوکر لگا دینا
مری سوتی ہوئی تقدیر کو آکر جگا دینا
لگی ہے آگ سینے میں بھڑکا جاتا ہے دل میرا
ذرا اے چشمِ تر بڑھتے ہوئے شعلے بجھا دینا
نہیں ہے رونے والا کوئی بھی بیکس کی میت پر

تمھیں آکر ذرا اشکوں کے دو قطرے بہا دینا

تمھارے کشتۂ الفت کی بس اتنی وصیت ہے
کہ بعد مرگ ہاتھوں سے مری میت اٹھا دینا

حوادث سے زمانہ کے نہ گھبرانا کبھی اے ناز
خدا کے ہاتھ ہے بگڑی ہوئی قسمت بنا دینا

ناز

ممتاز جہاں نام ہے ناز تخلص کرتی ہیں۔ غزل گو شاعرہ ہیں خوب کہتی ہیں۔ کلام اکثر زنانہ رسالوں میں شائع ہوتا ہے، رنگ یہ ہے:۔

کچھ اس قدر میں کھو گئی تیرے خیال میں
معلوم خود نہیں ہوئی اپنی خبر مجھے

اتنا سکوں نہیں کہ کروں ترکِ مدعا
نیرنگیٔ فلک ہے تمھاری نظر مجھے

حالت پہ ناز کی ہو عنایت کبھی کبھی
بگڑی کبھی بنے گی بتا چارہ گر مجھے

جورِ دنیا سے تنگ دل کیوں ہوں
ہم کو ملتا ہے اس ستم میں لطف

صبح اُمید ہے تجھ کو نشاط
ہم کو آتا ہے شامِ غم میں لطف

عینِ عرفاں ہے خود فراموشی
اپنی ہستی کے ہے عدم میں لطف

قولِ زریں ہے مت بھلا ممتاز
قصرِ دل ہی کے ہے عدم میں لطف



ہرجیس جود خاتون 'نازش'

نازش، محترمہ برجیس جو عرف للین

چمنستانِ دہر میں شاخِ گل سے ایک کلی پھوٹی مگر ابھی کھلنے والی ہی تھی کہ یکایک مرجھا گئی! ——— یہ ہے خلاصہ اس جواں مرگ شاعرہ کی حیات کا جس کا نام برجیس جو خاتون عرف للین (Lillian) اور تخلص نازش تھا!

محترم ڈاکٹر سیّد ریاض الحسن صاحب ڈپٹی ڈائرکٹر سیرم انسٹی ٹیوٹ ایزٹ نگر، بریلی سابق پروفیسر وٹینری کالج لاہور کی دختر تھیں۔ لاہور میں ۲ مارچ سنہ ۱۹۲۶ء کو پیدا ہوئیں۔ اور عین عنفوانِ شباب میں اٹھارہ سال ایک ماہ اور تیرہ یوم زندہ رہنے کے بعد صرف تین دن علیل رہ کر ۱۵ اپریل سنہ ۱۹۴۴ء کو جانِ عزیز جاں آفریں کے سپرد کر دی۔

محترمہ کے مختصر حالاتِ زندگی جو ان کے والد ماجد جناب ڈاکٹر ریاض الحسن صاحب نے راقم الحروف کو لکھ کر دیئے ہیں درج ذیل ہیں:۔

"۲ مارچ سنہ ۱۹۲۶ء کو پیدا ہوئیں، دس سال کی عمر میں (ناظرہ) کلام اللہ ختم کیا جس کی والدین نے خوشی منائی اور بڑی دھوم دھام سے احباب کی دعوت کی۔ اس کے بعد گھر پر انگریزی اور اردو کی تعلیم شروع کی۔ سنہ ۱۹۴۱ء میں پنجاب یونیورسٹی سے تمام مضامین میں "میٹرک کولیشن" کا امتحان پاس کیا اور سنہ ۱۹۴۳ء میں الٰہ آباد بورڈ کے انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں شریک ہوئی مگر اچانک چھوٹے بھائی کے گھر سے چلے جانے کی وجہ سے

سوکس (civics) کے پرچہ میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔
اور امتحان میں رہ گئیں۔ ۱۹۴۶ء میں دوبارہ شامل امتحان ہوئی مگر
ابھی آٹھ ہی پرچے ختم کئے تھے اور تین باقی تھے کہ یکایک نہ ٹلنے
والا بلاوا آگیا۔ اور ۱۵ اپریل کو داعی اجل کو لبیک کہا۔
اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون مرنے سے دو گھنٹے پہلے یہ شعر پڑھا ؎

عرق آیا جبیں پر وقت مردن آئینہ لاؤ
ہم اپنی زندگی کی آخری تصویر دیکھیں گے

بے ثباتی دنیا اور اس کی ظاہرداری کا نقشہ ہر وقت دل میں
رہتا تھا۔ غالب کا مصرع:۔ دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے
تقریباً تکیہ کلام تھا حضرت عالمگیر اورنگ زیب کا یہ شعر بہت
پسند تھا۔

آنچہ ما کردیم بر خود ہیچ نابینا نہ کرد
اندرون خانہ گم کردیم صاحب خانہ را

علاوہ ازیں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رباعی بھی اکثر وردِ زبان رہتی

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگارے ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

مرحومہ ماہ جنوری ۱۹۴۴ء میں مرضِ تپ محرقہ ہذیان میں مبتلا

ہو گئی تھی - اس اثنا میں اپنی تمام تصاویر اور بیاض اور کچھ دیگر کاغذات
خود ضائع کر دئیے - اس لئے زیادہ کلام نہیں ملا -

اپنے اشعار میں کسی دوسرے سے اصلاح نہیں لی - کچھ کلام
لاہور کے مقامی پرچوں اور روہیلکھنڈ اخبار بریلی میں چھپا ہے -

"راقم ریاض الحسن"

مرحومہ اپنے خاندان بھر میں ایک ہی لڑکی تھیں - آپ کی موت نے
خاندان سے اس تنہا لڑکی کو بھی چھین لیا - آپ کی سیرت فضائل و محاسن
کا گنجینہ تھی، آپ غریبوں کی ہمدرد، لاچاروں کی دستگیر اور مصیبت زدوں
کی غمگسار تھیں، طبیعت میں سنجیدگی، انکسار، بردباری اور حلم موجود تھا
علم و ادب سے بڑا گہرا لگاؤ تھا - اگر ۱۹۴۳ء میں چھوٹے بھائی کے
فرار ہو جانے کا حادثہ پیش نہ ہوا ہوتا جس نے محترمہ کو سخت
ذہنی پریشانی میں مبتلا کر دیا تھا تو اب تک آپ بی - اے کی متعلمہ
ہوتیں - سیاسیات میں ام - اے کرنے کا ارادہ تھا - مگر موت کسی کو
نہیں چھوڑتی -

موت ہر شاہ و گدا کے خواب کی تعبیر ہے
اس ستمگر کا ستم، انصاف کی تصویر ہے (علامہ اقبال)

اور ایک پرانی کہاوت ہے ——— ممکن ہے اس میں بھی کچھ سچ
ہو ——— کہ نیک بندے خدا کو بھی جلد ہی پیارے ہو جاتے ہیں
جواں مرگ عارف کی وفات پر مرزا غالب نے ایک دلدوز مرثیہ لکھا

تھا۔ جواں سال نازش کی وفات پر اس مرثیہ کے ایک شعر کو اس طرح پڑھنے کو جی چاہتا ہے،

ہاں اے فلکِ پیر جواں تھی ابھی نازش
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتی کوئی دن اور

ایک انگریزی مقولہ ہے کہ شاعر پیدا ہوتے ہیں بنتے نہیں[1]۔ اور اس مقولہ کی صداقت کی شاہد خود مرحومہ کی حیات ہے۔ گھر کا ماحول شعر گوئی کے لئے نہایت ناموزوں تھا۔ والد کا تعلق سائنس اور علم الابدان سے تھا جس کے متعلق ورڈز ورتھ (Wordsworth) نے شکایت کی ہے کہ

Sweet is the lore which Nature brings;
Our meddling intellect
Mis-shapes the beauteous form of things,
we murder to dissect.

"فطرت حسین و دلکش معلومات و روایات کی حامل ہے!
(لیکن) ہماری خواہ مخواہ دخل اندازی کرنے والی ذہنیت
اشیاء کے پیکرِ حسین کو مسخ کر کے رکھ دیتی ہے!
ہم (حسن کی) تشریح کرنے کے لئے اس کو قتل کر دیتے ہیں"

1. "Poets are born, not made".

والدہ مکتب کی پڑھی ہوئی تھیں، پڑوس میں ہندوستان کے دیگر صوبجات کے باشندے تھے جن کو اردو زبان سے نہ کوئی لگاؤ تھا نہ تعلق، رہائش سرکاری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں تھی۔ اور ملنا جلنا ریلوے کلب کی ممبر بہ دین خواتین سے، ایسے ماحول کو شعر گوئی سے کیا علاقہ پھر بھی مرحومہ کو قسّامِ ازل کی طرف سے یہ ملکہ ودیعت ہوا تھا وہ اس کو اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوئی تھیں غیر مناسب ماحول نے اس جوہر قابل کو اچھی طرح پروان چڑھنے نہیں دیا۔ ورنہ یہ امر یقینی ہے کہ اگر مناسب تربیت و ماحول ملتا اور عمر کچھ اور وفا کرتی تو مرحومہ سپہر ادب کا ایک درخشندہ ستارہ بن کر چمکتیں۔

جیسا کہ محترمی ڈاکٹر سیّد ریاض الحسن صاحب نے تحریر فرمایا ہے مرحومہ کا بیشتر کلام تلف ہوگیا۔ یہ بات بھی راقم الحروف کو یقینی طور پر معلوم ہوئی ہے کہ مرحومہ نے کبھی کسی سے اصلاح نہیں لی۔ پھر مرحومہ کے باقیماندہ اشعار پر جب نظر پڑتی ہے تو حیرت ہوتی ہے کہ اس کم عمری میں اس قدر گہرائی و سنجیدگی اور حقائق و معارف سے اس قدر لگاؤ کیسے پیدا ہوگیا تھا۔

مرحومہ کا جو کلام محفوظ رہ گیا ہے اس میں غزل، نظم، قصیدہ، منقبت، قطعہ، اور رباعی سب کی مثالیں ملتی ہیں۔ مرحومہ کو مذہب سے خاص شغف تھا اور آپ کا کلام مذہبی تعلیمات و روایات کے رنگ میں رچا ہوا ہے، شاعری میں مرحومہ کا ایک مخصوص رنگ ہے۔ حقیقت، معرفت اور

تصوف کی اکثر عمدہ مثالیں آپ کے یہاں ملتی ہیں۔ ذہنی اور روحانی اعتبار سے آپ کا تعلق شعراء کے اس طبقہ سے ہے جس کے پیش رَو خواجہ میر درد تھے، اور دورِ جدید کی شاعرات میں یہ ایک خوشگوار اضافہ ہے اس دور میں خواجہ میر درد کا رنگ تقریب قریب ختم ہوتا جا رہا ہے۔ وہ زمانے نہیں رہے، وہ ماحول مٹ گیا، وہ ذہنیتیں بدل گئیں، اس لئے وہ رنگ بھی لوگوں نے چھوڑ دیا، یا زیادہ صحیح لفظوں میں وہ رنگ ان سے نبھ نہیں سکا۔ اس لئے جب مرحومہ کی زبان سے ایک دفعہ پھر ہم اسی نغمہ کی آواز سنتے ہیں، چاہے وہ کتنی ہی نحیف و کمزور کیوں نہ ہو، تو بے اختیار دل متاثر ہو جاتا ہے اور منھ سے داد و تحسین نکلنے لگتی ہے۔ مرحومہ کی اس رباعی کو پڑھ کر دیکھئے، کیا یہ ایک سترہ اٹھارہ سال کی بے باک و الھڑ لڑکی کا کلام معلوم ہوتا ہے؟

قدرت نہیں مولا کی بیاں پر موقوف ‌ ‌ ‌ ‌ وہ نور ہے خود نور کے اندر ملفوف

کیا مرتبہ نازش کا جو وہ کھولے زباں ‌ ‌ ‌ ‌ اوصاف بھی یکتا ہیں مثالِ موصوف

یا یہ شعر ؎

جو سوال لب پہ آئے تو ہوں واجب ہنر اہیں

یہ ابھی سے کیوں فضا میں ہے صدائے لن ترانی

یا ان کا یہ قطعہ :-

اپنی حالت ہے آج ایسی غیر ‌ ‌ ‌ ‌ سر کسی کا ندھوں پہ ہو گیا ہے بار

پڑھ رہی ہے یہ نازشِ رنجور ‌ ‌ ‌ ‌ رَبّنا وَقِنا عذابَ النّار

لیکن مرحومہ وقت کی ضرورت اور زمانے کے تقاضوں سے بے خبر نہیں

تھیں۔ ان کی نظم "ہندی نوجوان سے خطاب" کے جو اشعار آج باقی رہ گئے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرحومہ کے دل میں اپنے وطن کی پستی و زبوں حالی اور ملک والوں کی بے حسی و بے عملی کا احساس موجود تھا۔ اس نظم میں انھوں نے ہندی سپوتوں کو عمل کرنے اور آگے بڑھنے کی دعوت دی ہے۔

مرحومہ کا کلام جو آپ کے والد ماجد محترمی ڈاکٹر حسن صاحب نے آپ کی مختلف کاپیوں اور کاغذات سے ڈھونڈ کر نقل کیا ہے، درج ذیل ہے:-

غزل

تو ہے خالق دو عالم ترا کام حکمرانی
کہیں گریہ ہو رہا ہے کہیں رقص و شادمانی

یہیں ہوں وقفِ سجدہ ریزی یہی ہے مری زندگانی
"ہے عجیب حیرت افزا یہ طلسم زندگانی"

جو سوال لب پہ آئے تو ہوں واجب سزا میں
یہ ابھی سے کیوں فضا میں ہے صدائے لن ترانی

یہ مرا نیاز دیکھو تمھیں ناز کی قسم ہے
یہی ایک سجدہ مجھ کو ہے حیاتِ جاودانی

مری عاجزی میں پنہاں ہے غرض یہ غیر ممکن
تمھیں منصفی سے کہہ دو ہے روا یہ بدگمانی

تمھیں خوف کیوں ہے اتنا جو بدن لرز رہا ہے
تہ خاک جانا نازش ہے حیاتِ جاودانی

نعت

نبی ہو مصطفےٰ صل علیٰ نورِ خدا تم ہو
تمھیں یٰسین تمھیں طٰہٰ تمھیں نامِ مزمل ہو

تمھارے نور سے پیشانی آدم چمکتی تھی
تمھیں اوّل تمھیں آخر تمھیں ہادی کامل ہو

یہاں زمزم دہاں کو تر پلاؤ جسکو چاہو تم
کہ جانِ مسکدہ تم ہو تمھیں مختار و عامل ہو

جمالِ ہمنشیں نورِ ہدایت بن کے جب چمکا پکار اٹھے ملایک مرحبا نورِ مجمّل ہو

نہیں کچھ خوف اے نازش اگر کرب و مصیبت ہے

پکار و اپنے آقا کو پڑے کیوں نیم بسمل ہو

(قصیدہ در منقبت جناب زینبؓ بنت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا)

گر باغ امکاں باغ ہے پھولوں کی نکہت آپ ہیں

رفعت کی رفعت آپ ہیں صولت کی صولت آپ ہیں

اسلاف کی اجداد کی، دنیا میں عزت آپ ہیں

حسنینؓ پر نوحہ کناں معنیٔ رقّت آپ ہیں

بنتِ علیؓ و فاطمہؓ بنتِ محمدؐ آپ ہیں

خاتونِ جنتؓ کی قسم خاتونِ جنّت آپ ہیں

اے زینبؓ عالی نسب یہ مرتبہ ہے آپ کا

قدسی کھڑے ہیں سرنگوں یہ دبدبہ ہے آپ کا

خورشید ہو کیسے عیاں جب سر کھلا ہے آپ کا

ہیں تابعِ فرماں سبھی یہ شانِ خدا ہے آپ کا

صلواتِ نازش آپ پر یہ ہدیۂ ناچیز ہے

کیا لائے یہ احقر بشر جو چیز ہے ناچیز ہے

وہ جدِّ امجد آپ کے یعنی نبی خیر البشر

صلی اللہ علیہ و آلہٖ اک شان جن کی سربسر

وہ ساکنِ علیین ہیں جائے کہاں ان تک نظر

لولاک ان کی شان ہے، کرتی ہوں قصّہ مختصر
من تشنہ و دل خستہ ام، ایں ہدیۂ ناکارہ است
بہرِ خدا نظرِ کرم، ایں نازشِ بے چارہ است

(نظم "ہندی نوجوان سے خطاب" کے چند اشعار)

تو سو گیا ہے راہ میں، اُٹھ جاگ اے ہندی جواں
سب قافلے منزل پہ ہیں، پیچھے ہے تیرا کارواں
تیرے قویٰ ہیں مضمحل، آنکھیں تری بے نور ہیں
ہشیار ہو ہشیار ہو، ہیں موت کے یہ سب نشاں
مضمون بندی چھوڑ کر، اب تو وغا کی فکر کر
کس کام کی ہے یادِ گل، جب جل چکا ہو آشیاں
ہاں علم ہے دولت بڑی، لیکن ہے محتاجِ عمل
تو بھی بڑھا آگے قدم، قوموں کا ہے یہ امتحاں

قطعہ

اپنی حالت ہے آج ایسی غیر سر بھی کاندھوں پہ ہو گیا ہے بار
پڑھ رہی ہے یہ نازشِ رنجور ربّنا وقنا عذاب النّار

رباعیات

قدرت نہیں مولا کی ہے بیاں کو موقوف --- وہ نور ہے خود نور کے اندر ملفوف

کیا مرتبہ نازش کا جو وہ کھولے زباں
اوصاف بھی یکتا ہیں مثالِ موصوف

کیا خوف ہے اعدا سے جو آہن بن ٹھہرے
رہتے ہیں یہاں جنّ و ملک کے پہرے
نازش کو ہے اللہ و محمدؐ کی پناہ
خود پنجتنِ پاک ہیں دل میں ٹھہرے

قد بھی زیبا ہے نقش بھی رنگ یہ ہیں
دنیا میں سجاوٹ کے سبھی ڈھنگ یہ ہیں
لیکن کسے معلوم ہے نازش یہ راز
کیوں صانعِ قدرت نے رچے رنگ یہ ہیں

اے دل ز شرابِ عشقِ احمدؐ بر خیز
ساقی کی قسم اس سے نہیں ہے کچھ تیز
کافی ہیں مجھے پنجتنِ پاک مرے
کیا خوف اگر دہر ہے فتنہ انگیز

کیا ہی خوش بخت ہیں وہ جو کہ گزر جاتے ہیں
اس سے پہلے کہ زمانہ میں بگڑ جاتے ہیں
کس کو رہنا ہے یہاں غور تو کر تو نازش
وہ ہی خوش بخت ہیں جو عشق میں مر جاتے ہیں

امتحاں دیکھو تو سر پر آ گیا
ہم نے جو کچھ تھا کیا اچھا کیا
اپنے بس میں اور نازش تھا ہی کیا
لیس للانسان الا ما سعی

تضمین

ایسا زمانہ بدلا ہر چیز ہے شرر ریز
ہر سمت اک تباہی طوفان اک بلا خیز

نازش پہ رحم یارب اب ہوگئی ہوا تیز "کشتی شکستہ نیم اے بادِ شرطہ برخیز
باشد کہ باز بینم آں یار آشنا را" (حافظ)

نازکؔ

نازکؔ بیگم نام اور نازکؔ تخلص ہے کسمنڈی کی رہنے والی ہیں۔
دورِ حاضر کی ایک خوشگو اور خوش فکر شاعرہ ہیں، کلام میں بڑا سوز وگداز اور حسرت ہے، آپ کے یہاں شدید جذبات پائے جاتے ہیں حسرت آمیز جذبات کی ترجمانی آپ کے کلام کی ممتاز خصوصیت ہے اور اس پر آپ کو بڑی قدرت حاصل ہے۔

ذرا سی بات تھی عرضِ تمنا پر بگڑ بیٹھے
وہ میری عمر بھر کی داستانِ درد کیا سنتے

وہ عالم ہی عجب تھا سیکڑوں دل میں امنگیں تھیں
نصیحت ابتدائے عشق میں ناصح کی کیا سنتے

یہ حسرت آخری حسرت ہے بیمارِ محبت کی
کسی صورت سے وہ حالِ دلِ درد آشنا سنتے

ہوا ہے جلوہ گاہِ عام میں جلوہ نما کوئی
کبھی اے کاش نازکؔ ہم بھی یہ دلکش صدا سنتے

نثارؔ

نثار فاطمہ نام اور نثارؔ تخلص ہے۔ دورِ حاضر کی ایک بلند پایہ شاعرہ ہیں، نظمیں اور غزلیں دونوں لکھتی ہیں۔ آپ کا کلام سنجیدہ، شستہ اور پُرکیف ہے، جذباتی و وجدانی اعتبار سے بھی اشعار بہت بلند ہوتے ہیں

اسلوبِ بیان پاکیزہ و دلکش ہے کلام و بیان میں پختگی موجود ہے۔

محبّت کیا؟ حکومت دل پہ زنجیرِ سلاسل کی
شکایت کیجیے کس سے جنوں انگیزیٔ دل کی

حصولِ آرزو اور میں، فریبِ آرزو ہے یہ
نگاہیں اب بھی برگشتہ ہیں مجھ سے میرے قاتل کی

وفورِ شوق میں اٹھی تمیزِ مشکل و آساں
شبابِ عشق نے آساں مری ہر ایک مشکل کی

محبت کے سمندر میں بہے جانا ہی مقصد ہے
میں بیگانہ ہوں ساحل سے خبر کیا مجھ کو ساحل کی

خبردار اے نثار ان سے نہ کہنا رازِ اُلفت کا
کہ ناکامی سزا ہے انکشافِ حالتِ دل کی

نجمہ تصدق ام۔اے۔بی ٹی

نجمہ کے خود نوشتہ حالات درج ذیل ہیں جو انھوں نے بڑی عجلت میں سپردِ قلم کئے ہیں چنانچہ خود لکھتی ہیں "جلدی میں جو کچھ ہو سکا بھیج رہی ہوں"۔

"نام شمشاد نجمہ۔ تصدق کسی خاندانی مناسبت سے رکھا گیا۔

پیدائش ۔ جولائی ۱۹۱۷ء

وطن ۔ سیالکوٹ

تعلیم ۔ ام۔اے، بی۔ٹی۔



نجمہ تصدق ایم-اے بی-ٹی



میرا خاندان زمیندار طبقہ سے تعلق رکھتا ہے لیکن ہے قدامت پرست میں نے اپنی تمام تر تعلیم اپنے مکرم بھائی اور شفیق ماں کی بدولت حاصل کی ہے۔ شروع شروع میں مجھے اردو فارسی میں انشاء پردازی کا بیحد شوق تھا۔ لیکن فوراً بعد انقلاب زمانہ نے میرا رخ دوسری طرف پھیر دیا۔ بڑی بہن اور والدہ مرحومہ کی وفات حسرت آیات نے مجھے یکسر زندگی سے بیزار کر دیا۔ چنانچہ میری سب سے پہلی نظم بہن کی یاد میں تھی۔ افسوس ہے کہ وہ نظم زمانہ کے ہاتھوں محفوظ نہ رہ سکی۔ ورنہ وہ ایک نہایت ہی بلند پایہ چیز تھی۔ میری اعلیٰ تعلیم کے سلسلہ میں خاندان بھر میں منافقت کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ سب نے مخالفت کی لیکن میں ان سب باتوں سے بے نیاز اپنی تعلیم میں مصروف رہی لیکن اس دوران میں شاعری کی آگ کچھ عرصہ کے لئے دب گئی بی۔ ٹی کر لینے کے بعد جب میں محکمہ تعلیم میں ملازم ہوئی تو پھر یہ دبی ہوئی چنگاری شعلہ بن کر بھڑک اٹھی۔ پیہم حادثات اور افکار نے میری صحت پر بہت برا اثر ڈالا ہے۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ دائم المریض بنا دیا ہے۔

تعلیمی ضروریات کے بعد جو وقت بھی بچتا ہے وہ مطالعہ کتب یا شغل شعر گوئی میں گزرتا ہے۔ مجھے اپنے کتب خانہ پر ہمیشہ ناز رہا ہے اور رہے گا۔ اس میں بیشمار قدیم کتابیں متعدد زبانوں کی

موجود ہیں۔ افسوس ہے کہ جنگ نے بیرونی ڈاک میں خرابیاں پیدا کر دی ہیں۔ ورنہ اب بھی کبھی کبھی طہران۔ قاہرہ پیرس سے فارسی۔ عربی انگریزی اور دیگر زبانوں کے رسائل آجاتے تھے۔

میری ملنے والیوں کو اکثر مجھ سے شکایت رہتی ہے کہ میں کیوں ان سے کھل کر باتیں نہیں کرتی۔ لیکن سچ کہتی ہوں کہ اگر میں مروتاً کبھی مسکراتی بھی ہوں تو اس مسکراہٹ میں بالکل خلوص نہیں ہوتا۔ کیا کروں۔ آخر دل ہی تو ہے۔ گو ریاضی میرا خاص مضمون ہے اور مجھے تحصیل معیشت کے لئے اسی سے سابقہ پڑتا ہے۔ لیکن میں ہمہ تن اس کی خشک فضا میں ہی سمو کر نہیں رہ گئی۔ میری شاعری پر اس کا کوئی اثر نہیں۔ میری شاعری میرے اس ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہے جس کو حوادث زمانہ نے پیس کر رکھ دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس میں یاس اور قنوطیت کافی حد تک پائی جاتی ہے۔ اگرچہ کہیں کہیں پڑھنے والوں کو رومان اور رنگینی بھی مل جاتی ہے جو ان کے لئے تفنن طبع کا سامان بہم پہنچا دیتی ہے۔

بعض ناقدین کو اعتراض ہے کہ نجمہ عریاں لکھتی ہیں۔ عورت کو اظہار جذبات میں اس قدر بیباک نہیں ہونا چاہئے۔ بجا ارشاد ہے عورت کو اتنا بیباک نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن خیال فرمائیے کہ دل کی آواز کو کیسے دبایا جا سکتا ہے۔ جو دل محسوس کرتا ہے وہ کہہ دینے کو جی چاہتا ہے آخر محسوسات دل کیوں بغیر لگی لپٹی رکھے ظاہر نہ کئے جائیں۔

میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ جو شاعر اپنے واردات قلبی اور محسوسات و مشاہدات کو چھپاتا ہے وہ تصنع اور ریا سے کام لیتا ہے اسے ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔ ورنہ اس کی شاعری کو ادب میں کوئی جگہ نہیں مل سکتی۔" اور نہ وہ صرف خود کو دھوکا دے رہا ہے بلکہ ادب سے بھی بغض روا رکھتا ہے ۔ خیر۔ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

ہاں حضرت علامہ سیماب اکبر آبادی کے دامن تلمذ سے وابستہ ہوں نجمہ تصدق "نجمہ کے سو شعر" ایوان ادب علی گڑھ کی طرف سے شایع ہو چکے ہیں اس کی مرتب آنسہ ناجیہ خانم شردانیہ ہیں ایک اور مجموعہ کلام "انجمستان" شایع ہونے والا ہے۔ آج کل رسالہ ادیب کے حصہ نسواں کی آپ ادارت فرما رہی ہیں۔ شاہکار لاہور، شاعر آگرہ، ساقی دہلی، پیام ادب حیدرآباد دکن۔ مشہور و آجکل دہلی، زیب النسا، حور، بیسویں صدی لاہور میں آپ کا کلام چھپ چکا ہے

نجمہ نے پندرہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا۔ دراصل ان کی شاعری کے اولین محرکات خانگی سانحات تھے جن کے متعلق انھوں نے اپنے حالات میں اشارہ کیا ہے ہمشیر اور والدہ کی وفات نے نجمہ کو رنج و غم کا پیکر بنا دیا تھا۔ اسی تنہائی اور خاموشی کے عالم میں اس حزن و ملال کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے انھوں نے شعر کہنا شروع کیا ظاہر ہے کہ وہ شاعری جس کی اساس اس قسم کے شدید و حقیقی جذبات پر قائم ہو کس قدر بلند ہوگی۔ یہی جذبات کی صداقت آمیز اور بے لاگ ترجمانی ہے جس نے اس جواں سال شاعرہ کو سپہر ادب کا ماہتاب بنا دیا۔

نجمہ انگلستان کے جواں مرگ اور آسماں جاہ شعرا شیلی[2] (Shelley) اور کیٹس[3] (Keats) کی ہمنوا ہے اس کی فطرت شیلی اور کیٹس کی طرح الم نصیب اور رومانیت پرور ہے - اس میں ان ہی شعراء کی طرح احساس جمال اور حُسن شناسی موجود ہے، اس میں انھیں کی طرح جذبات کا ہیجان اور جوانی کا جوش موجزن ہے -

نجمہ کی شاعری خود اس کے ایک مصرعہ کی زبان میں

"سراپا غزل اور مجسم شراب"

ہے، وہ عشق و جوانی کا ایک نغمہ ہے ——— رس بھرا، سرشار، بیخود، تند و تیز بہکا ہوا نغمہ! وہ شباب و محبّت کا ایک طوفان ہے جس میں ہر خیال اسوا

---

[1] محترمہ کے حالات اور کلام عین وقت پر موصول ہوئے ان کو ایک نظر پڑھنے کے بعد جب میں کلام پر تبصرہ لکھنے بیٹھا تو ضمیر جمع غائب کا استعمال میرے لئے مشکل ہوگیا اور بے اختیار قلم سے ضمیر واحد غائب نکل گئی اس میں کوئی سوئے ادب کا پہلو نہیں میرا خیال ہے کہ کبھی کبھی صیغۂ واحد میں جو اختصاص اور احترام ہوتا ہے وہ صیغہ جمع میں نہیں ہوتا - مجھے امید ہے کہ ارباب نظر اور خصوصاً محترمہ نجمہ اس کو اسی نظر سے دیکھیں گی - آپ کا کلام بھی نسبتاً زیادہ پیش کر رہا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ محترمہ نے اپنا کافی کلام ارسال کر دیا تھا اور کلام اس قدر پُرکیف تھا کہ پہلی نظر میں اس میں کچھ زیادہ تخفیف کرنا مشکل تھا

2. Percy Bysshe Shelley (1792-1822)

3. John Keats (1795-1821)

بہہ گیا ہے، وہ ماحول، اخلاق، سماج، غرضکہ اپنے گرد و پیش کی ہر قید و بند سے بے نیاز ہو کر نغمہ زن ہے، یہاں تک کہ خود اس کی ہستی ایک نغمہ بن کر اس کے نغموں میں کھو گئی ہے۔

کچھ نکھرے نکھرے گیت ہیں جو ہونٹوں سے برستے رہتے ہیں
ایک میٹھی میٹھی آگ ہے جو ہر سو بھڑکائے جاتی ہوں
خود اپنی لے کو سنتی ہوں، خوش ہوتی ہوں سر دھنتی ہوں
اشعار میں ڈھال کے اشکوں کو مستی میں گائے جاتی ہوں

اس کی دنیا "شعر و خواب" اور "رنگ و نور" کی دنیا ہے اس میں "ماہ و انجم" کی درخشانی ہے۔

میری دنیا ہے شعر و خواب، رنگ و نور کی دنیا
مہ و انجم کی گویا ضو فشانی لے کے آئی ہوں

اس کی نظر میں دنیا کا ذرّہ ذرّہ عشق و محبّت کا حامل اور عشق و محبّت کا طالب ہے اس کا مستی بھرا پیغام ہے:

عطرِ وفا کی خوشبو سے ظرفِ محبّت کو مہکا
مست نگاہوں سے پی کر نغمہ دنیا پر چھا جا

وہ خود سراپا آغوشِ محبّت ہے ــــ محبّت کا گرم اور دھڑکتا ہوا آغوش

محبّت کا آغوش ہوں میں سراپا
تجھے بھی جو چاہوں تو سانچے میں ڈھالوں

اس کی بیباک اور بیتاب تمناؤں کا تقاضہ ہے کہ

چاندنی ہے بہار خلوتِ ناز
ان کی باہوں میں جھوم جانے دے

اور یہی اس کا مسلکِ حیات ہے اور یہی اس کی شاعری کا پیغام
شعورِ خرد کے اندھیرے میں گھر کے دیئے بے خودی کے جلاتا چلا جا

محبت زندہ دارِ رنگ و بو ہے محبت زندگی کی آبرو ہے

محبت کی دبی داد ملے گی نجمہ گنوا ہیں نہ لمحات حسن و جوانی

اس کے نغموں کے محرکات کیا ہیں — اس کا جواب خود نجمہ کی زبان سے سنئے

مرا دل بھی ہے محسوسات کا آتشکدہ آخر
عجب کیا ہے جو ذوقِ شعر خوانی سیکھ آئی ہوں

اس کی شاعری میں انتہائی ربودگی اور بے خودی ہے اس میں اس درجہ نفاستِ خیال اور لطافتِ بیان ہے اس قدر شعریت اور رنگینی ہے کہ اس کی مثال اردو شاعری میں ڈھونڈھنا مشکل ہے وہ اس قدر گہری داخلیت کی حامل ہے کہ اس میں دل کی دھڑکنوں کی تڑپ موجود ہے

نجمہ بے قرار تو نوید پیامِ صبح ہے!
بن کے ستارۂ سحر چرخ پہ جھلملائے جا

نجمہ کے نغموں کی ایک بہت بڑی خصوصیت ان کی شدید رومانیت

ہے، رومانیت کے اس قدر گہرے اور تابندہ نقوش حیا، آدا، اور شمیم کے یہاں بھی نہیں ملتے،، اس کی رومانیت ایک گہرے دکھ میں ڈوبی ہوئی ایک ابدی ولافانی غم میں سموئی ہوئی ہے ایک حسین و دلدوز تشاکم ہے جو اس کی رومانیت سے بغلگیر ہے، اس کی آنسوؤں سے بوجھل آنکھیں سنہرے خوابوں کی امین ہیں۔

پھر نجمہ سندر سپنوں میں ہنسنے لگے قصر امیدوں کے
پھر ریت کے گرتے ساحل پر بنیاد اٹھائے جاتی ہوں

یہ نور و تاریکی —— دراصل ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں، یہ جگمگاتی اور جھلملاتی ہوئی رومانیت جذبۂ عشق کا جمالی پہلو ہے، اور یہ درد و تڑپ یہ قنوط و یاس اس جذبہ کو لافانی اور لاموت بنا دینے والی گہری حقیقت —— ہر لافانی جذبۂ عشق کی بنیاد، قنوط و یاس ہی پر قائم ہوتی ہے نجمہ کا دل بھی اس لافانی جذبۂ غم کا لذت شناس ہے اور یہی درد و تپش اس کے رومانیت سے بوجھل نغموں کا سنگ بنیاد ہے اس کے دل دردمند کا عالم یہ ہے۔

شب غم کی آنکھوں کا آنسو ہوں نجمہ
یونہی صبح تک جھلملاتی رہوں گی

یہ کیا دبدیا دینے والے مجھے —— مسلسل خلش مستقل اضطراب

رگ زندگی ہوں کہاں مجھ کو راحت
ازل سے میں دکھتی چلی آرہی ہوں

محبت کی میں شام فرقت ہوں نجمہ
مصیبت سے کٹتی چلی جا رہی ہوں

بجھ گئے روشن امیدوں کے چراغ زیست اب اک شام ظلمت بار ہے

چکبست کا خیال تھا کہ شعر میں جب تک نازک خیالی اور رنگینی نہ ہو شعر شعر نہیں ہوتا اور یہ ایک حقیقت ہے خود نجمہ نے "رس" اور "حسن" کو شعر کے لئے لازم اور ضروری قرار دیا ہے۔

نجمہ ہیں شعر و نغمہ سب جال توانہ لیکن
کچھ رس ہو راگنی میں اور حسن شاعری میں

اور نجمہ کا کلام اسی معیار پر بہ تمام و کمال پورا اترتا ہے اس کے یہاں بڑی صفائی اور پختگی پاکیزگی اور دلکشی ہے اس کے کلام کی ایک امتیازی خصوصیت نفاست خیال اور ندرت ادا ہے مثلاً

ان کی آنکھیں زیب تک بہتی ہیں رشکِ کہکشاں
جب کبھی راتوں کو نجمہ یاد آ جاتی ہوں میں[۱]

---

[۱] بہت عرصہ ہوا مولانا صفی گونڈوی نے آنسو کو "ستارہ" اور "ستارہ سحری" ضرور کہا تھا

کیا مرے حال پہ سچ مچ انھیں غم تھا قاصد
تو نے دیکھا تھا ستارہ سر مژگاں کوئی

؎ جو مجھ پہ گذری ہے شب بھر وہ دیکھ لے ہمدم
چمک رہا ہے مژہ پر ستارۂ سحری

مگر آنکھوں میں امڈے ہوئے آنسوؤں کے طوفان کو "رشک کہکشاں" کہنا نجمہ کا حصہ ہے۔

اے دوستِ شوقِ دید کی سرمستیاں تو دیکھ
نجمہ نے تیری راہ میں تارے بچھا دیئے

تو اک بھینی بھینی سی کلیوں کی بُو میں اک کھویا کھویا جوانی کا خواب
دلوں سے، جہاں سے، زمان و مکاں سے
ہیں تار رسیم وفا ہوں، اُٹھی جا رہی ہوں

پھولوں کی بہار اندر ستاروں کی جوانی
ہر چیز ترے مست تبسم پہ لٹا دی
پھر بادِ بہاری نگہ ناز کو کر کے
اس جانِ گلستاں نے کلی دل کی کھلا دی
چھیڑی جو میں نے تیری جوانی کی داستاں
تارے، شراب، پھول، سبو، مسکرا دیئے

ڈاکٹر عندلیب شادانی کی طرح چاند، تارے، چاندنی، اور چاندنی رات نجمہ کا ایک محبوب موضوع ہے اور اس کے اس قسم کے اشعار نہایت بلند اور لطیف ہیں۔

یہ پُر کیف راتیں، یہ رنگیں نظارے یہ میری تمنا، یہ تیری جوانی
تاروں کی مست چھاؤں میں اب بھی کبھی کبھی
کرتی ہوں یاد بھولی ہوئی داستاں کو میں[1]

---

[1] ڈاکٹر عندلیب شادانی

کچھ ایسی ہی فضا، ایسی ہی شب، ایسا ہی منظر تھا
نہ جانے کیوں مجھے یاد آ گئی تاروں کی جھلمل سے

وہ شب تاب جلوے وہ تاروں کی چھاؤں　　　　کبھی میں نے ایسا بھی دیکھا ہے خواب[۱]

وہ مست مست رات وہ بادہ بدست رات　　　　اس مست مست رات کی قیمت نہ پوچھئے

پھیر چھیڑ گئے اُن چاندنی راتوں کا فسانہ

سوئی ہوئی اُمید مرے دل کی جگا دی[۲]

ہلکی ہلکی خنکیوں میں نکھری نکھری چاندنی

داستانِ حسن دہرانے کا موسم آگیا

مسئلہ حُسن و عشق کی بابت دنیا میں ایک تک چار نظریے قائم ہوئے ہیں۔ (ا) عشق خالقِ حسن (ب) حسن خالقِ عشق (ج) حسن و عشق دو مستقل اور قائم بالذات حقیقتیں (د) حسنِ محض۔ اس سلسلہ میں نجمہ پہلے نظریہ کی قائل ہے۔ اس نے اس کا اظہار اپنے کلام میں جابجا نہایت لطیف انداز میں کیا

اعجاز ہیں سب مری ہی تخیلِ حسیں کے　　　　جنت کے نظارے ہوں کہ دوزخ کے شرارے

۱۔ ڈاکٹر عندلیب شادانی

چاندنی، موسمِ گل، صحنِ چمن، خلوتِ ناز
خواب دیکھا تھا کہ کچھ یاد ہے کچھ یاد نہیں

۲۔ فراق گورکھپوری

جب شب مہ میں ان کی نظر اک کہانی ہوتی تھی
بھول بھی جا ان راتوں کو یاد نہ کر ان باتوں کو

ہے اُن کے رنگ و بو میں کچھ خونِ دل بھی شامل
میری بھی کچھ جھلک ہے کلیوں کی تازگی میں [۱]

ان کی نظر میں دیکھ لیا اپنے آپ کو میرا ہی جلوہ مجھ کو دکھا کر چلے گئے [۲]
لیکن حسن و عشق کی ان لطیف اور سبک رنگینیوں کے ساتھ اس کے یہاں ژرف نگاہی، بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ یہ آفاقیت اور یہ وسعتِ نظر ملاحظہ ہو

تارے مرے مشفق مری خورشید مرے
ہمت سے اس جہان پہ چھانے کی دیر ہے
میری نظر نظامِ جہاں کا ہے انقلاب
دنیا کو بے قرار بنانے کی دیر ہے
ہر آدمی ہے اپنی جگہ ایک کائنات
اُجڑے ہوئے دلوں کو بسانے کی دیر ہے

شیلے اور کیٹس کی طرح نجمہ ابھی اس ہیجانی، ہنگامی، طوفانی دور سے گذر رہی ہے جس کو شباب کہتے ہیں وہ شیلے اور کیٹس کی طرح ابھی

---

[۱] مومن نے اس نظریہ کو اس طرح پیش کیا ہے۔

اور ہی رنگ آج ہے عارضِ گلعذار میں خونِ دل اپنا تھا مگر گونۂ رخ طراز میں

[۲] اور اصغر گونڈوی نے اس خیال کو اس طرح ادا کیا ہے۔

ایسا بھی ایک جلوہ تھا اس میں چھپا ہوا اس رخ پہ دیکھتا ہوں اب اپنی نظر کو میں

مشتعل جذبات سے نبرد آزما ہے کبھی ان کی رو میں بہہ جاتی ہے اور کبھی خود ان کو اپنے دامن میں سمیٹ کر بہا لیجاتی ہے۔ یہ ہے حقیقت اس عریانی کی جس کے متعلق خود نجمہ نے اپنے حالات میں اشارہ کیا ہے اور جس کی بنا پر اس کے اکثر ناقدین نے اس پر اعتراض کیا ہے لیکن در اصل وہ ترجمانیِ جذبات کے علاوہ اور کچھ نہیں اور خالص شاعرانہ اور ادبی نقطۂ نگاہ سے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا، رہا اخلاقی سوال تو توقع ہے کہ کیٹس کی طرح عمر و زمانہ خود اس کے جذبات کے اشتعال کو سکون و سنجیدگی سے آشنا کر دیگا اور یہ توقع بے بنیاد نہیں۔ چونکہ آج بھی اس کے یہاں ایسے اشعار ملتے ہیں جن میں زندگی کے تقاضوں کی ہمہ گیری اور وسعت و آفاقیت موجود ہے

حوادث سے بچنا بڑی بزدلی ہے　　زمانے کا ہر غم اٹھاتا چلا جا[۱]

تری نظر سے چمن سازِ سرمدی بن جائے
کلی کلی کی زباں سے پیام پیدا کر[۲]

---

[۱] علامہ اقبال

بدریا غلط و با موجش در آویز　　حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

[۲] علامہ اقبال رح

خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو
سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر　　(بالِ جبریل ۱۹)

کسی کے رُخ کے حجابات خود بخود اُٹھ جائیں
نگاہِ پاک، دلِ پختہ کام پیدا کر
قدم چومے گی منزل ذوق میں کر بال و پر پیدا
سراپا شوق بن آگے نکل جا کاروانوں سے

جہاں تک اس کے آرٹ کا تعلق ہے وہ نکتہ چینی اور عیب جوئی سے بالاتر ہے، اس عمر میں نجمہ نے جس بلند اور پختہ آرٹ کی مثالیں پیش کی ہیں وہ یقیناً لائقِ تحسین و ستائش ہیں۔

نجمہ کے آرٹ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے جذبات کے اظہار کے لئے نہایت موزوں الفاظ، اور مترنم بحریں انتخاب کرتی ہے اُس کے نغموں میں بڑی موسیقیت ہے اور یہ خصوصیت اس کے اشعار کے کیف کو اور بڑھا دیتی ہے، آہنگ و ترنم کے سلسلہ میں خود اس کا یہ شعر اسی کے کلام پر صادق آتا ہے۔

جن پہ موسیقیوں کو وجد آئے ہائے اس مست نازکی تانیں

اس کے کلام میں جذبات کی جو شدت اور گرمی، جو حرارت، صداقت اور زندگی ہے وہ اس بات کی کافی ضمانت کہ وقت اور زمانہ اس کو آسانی سے نہیں مٹا سکتا۔

کچھ اشعار کے علاوہ ذیل کا سب کلام محترمہ کا ارسال کیا ہوا ہے۔ ترتیب میری ہے۔

غزلیات

خود مٹ گئی نہ پا سکی تیرے نشاں کو میں
سمجھی تھی سہل شوق کی راہ گراں کو میں[1]

یہ آرزوئے جوشِ تجسس کا ہے مآل
بھولا ہے کارواں مجھے اور کارواں کو میں

سوزِ جنوں کی آگ سے اک روز پھونک دوں
وہم و گماں کو، جذبۂ سود و زیاں کو میں

تاروں کی سمت چھاؤں ہیں اب بھی کبھی کبھی
کرتی ہوں یاد بھولی ہوئی داستاں کو میں[2]

ہر ہر قدم پہ میری جبیں سجدہ ریز ہے
کعبہ سمجھ رہی ہوں تیرے آستاں کو میں

نجمہ نہ پوچھ مجھ سے مری داستانِ زیست
المختصر کہ یاد رہوں گی جہاں کو میں[3]

---

[1] خواجہ حافظ الا یا ایّھا السّاقی ادِر کاساً وّ ناوِلھا
کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا

[2] ڈاکٹر عندلیب شادانی
کچھ ایسی ہی فضا، ایسی ہی شب ایسا ہی منظر تھا ⁂ نہ جانے کیا مجھے یاد آ گیا تاروں کی جھلمل سے

[3] بہزاد (؟) یادگارِ زمانہ ہیں ہم لوگ ⁂ یاد رکھنا فسانہ ہیں یہ لوگ

افسانۂ نگاہِ محبت نہ پوچھئے
کہتے ہیں کس کو حشرِ مسرت نہ پوچھئے

وہ مست مست رات وہ بادہ بدست رات
اس مست مست رات کی قیمت نہ پوچھئے

ہوتی ہے دل میں اک خلشِ بیقرار سی
واللہ اس نظر کی شرارت نہ پوچھئے

عالم تمام آنسوؤں کا ایک سیل تھا
مجھ سے فسانۂ شبِ فرقت نہ پوچھئے

راتوں کو کر رہی ہوں ستاروں سے گفتگو
مجھ سے مرے جنوں کی حکایت نہ پوچھئے

کیا ہو گیا ہے آپ کی نجمہ کو کیا کہوں
حالت نہ پوچھئے مری حالت نہ پوچھئے

یہ مے، یہ فضائیں، یہ جنوں ریز نظارے
اے کاش کوئی مجھ کو حسیں نے میں پکارے

اعجاز ہیں سب میری ہی تخئیلِ حسیں کے
جنت کے نظارے ہوں کہ دوزخ کے شرارے

یہ کون میری روح کی گہرائی میں جھولا
یہ کس نے مرے بگڑے ہوئے حال سنوارے

جب ناتک بہائے گا مرے حال پہ آنسو
او میری محبت کے چمکتے ہوئے تارے

برساتا ہوا پھول تبسم کی نظر سے
آ دل کے شعلے میں جوانی کو اُبھارے

نجمہ نہ کہیں مجھ کو گنہگار بنادیں
یہ بہکی ہوئی رات، یہ ہنستے ہوئے تارے

ہم نے جو دردِ دل کے فسانے سنا دیئے
آنکھوں سے کائنات کی آنسو بہا دیئے

اللہ رے ابتدائے محبت کی بیخودی
ہم نے حجابِ دید کے جھگڑے مٹا دیئے

توبہ کا پاس تھا مجھے لیکن میں کیا کروں
تیری نگاہِ مست نے ساغر پلا دیئے

اتنا بلند ذوق نہیں اہلِ عشق کا
یہ کیا سمجھ کے حسن نے آنسو بہا دیئے

چھیڑی جو میں نے تیری جوانی کی داستاں
تارے شراب پھول سبو مسکرا دیئے

اے دوستِ شوقِ دید کی سرمستیاں تو دیکھ
نجمہ نے تیری راہ میں تارے بچھا دیئے

اس نگاہِ مست سے جب وجد میں آتی ہوں میں
کیف و رنگ و نور کی دنیا پہ چھا جاتی ہوں میں

کیا کہوں کیا ہے محبت کا فریبِ خود نگر
دیکھتی ہوں جس طرف خود ہی نظر آتی ہوں میں

چاہتی تو ہوں کہ موجوں سے رہوں دامن کشاں
کشتیٔ غم ہوں بھنور میں پھر بھی آ جاتی ہوں میں

صبح تک ٹھہرا نظر آتا ہے دورِ آسماں
جب تصوّر میں ترے راتوں کو کھو جاتی ہوں میں

جام گر پڑتا ہے ساقی تھرتھرا جاتے ہیں ہاتھ
تیری آنکھیں دیکھ کر نشے میں آ جاتی ہوں میں[1]

---

[1] سوداؔ
کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سوداؔ
ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

ان کی آنکھیں دیر تک رہتی ہیں رشکِ کہکشاں
جب کبھی راتوں کو نجمہ یاد آجاتی ہوں میں

جلووں کو باریاب کئے جارہی ہوں میں
قلب و نظر خراب کئے جارہی ہوں میں

بیداریوں کی شمع جلا کر جہاں میں
تجدیدِ انقلاب کئے جارہی ہوں میں

بہکی ہوئی ہوں میں لطیف جوانی کے کیف سے
ہر چیز کو شراب کئے جارہی ہوں میں

کتنا بلند ہے میری تعمیر کا مذاق
تاروں کو آفتاب کئے جارہی ہوں میں

کیوں ہیں گناہِ عشق سے ڈرتی ہوں اس قدر
ہستی کو کیوں عذاب کئے جارہی ہوں میں

نجمہ نگاہِ شوق کو حدِّ نگاہ تک
جلووں سے فیضیاب کئے جارہی ہوں میں

عشق روحِ رواں نہ ہوجائے ——— یہ بلا جزوِ جاں نہ ہوجائے[۱]

---

[۱] علامہ اقبالؒ

پریشاں ہو کے میری خاک آخر دل نہ بن جائے
جو مشکل اب ہے یا رب پھر وہی مشکل نہ بن جائے (بالِ جبریل)

مجھ کو دیکھو نہ مست نظروں سے ضبطِ دل رائیگاں نہ ہو جائے
الاماں تیری محشر آرائی ذرّہ ذرّہ جہاں نہ ہو جائے
یہ تیری انکھڑیوں کی دل طلبی پھر تمنّا جواں نہ ہو جائے
یہ حوادث یہ درد یا اللہ! زیست بارِ گراں نہ ہو جائے

یہ میری داستانِ غم نجمہ
حُسن کی داستاں نہ ہو جائے

یہ دور کی وادی سے مجھے کس نے صدا دی اک آگ مرے دل میں محبت کی لگا دی
پھولوں کی بہار اور ستاروں کی جوانی ہر چیز ترے مست تبسم پہ لٹا دی
یہ کون مری سوچ کی گہرائی میں جھوما اُجڑی ہوئی بستی یہ مری کس نے بسا دی
وہ بات جسے دل نے چھپایا تھا بمشکل دنیا کو تری مست نگاہوں نے بتا دی
پھر جھومنے لگے روح سے رنگین شرارے پھر ہجر کی روداد پپیہے نے سنا دی
پھر کر دیا مدہوش مجھے ہوش میں لا کر پھر مست نگاہوں نے نگاہوں کو پلا دی
پھر چھیڑ کے ان چاندنی راتوں کا فسانہ سوئی ہوئی امید مرے دل کی جگا دی
پھر بادِ بہاری نگہِ ناز کو کر کے اس جانِ گلستاں نے کلی دل کی کھلا دی
اس شرمِ جفا پر تری قربان وفائیں جب شکوۂ بیداد کیا آنکھ جھکا دی

۵ مؤلف اصغرؔ ۵

دل کی دنیا تڑپ اٹھی پھر آج آگ دل میں بھڑک اٹھی پھر آج
اس نے دیکھا کچھ اس طرح سے مجھے ساری ہستی لرز اٹھی پھر آج

پھر ہنستی ہوئی آنکھوں سے دیکھا ہے مجھے نجمہ
پھر سینۂ تارِ رباب میں اک شمع جلا دی ہے[1]

کہو تو میں اپنے غموں کی کہانی ۔ سنا دوں تمھیں آنسوؤں کی زبانی
فنا ہو گیا آدمی عشق کر کے ۔ خرد کی کوئی بات اس نے نہ مانی
بجھے آنسوؤں سے نہ آہوں سے کم ہو ۔ محبت ہے اک آتشِ غیر فانی
یہ پُر کیف راتیں، یہ رنگیں نظارے ۔ یہ میری تمنا، وہ تیری جوانی
مرا سوزِ پنہاں، ترا سازِ پیہم ۔ کہانی سے ہوتی ہے پیدا کہانی
زمانے میں مجھ کو نہ بدنام کر دے ۔ مرے حال پر یہ تری مہربانی

محبت کی دیں داد جل جل کے نجمہ
گنوائیں نہ لمحاتِ حسن و جوانی

جب مرے پاس وہ نہیں ہوتے ۔ اُن سے ہوتی ہیں راز کی باتیں[2]
ختم ہوں گی نہ حشر کے دن تک ۔ دلِ حسرت نواز کی باتیں
نغمۂ شوق میں نے کیوں چھیڑا ۔ کون سمجھے گا راز کی باتیں
یاد آ آ کے گدگداتی ہیں ۔ حسنِ خاطر نواز کی باتیں
پھونک دیں تلخیٔ حوادث کو ۔ آ کریں سوز و ساز کی باتیں
جن پہ موسیقیوں کو وجد آئے ۔ ہائے اس مست ناز کی باتیں[3]

۱؎ مؤلف اختر: ؎ نظرِ التفات پھر اٹھی ؛ آج شعلوں میں جل رہا ہوں میں

۲؎ مومن:- تم مرے پاس ہوتے ہو گویا ؛ جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

۳؎ مومن:- اس غیرتِ ناہید کی ہر تان ہے دیپک ؛ شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

تم نہ سمجھے تو کون سمجھے گا میری راز و نیاز کی باتیں

لب پہ پھر سکوت ہو نجمہ
ہوں نگاہوں سے راز کی باتیں

کب نگاہیں ملائیں گے ہم تم کب قیامت اٹھائیں گے ہم تم
جھوم اٹھیں گے ماہ و انجم بھی کبھی وہ گیت گائیں گے ہم تم
جس سے ہو جائے گی فضا رنگیں ایسی ہولی منائیں گے ہم تم
راہ روکے گا تو نصیب کو بھی ٹھوکروں میں اڑائیں گے ہم تم
ہیں رگ حسن ہم رگ الفت یونہی دکھ پائے جائیں گے ہم تم
تم ہو اک چاند میں ہوں اک تارا عرش پر جگمگائیں گے ہم تم
آگ غم کی اگر بھڑک اٹھی آنسوؤں سے بجھائیں گے ہم تم

چاند تاروں سے دور اے نجمہ
اپنی دنیا بسائیں گے ہم تم

مرے لب پر حدیث آرزو ہے نہ جانے کون میرے روبرو ہے
محبت زندہ دارِ رنگ و بو ہے محبت زندگی کی آبرو ہے
مرے خاموش دل میں شام فرقت یہ کیسا شعلۂ اکسیں ہائے و ہو ہے
اسی کی رو میں دنیا بہہ رہی ہے جوانی ایک موجِ رنگ و بو ہے
محبت میں یہ کیسا وقت آیا ہماری خامشی بھی گفتگو ہے
کسی کی یاد سے تازہ کریں دل روپہلی چاندنی ہے آب جو ہے
تجھے مل جائے نجمہ دولت غم میرے دل کی یہی اک آرزو ہے

ناچیز ہوں مگر ترے آنے کی دیر ہے
ذرّے کو آفتاب بنانے کی دیر ہے

اہلِ زمانہ چونکنے والے ہیں خواب سے
ان غافلوں کا شانہ ہلانے کی دیر ہے

دنیا تڑپ اُٹھے گی محبت کے ذکر سے
اک داستانِ درد سنانے کی دیر ہے

تارے مرے شفق مری خورشید و مہ مرے
ہمّت سے اس جہان پہ چھانے کی دیر ہے

میری نظر نظامِ جہاں کا ہے انقلاب
دنیا کو بیقرار بنانے کی دیر ہے

ہر آدمی ہے اپنی جگہ ایک کائنات
اُجڑے ہوئے دلوں کو بسانے کی دیر ہے

سنتی ہوں شامِ ہجر کی تکمیل درد ہیں
بس ایک میرے غم کے فسانے کی دیر ہے

آخر سنبھل ہی جاؤں گی دنیا عشق ہیں
دو چار بار ٹھوکریں کھانے کی دیر ہے

تجھ کو سناؤنگی میں محبت کی داستاں
اے دوست تیرے دیس میں آنے کی دیر ہے

جھومے گی رات وجد میں آئے گی کائنات
نجمہ ترے ستار اُٹھانے کی دیر ہے

ساماں صد بہار کئے جا رہی ہوں میں
خود سے تجھے دوچار کئے جا رہی ہوں میں
جادو نگاہِ شوق نہیں پھر بھی حسن کو
مدت سے گرچہ دیکھ رہی ہوں خود اپنی راہ
آنکھوں میں کھبنے ڈال کے اس مست آنکھ کو
آنا کسی کا آج بھی ممکن نہیں مگر
آہٹ سی پا رہی ہوں تسی دل کے آس پاس
اس طرح غم کا بھولنا آساں تو نہیں

داغ اپنے آشکار کئے جا رہی ہوں میں
غفلت کو ہوشیار کئے جا رہی ہوں میں
آیا ہوا سا پیار کئے جا رہی ہوں میں
تیرا ابھی انتظار کئے جا رہی ہوں میں
ناخستہ ہوشیار کئے جا رہی ہوں میں
کیوں دیر سے سنگار کئے جا رہی ہوں میں
یا تجھ کو راز دار کئے جا رہی ہوں میں
کیوں خود کو سوگوار کئے جا رہی ہوں میں

مقصودِ تجربہ ہے کہ آغازِ عشق کو
انجام سے دوچار کیے جا رہی ہوں میں

تجھ سے بھی کر رہی ہوں الگ تجھکو ہاں تجھے
یکتائے روزگار کیے جا رہی ہوں میں

اپنی نگاہِ شوق سے دنیائے حسن کا
ہر راز آشکار کیے جا رہی ہوں میں

دنیا سدا بہار، محبت سدا سہاگ
کیوں نالہ بار بار کیے جا رہی ہوں میں

نجمہ اب آچلی ہے ستاروں کو نیند سی
کیوں ان کا انتظار کیے جا رہی ہوں میں

قربت بھی بعد ہے یہ بنا کر چلے گئے
اک چیستاں وہ اور بنا کر چلے گئے

خود کو وفور وارفتگی ہستی سے کر چلے گئے
وہ مجھ کو شرمسار بنا کر چلے گئے

اب وہ نہیں تو ڈھونڈتی ہوں اپنے آپ کو
مجھ کو مجھی سے آج چھپا کر چلے گئے

کچھ مسکرا رہی تھیں نگاہیں دمِ وداع
کچھ بجلیاں سی دل پہ گرا کر چلے گئے

تھی حسرتِ خاک پھر بھی تھی شائستہ کرم
کیوں مجھ سے دامن اپنا بچا کر چلے گئے

دل سے نکل کے دل ہی میں پھر خندہ زن گئے
تفریقِ قرب و بعد مٹا کر چلے گئے

ان کی نظر میں دیکھ لیا اپنے آپ کو
مجھ کو مرا ہی جلوہ دکھا کر چلے گئے

جس رہگذارِ شوق سے ان کا گزر ہوا
اک شمع آرزو کی جلا کر چلے گئے

ہونٹوں کا وہ سکوت نگاہوں کا وہ خطاب
اک داستانِ شوق سنا کر چلے گئے

اب ہے جدھر نگاہ اُدھر جلوہ گاہ ہے
وہ کائناتِ شوق پہ چھا کر چلے گئے

نجمہ غم و نشاط میں اب فرق ہے محال
ایسا وہ دردِ دل میں اٹھا کر چلے گئے

کریں یاد تم کو کہ دل سے بھلا دیں
ہم آخرِ غمِ عشق کو کیا بنا دیں

ڈبو کر غموں کے سمندر میں خود کو
محبت کی کشتی کنارے لگا دیں
خرابات عالم کی ویرانیوں سے
اگر ہو سکے زندگی کو صدا دیں
مٹا دیں وہ سارے زمانہ کو لیکن
یہ ممکن نہیں نقش الفت مٹا دیں
حیات محبت کی تکمیل کر کے
حد موت اور زندگی کی ملا دیں
نگاہیں تری پھیرنے پر جو آئیں
رلا کر ہنسا دیں ہنسا کر رلا دیں
محبت سے مخمور کر کے دلوں کو
ان اجڑی ہوئی بستیوں کو بسا دیں
بسر منزل دوست اہل محبت
مقدر کو بھی ٹھوکروں میں اڑا دیں
وہ نقش وفا ہوں جسے وہ نگاہیں
گھٹا دیں بڑھا دیں بنا دیں مٹا دیں
محبت عبادت بھی جرم و خطا بھی
وہ کس کو جزا دیں وہ کس کو سزا دیں
ترے عشق کے درد سے مسکرا کر
شبستان غم کو نہ کیوں جگمگا دیں

کہانی کہیں شام فرقت کی نجمہ
ستاروں کو کچھ آپ بیتی سنا دیں

اسی آئینے میں امروز فردا دیکھ لیتی ہوں
تری اٹھتی جھکی نظروں میں کیا کیا دیکھ لیتی ہوں
کبھی دنیا کے اندر کچھ نظر آتا نہیں مجھ کو
کبھی اپنے ہی اندر ایک دنیا دیکھ لیتی ہوں
کبھی صحرا میں آتے ہیں نظر گلزار کے جلوے
کبھی میں دامن گلشن میں صحرا دیکھ لیتی ہوں
میری دوشیزگی جب پھول بن کر مسکراتی ہے

گناہِ عشق کا دامن پہ دھبا دیکھ لیتی ہوں

فنا بھی ہے بقا بھی ہے نگاہِ شوق ساماں ہیں
عدم اندر عدم دنیا میں دنیا دیکھ لیتی ہوں

سمجھتی ہوں کہ یہ بھی اک فریبِ حسن ہے لیکن
نگاہِ ناز میں شرم تمنّا دیکھ لیتی ہوں

کہیں بیتابیاں گم ہو سکی ہیں قربِ جاناں سے
نگاہیں شاد ہو جائیں بس اتنا دیکھ لیتی ہوں

وہ آنکھیں دیکھ کر ہیں اک شانِ بے نیازی سے
قدح خانے میں سمتِ جام و مینا دیکھ لیتی ہوں

کسی کے ڈبڈباتے آنسوؤں میں پچھلی راتوں کو
میں نجمہ اپنی قسمت کا ستارا دیکھ لیتی ہوں

بیخودی کے ساز پر گانے کا موسم آگیا
آگیا پی کر بہک جانے کا موسم آگیا

رنج و غم سے دل کو بہلانے کا موسم آگیا
تلخیوں سے لذتیں پانے کا موسم آگیا

یاس کے پردوں میں پھر اُمید نے لیں کروٹیں
پھر فریبِ زندگی کھانے کا موسم آگیا

پھر پیامِ آمدِ جاناں سکونِ شام ہے
سیج پر کلیوں کے کھل جانے کا موسم آگیا

یہ تڑپ یہ درد یہ رگ رگ میں ہلکی سی کسک
یہ شباب آیا کہ مرجانے کا موسم آگیا
توڑ کر ہمدم ہر اک رسم و رہِ کونین کو
لغزشوں پر لغزشیں کھانے کا موسم آگیا
ہلکی ہلکی خنکیوں میں نکھری نکھری چاندنی
داستانِ حسن دہرانے کا موسم آگیا
دردِ فرقت میں بھی قربت کی جھلک سی آچلی
اب تو دل ہی دل میں للچانے کا موسم آگیا
پھر گلِ رخسار ہوں گے شبنمستاں در کنار
اشکِ غم کے پھر بکھر جانے کا موسم آگیا
وادیٔ الفت میں نجمہ پھر بھٹکتے ہیں قدم
ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھانے کا موسم آگیا

سینے میں میرے جوشِ محبت کو دیکھ لے
سامانِ صد ہزار قیامت کو دیکھ لے
کیوں بادہ خواریوں کی اٹھاتا ہے زحمتیں
مستی بھری ان آنکھوں کی حالت کو دیکھ لے
رودادِ آزمایشِ فرہاد و قیس کیا
اے دل تو آج اپنی ہی ہمت کو دیکھ لے
فرصت ہو سیرِ لالہ و گل سے اگر تجھے

اے دوست میری غول شدہ حسرت کو دیکھ لے

تو آفتابِ حشر ہے میں ہوں شبِ فراق
آ اور میری صبحِ قیامت کو دیکھ لے

پھر کر سکے نہ تذکرۂ آہوئے حرم
کوئی اگر اس آنکھ کی وحشت کو دیکھ لے

پھر بجلیاں چھپیں گی نہ تیری نگاہ میں
اک دن تو میری شوخ طبیعت کو دیکھ لے

نشتر بھی تو ہے مرہمِ زخمِ نہاں بھی تو
اے چشمِ یار دل کی جراحت کو دیکھ لے

نجمہ ترے بدلتے ہی دنیا بدل گئی
کونین کی پھری ہوئی قسمت کو دیکھ لے

الٰہی کون نظروں کے مقابل ہوتا جاتا ہے
کہ دل کا ذرّہ ذرّہ ماہِ کامل ہوتا جاتا ہے

خدا رکھے ترے دردِ محبّت کو خدا رکھے
یہی اک زندگانی بھر کا حاصل ہوتا جاتا ہے

شعور و ذہن میں اک روشنی محسوس کرتی ہوں
میری ہستی میں آخر کون شامل ہوتا جاتا ہے

کوئی اے ناخدا تدبیر بھی ہے پار اترنے کی
سفینہ زندگی کا غرقِ ساحل ہوتا جاتا ہے

کسی کے شوخ جلووں کی کرشمہ زائیاں توبہ
وہ عارف ہوتا جاتا ہے جو غافل ہوتا جاتا ہے

گل و لالہ سے اکثر چوٹ لگتی ہے مگر پھر بھی
دلِ ناداں بہاروں کے مقابل ہوتا جاتا ہے

نہ جانے کون سا یہ راہِ الفت میں مقام آیا
کہ تیرا درد ہی اب تو مرا دل ہوتا جاتا ہے

سلجھتی ہی نہیں ہیں عشق سے بھی زیست کی گرہیں
کہ دردِ غم ہی دردِ غم کا حاصل ہوتا جاتا ہے

کسی نے رس بھری نظروں سے دیکھا اس طرح مجھ کو
کہ نجمہ بے نیازِ دو جہاں دل ہوتا جاتا ہے

محبت میں کیا دوں محبت میں کیا لوں — تجھے دے کے دل تجھ کو اپنا بنا لوں
ادھر آؤ پہلو میں تم کو بٹھا لوں — ذرا حوصلے اپنے دل کے نکالوں
وفورِ محبت بھی ہے اک مصیبت — میں تجھ کو سنبھالوں کہ خود کو سنبھالوں
گلستاں گلستاں خیاباں خیاباں — تجھے دیکھ کر غنچۂ دل کھلا لوں
ابھی کر دوں مجبورِ تسخیر عالم — ذرا ان آنکھوں کے جادو جگا لوں
دلِ مضطرب کو میں دوں گی سکوں بھی — دھڑکنے کا اس کے کچھ انداز پا لوں
دوام و بقا میرے بس میں ہے غافل — بنوں گی مگر نقشِ ہستی مٹا لوں
بڑھا دوں ذرا وسعتیں اپنے دل کی — ترے درد کا حوصلہ آزما لوں
مقدر سے تدبیر کی کب چلی ہے — نہ آئے مجھے موت گر زہر کھا لوں

محبت کا آغوش ہوں میں سراپا تجھے بھی جو چاہوں تو سانچے میں ڈھالوں

غم دوست اک روز مٹنا ہے تجھ کو ابھی اور کچھ دن ترے کام آلوں

اُفق پر ہیں پھر جگمگاؤں گی نجمہ

دریا پر پہلے قسمت جگالوں

طلب میں تری بچ کے میں کشمکش جہت سے

کسی سمت کھنچتی چلی جا رہی ہوں

مجھے کھو دیا تیری فرقت نے ایسا

خود اپنی نظر سے چھپی جا رہی ہوں

دل افسردہ، لب خشک، آنکھیں بھی پُرنم

مگر مسکرائے چلی جا رہی ہوں

رگِ زندگی ہوں کہاں مجھ کو راحت

ازل سے ہیں دکھتی چلی جا رہی ہوں

دلوں سے جہاں سے زمان و مکاں سے

ہیں رسم وفا ہوں اُٹھی جا رہی ہوں

جہاں میں ہے رفتار میری انوکھی

لجیدہوش و صد بیخودی جا رہی ہوں

محبت محبت، زمانہ زمانہ

پیا ہے بدلتی چلی جا رہی ہوں

ترے عشق کی بن گئی ہوں کہانی

کہی جا رہی ہوں سُنی جا رہی ہوں

محبت کی میں شامِ فرقت ہوں نجمہ

مصیبت سے کتنی چلی جا رہی ہوں

کیونکر گزر رہے ہیں مری زندگی کے دن / یہ میں تمھیں بتا نہیں سکتی ہوں کیا کروں

مجھ کو ترے فراق کا احساس ہے مگر / میں ترے پاس آ نہیں سکتی ہوں کیا کروں

یہ ٹھنڈی ٹھنڈی آگ محبت کہیں جسے / یہ آگ میں بجھا نہیں سکتی ہوں کیا کروں

نجمہ ترے خیال میں برباد ہو گئی

یہ بات اب چھپا نہیں سکتی ہوں کیا کروں

میں بجھ گئی کہ نبضِ دو عالم ہی بجھ گئی / دنیا ترے بغیر نہ بہلا سکی مجھے

کچھ ایسی بے دلی سے گزرتی گئی حیات / جی ہی سکی میں اور نہ موت آ سکی مجھے

دنیا ہمہ نشاط و جوانی سہی مگر / دنیا کسی فریب میں کب لا سکی مجھے

آئی تھی بیخودی میں صدائے سکوں کبھی / آوازِ بازگشت نہ پھر آ سکی مجھے

میرا ہی تھا یہ ظرف کہ ان حادثوں میں بھی / یہ تلخیٔ حیات نہ گھبرا سکی مجھے

نجمہ یہ میں، یہ سیلِ حوادث، یہ شامِ غم

حیرت نہیں اجل نہ اگر پا سکی مجھے

لرزاں ہیں جو روح کے پردوں میں انوار لٹائے جاتی ہوں

ہستی کے ذرّے ذرّے کو خورشید بنائے جاتی ہوں

کچھ نکھرے نکھرے گیت ہیں جو ہونٹوں سے برستے رہتے ہیں

اک میٹھی میٹھی آگ ہے جو ہر سو بھڑکائے جاتی ہوں

خود اپنی لے کو سنتی ہوں خوش ہوتی ہوں سر دھنتی ہوں
اشعار میں ڈھال کے اشکوں کو مستی میں گائے جاتی ہوں

دل اکثر چوٹیں سہتا ہے اور چپ چپ روتا رہتا ہے
گو سرتاپا غم ہوں لیکن ہنستی ہوں ہنسائے جاتی ہوں

موہوم سی ایک تمنا کی خاطر، یہ حوادث تو بہ ہے
پھولوں کی محبت میں کانٹے آنکھوں سے لگائے جاتی ہوں

کیا جانے کس سے کہتی ہوں خوابوں کے سنہرے افسانے
ٹھہرو کہ ابھی میں آتی ہوں، ٹھہرو کہ بن آئے جاتی ہوں

معلوم کبھی یہ ہوتا ہے محصور ہوں چاند ستاروں میں
محسوس کبھی یہ کرتی ہوں ذروں میں سمائے جاتی ہوں

نجمہ پھر سندر سپنوں میں بننے لگے قصر امیدوں کے
پھر ریت کے گرتے ساحل پر بنیاد اٹھائے جاتی ہوں

آ، کہ سینے سے لگا کر دوں تمھیں دادِ وفا — یہ سُنا پہرا یہ غم یہ چشم تر میرے لئے
دن ترے نوروز، رنگا رنگ ہیں راتیں تری — اور یہ ویرانیٔ شام و سحر میرے لئے
بے سروسامانیوں میں یہ گماں گزرا کہ ہیں — یہ مہ و خورشید و انجم چرخ پر میرے لئے
برق و باراں میرے سیارے مرے میری شفق — بجلیاں میری ہیں اور برگ و شجر میرے لئے
میری خاطر گیسوئے ابر سیہ کے پیچ و خم — ندیوں کی صاف بل کھائی کمر میرے لئے

۱؎ تیسرا مصرعہ اک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے اک درد جگر میں ہوتا ہے
میں راتوں کو اٹھ کر روتا ہوں جب سارا عالم سوتا ہے

گردشِ دوراں ہے میری جستجو کے واسطے
ہی ازل سے تا ابد دورِ قمر میرے لئے

جس طرف سے بھی ہیں نکلوں جو ہو میری رہگذر
فرش راہ آنکھیں کئے ہیں بام و در میرے لئے

سب کرشمے حسن کے ہیں کیا ثوابت کیا گگن
نور و ظلمت میری خاطر خیر و شر میرے لئے

تو مری تازہ بتازہ رنگ میرا تو بہ تو
بے بدل پیدا ہر نیا اک دیدہ ور میرے لئے

میری ہی خاطر ہیں حسن و عشق کی نیرنگیاں
ہے ہر اک دیوانہ و دیوانہ گر میرے لئے

ماورائے کون و مکاں ہوں شاعرِ فطرت ہوں میں
یہ زمیں یہ آسماں یہ بحر و بر میرے لئے

میری ہستی انقلاب و انقلاب انقلاب
نظمِ عالم آج ہے زیر و زبر میرے لئے

مجھ سے وہ چھپتا ہے نجمہ بن کے میری ہی نگاہ
پردہ داری ہے باندازِ دگر میرے لئے

کرم تیرا کہ سوزِ جاودانی لے کے آئی ہوں
مگر یہ کیا کہ میں اک عمرِ فانی لے کے آئی ہوں

یہ کس کافر کی محفل ہے کہ جس میں نذر کرنے کو
میں دل کی دھڑکنیں آنکھوں کا پانی لیکے آئی ہوں

یہ دنیا! یہ خلوص و عشق کے رنگ آفریں نغمے
بیاباں میں گلستاں کی کہانی لے کے آئی ہوں

بھڑک کر شعلہ بن جائے کہ بجھ کر راکھ ہو جائے
ہوا کی زد پہ شمعِ زندگانی لے کے آئی ہوں

مری دنیا ہے شعر و خواب و رنگ و نور کی دنیا
مہ و انجم کی گویا ضوفشانی لے کے آئی ہوں

اگر چاہوں یہ دنیا پھونک ڈالوں اپنے نغموں سے
کہ میں سانسوں میں شعلوں کی روانی لیکے آئی ہوں

مرا دل بھی ہے محسوسات کا آتش کدہ آخر
عجب کیا ہے جو ذوقِ شعر خوانی لے کے آئی ہوں

ضیا اندوز ہوں اک آسمانی نور سے نجمہ
زمیں پر چاند تاروں کی جوانی لے کے آئی ہوں

ہر نفس جلتی ہوئی تلوار ہے — زندگی اک مستقل آزار ہے
مسکرانا تو بڑی شے ہے یہاں — اب تو رونے سے بھی جی بیزار ہے
زیست کے ماحول میں چاروں طرف — ایک گہری تیرگی بیدار ہے
ولولے گھٹتے ہوئے مرتے ہوئے — منجمد سی گرمیٔ افکار ہے
بجھ گئے روشن امیدوں کے چراغ — زیست اک اک شامِ ظلمت بار ہے
زندگانی ہر قدم، ہر موڑ پر — ایک محکم آہنی دیوار ہے

کاش میری وقعتیں سمجھیں وہ لوگ
جن کو میری شاعری سے پیار ہے

مطربِ خوشنوا ابھی سازِ طرب بجائے جا
بھول چلی ہوں دردِ ہجر ہاں یہی راگ گائے جا
وعدوں کی اس کے داستاں چھیڑ کے دل دکھائے جا
یعنی چراغ سے چراغ اے شبِ غم جلائے جا
جوہرِ آبِ خضر بھی اگرچہ اسی میں ہے نہاں

خنجرِ نازِ حسن کو زہر میں بھی بجھائے جا
اے دلِ بیقرار آج فرصتِ ترکِ عشق ہے

اب ہمہ تن میں گوش ہوں قصۂ غم سنائے جا
تجھ سے سکونِ حال کی حسرتِ آرزو ہو گیا

غم ہی تو ہے بڑھائے جا دل ہی تو ہے دکھائے جا
اے دلِ مصلحت شناس حرف نہ تجھ پر آنے پائے

حسن کے ناز اٹھائے جا عشق کے کام آئے جا
اس کی گدا نوازیاں عام ہیں بیحساب ہیں!

مل ہی رہیگا کچھ نہ کچھ دستِ طلب بڑھائے جا
نجمہ بیقرار تو تو پیامِ صبح ہے
بن کے ستارۂ سحر چرخ پہ جھلملائے جا

سب یہ آثارِ غم بدل جاتے — تو جو آتا چراغ جل جاتے
ایسی منزل ہے داہنِ جاناں — اشکِ خونیں بھی سر کے بل جاتے
یوں تو انجامِ عاشقی معلوم — حوصلہ دل سے کچھ نکل جاتے
خیر سے کارِ عشق تھے دشوار — سہل ہوتے اگر تو کھل جاتے
خیر گذری بدل گئی دنیا — قہر ہوتا جو تم بدل جاتے
کل بھی اک روز آج ہو جاتا — آج جاتے نہ وہ تو کل جاتے
طور و کعبہ سے ہم پھرے مایوس — اور کچھ دور تک نکل جاتے

تری چشم مے بار دستِ شراب — زمانے کو کردے گی اک دن خراب[۱]
نوا اک چھلکتی چھلکتی سی کلیوں کی بُو — ہیں اک کھویا کھویا جوانی کا خواب
نظر بہکی بہکی ادا مست مست — یہ الّھڑ جوانی یہ کافر شباب
جبیں چاند سی اور لب پھول سے — ترا جسم اک پرتوِ ماہتاب
وہ آنکھیں ہوائیں وہ اٹھتی گھٹا — بس اک گنگناتا سا جامِ شراب[۲]
وہ شب تاب جگنو وہ تاروں کی چھاؤں — کبھی میں نے ایسا بھی دیکھا تھا خواب
اِدھر آؤ تم سے کہوں ایک بات — سراپا غزل اور مجسّم شراب
یہ ساغر ہے یہ مے ہے یہ ساز ہے — بنا دو جہاں کو بہشتِ شباب
یہ کیا دے دیا بانٹنے والے مجھے — مسلسل خلش مستقل اضطراب

پلا دو کسی روز مجسمہ کو بھی
ہٹاؤ کسی روز رخ سے نقاب

اپنی خوشیوں کے عارضی جذبات — غم میں تحلیل کر رہی ہوں میں
کوششیں ہیں کہ غم سہے جاؤں — خود کو تبدیل کر رہی ہوں میں
ماضی و حال کے مصائب سے — اپنی تکمیل کر رہی ہوں میں
کہہ رہی ہوں ترے ستم کو کرم — خوب تاویل کر رہی ہوں میں

---

۱ اس غزل میں میر حسن کی مثنوی کی بحر استعمال کی گئی ہے ملاحظہ ہو۔ ۵
رہی کوئی دانتوں میں انگلی کو داب — کسی نے کہا گھر ہوا یہ خراب
۲ میر حسن:- پلا ساقیا مجھ کو اک جامِ مُل — جوانی میں آئے ہیں ایّامِ گل

موت کی وادیوں میں جاتا ہے
کتنی تعجیل کر رہی ہوں میں
کل ارادوں میں جان ڈالوں گی
آج تشکیل کر رہی ہوں میں

زندگی کی حقیقتیں سمجھے
صرف تخئیل کر رہی ہوں میں

پھر وہ حیرت گاہِ غم ہائے کہن یاد آ گئی
شامِ غربت میں مجھے صبحِ وطن یاد آ گئی
بلبلِ رنگیں نوا کو دفعتہً درِ چمن
رونقِ رنگینیٔ صحنِ چمن یاد آ گئی
گلستاں در گلستاں ہیں میری رنگیں خلوتیں
یا دِ اس کی — انجمن در انجمن یاد آ گئی
زندگی کے والہانہ دور میں گذری ہوئی
کوئی شب نغمہ طراز و نغمہ زن یاد آ گئی
جب کبھی آیا عزیزانِ وطن کا کچھ خیال
تلخیٔ بے مہریٔ اہلِ وطن یاد آ گئی
دیکھ کر پردیس میں نغمہ بہ توقیرِ ادب
دیس کی نا قدریٔ اربابِ فن یاد آ گئی

وہ جب سامنے تھے ادب درمیاں تھا
انھیں دیکھ لینے کا موقعہ کہاں تھا
نمود ایک دھوکا تھی چھپنا گماں تھا
نہ کوئی عیاں تھا نہ کوئی نہاں تھا
سرِ شاخ گلشن ابھی آشیاں تھا
ابھی برق چمکی تو مطلق دھواں تھا

وہ دن بھی کبھی تھے کہ دنیا تھی دنیا
زمیں تھی زمیں آسماں آسماں تھا

یہ کھلتا نہیں کچھ وہ تم تھے کہ میں تھی
مگر یہ کہ حائل کوئی درمیاں تھا

شبِ ہجر میں تم بہت یاد آئے
بھری چاندنی تھی سہانا سماں تھا

فقط ایک رستے میں تھا رہبرِ دل
مگر شورِ دل کارواں کارواں تھا

محبت سے پہلے بھی دنیا یہی تھی
یہی سرزمیں تھی یہی آسماں تھا

یہ احساس ہوتا ہے ملتے ہی تجھ سے
کہ جیسے ازل ہی سے تو مہرباں تھا

یہ قصہ ہے اب کا کہ تجربہ جواں ہے
وہ قصہ ہے جب کا تو آتش جواں تھا

ان لبوں میں ہے شرابِ آتشیں میرے لئے
وہ حسیں یا نہیں وہ جسمِ مرمریں میرے لئے

کیف و سرمستی کی دنیا محفلِ رقص و سرود
کر گئی قائم وہ چشمِ سرمگیں میرے لئے

گردشِ ایام کی نبضیں یکایک رک گئیں
کس نے پھیلا دی یہ زلفِ عنبریں میرے لئے

دردِ دل، سوزِ محبت، اشکِ غم اور اضطراب
اک مصیبت ہو گیا قلبِ حزیں میرے لئے

لہ ڈاکٹر عندلیب شادانی ؎ میں آہ کر کے اپنے خیالوں میں کھو گیا
کچھ ذکر تھا بہار و شبِ ماہتاب کا

پار جانا ہے مجھے قوسِ قزح کے اُس طرف
منتظر ہے ایک دنیائے حسیں میرے لئے
انجمن تیری ، شمعیں تیری ، یہ رونق تیری
بزم عالم میں مگر کچھ بھی نہیں میرے لئے
پھر سکونِ روح بھر آ نہ جائے وجد میں
چھڑ نہ جائے پھر کوئی نغمہ کہیں میرے لئے
تجھ کو زیبا ہے اگر تجھ کو کہے تو رات دن
یہ فلک میرے لئے ہے یہ زمیں میرے لئے

محبت کے دکھ سکھ اٹھاتی رہونگی
یونہی زندگانی مٹاتی رہوں گی
غمِ ہجر میں مسکراتی رہوں گی
تری یاد کے ناز اٹھاتی رہوں گی
محبت میں نقشے نئی زندگی کے
بناتی رہوں گی مٹاتی رہوں گی
نگاہیں ملا دوں گی اک روز تجھ سے
ابھی کچھ دن آنکھیں چُراتی رہوں گی
سوا میرے دنیا میں ہے کون تیرا
میں اے غم ترے کام آتی رہوں گی
رکھونگی ہری زندگانی کی کھیتی
محبت کے آنسو بہاتی رہوں گی
کھنچی سی ، تنی سی رہونگی کسی سے
یونہی حُسن کو آزماتی رہوں گی
محبت کی بزم سکون و طرب میں
میں لو کی طرح تھرتھراتی رہوں گی
ہو کیوں رائیگاں درد میری صدا کا
ترانے محبت کے گاتی رہوں گی
ہی سعیٔ بے سود ہے شغل میرا
تری یاد دل سے بھلاتی رہوں گی
نظر ہے مری داستانِ محبت
کہانی یہی تم کو سناتی رہوں گی

شبِ غم کی آنکھوں کا آنسو ہوں نجمہ
یونہی صبح تک جھلملاتی رہوں گی

"منظومات"

امریت سر پردہ کلب

بجلیوں کی اور شراروں کی زمیں — چاند تاروں سیم پاروں کی زمیں
قہقہے آرام پاتے ہیں یہاں — پھول سے لب مسکراتے ہیں یہاں
اُف یہ ملبوسات ہوتا ہے گماں — جیسے کوئی ساڑیوں کی ہو دکاں
عشق کے ارمان پلتے ہیں یہاں — شعر اور رومان پلتے ہیں یہاں
ریشموں میں جھلملاتی لڑکیاں — اینڈتی اور لڑکھڑاتی لڑکیاں
نکہتیں بکھری ہوئی سی چار سو — مستیاں بکھری ہوئی سی چار سُو
سحرکاری جلوہ تابی ہر طرف — دیدہ و دل کی خرابی ہر طرف
مضطرب ہیں حُسن کے جلوے یہاں — اس نمائش گاہ میں پردہ کہاں

یہ مقام آبروئے عشق ہے
حُسن کو خود جستجوئے عشق ہے

"رودِ جہلم"

(شہر جہلم کے قریب شام کا ایک منظر)

جہلم اک رودِ نظر افروز اک سیم رواں — زمزمہ پرواز لہروں کا یہ سیلِ بیکراں
چاندنی لپٹی ہوئی سی ساغرِ بلّور ہیں — گیت کچھ بہتے ہوئے سے آسمانی نور ہیں

قطرہ قطرہ رقص کرتا وجد فرماتا ہوا
لہر لہراتی ہوئی گرداب چکراتا ہوا

یہ سبک رفتار ڈونگوں میں سے گیتوں کے الاپ
سرمئی ساحل سے یہ شفاف لہروں کا ملاپ

دبتی ہے رات کی تاریکیوں میں آسماں
ریل کے پل پر چمکتی جھلملاتی گاڑیاں

جنت نظارہ حسنِ انجم و مہتاب ہے
اک بالائے فلک اک چاند زیرِ آب ہے

مست رو لہروں کے پاکیزہ سر انگیز راگ
رس بھرے کیف آفریں شاداب تند و تیز راگ

جب بھی امرتسر کے ہنگاموں سے گھبراتی ہوں میں
اُٹھ کے نغمہ رودِ جہلم پر چلی آتی ہوں میں

آغازِ عشق

تلوّن

آغازِ محبت میں وہ اک صبح خراماں
آنکھوں میں سمٹے ہوئے سو رنگ کے طوفاں

اب تک ہے تصوّر میں وہ بیدار نظارہ
وہ مست سماں اب بھی نگاہوں میں ہے رقصاں

سانچے میں جوانی کے وہ ڈھالی ہوئی مورت
حوروں کے تبسّم کی جھلک رخ پہ فروزاں

دزدیدہ نگاہوں میں وہ دزدیدہ تبسّم
وہ برقِ مجسّم کبھی پنہاں کبھی عریاں

وہ عہدِ جوانی کی تمناؤں کا مرکز
وہ قامتِ خوش جس سے خجل سروِ گلستاں

وہ جوشِ شباب اور وہ شرمیلی ادائیں
پیغامِ جنوں دل کے لئے عشوۂ پنہاں

انگڑائی سی لے کر ہوئی بیدار محبت
جذبات کی مستی ہوئی خورشیدِ گلستاں

اُمید کی آغوش میں پلتے رہے جذبے
آغاز میں ہوتا ہے مگر عشق بھی ناداں

(۲) انجامِ عشق

اک وقت پھر آتا ہے کہ مرجاتی ہے امید
فرصت نہیں ملتی کہ سئیں چاک گریباں

ہوتی نہیں مانوس کسی شے سے طبیعت
خاطر بھی پریشان، تخیل بھی پریشاں

بڑھ جاتی ہے افکارِ معیشت کی کشاکش
دوزخ سی نظر آتی ہے یہ جنتِ دوراں

اُدھر اُدھر نہیں رہتا نہیں پہلا سا توجہ
ہو جاتا ہے یوں جیسے عشق کا ساماں

گھٹ جاتا ہے ذوقِ عمل و جوشِ تمنّا
بڑھ جاتی ہے مایوسیٔ دل تا حدِ امکاں

مٹ جاتی ہے تابندگیٔ کاکل و رخسار
جس طرح چھپے ابر میں خورشیدِ درخشاں

بیگانگیٔ دہر کی ہوتی ہے یہ صورت
محسن کوئی ہوتا نہیں آمادۂ احساں

---

(۳) تجدیدِ عشق

پھر فتنے جوانی کے مچلتے ہیں رگوں میں
پھر دل کا ہر اک گوشہ ہے صد حشر بداماں

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پھر حسن کی دنیا میں ہے یک گونہ تغیّر
ہے زودِ پشیماں کا ہر اندازِ پشیماں
پھر دیتی ہے پیغامِ جنوں میری خرابی
پھر ان کے حسیں چہرے پہ زلفیں ہیں پریشاں
پھر چھیڑتی ہیں میری تمنّاؤں کو نظریں
پھر روح کو تجدیدِ محبت کا ہے ارماں
پھر یاد دلاتی ہیں مجھے عہدِ گذشتہ
کیوں ہوتے ہیں پھر میری تباہی کے یہ ساماں
احساس کی دنیا متغیّر ہوئی یا رب
ہے کون جو اب روک دے جذبات کے طوفاں
عورت کی ادائیں نہ ہوں بیباک، الٰہی
عورت کی اداؤں سے لرز جاتا ہے ایماں

اجتناب

خدا کے واسطے لطفِ آفریں نظر کو روک
خدنگِ عشق کے اقدام پُر خطر کو روک

(پچھلے صفحہ سے)
لہ فیض احمد فیض ؎ مچل رہا ہے رگِ زندگی میں خونِ بہار
الجھ رہے ہیں پرانے غموں سے روح کے تار (نقش فریادی)

پیامِ دردِ محبت کی رہگذر کو روک
سُنا نہ مجھ کو محبت کے عنبریں نغمے
حواس و ہوش کے رہزن ہیں یہ حسیں نغمے
جنوں شکار و طرب خیز و دلنشیں نغمے

طرح طرح سے تیری یاد کو بھلایا ہے
جگر کی آگ کو خونناب سے بجھایا ہے
دلِ خراب کو تجربے سے بچایا ہے

غمِ فراق میں تو بھی نہ کر بسر راتیں
بھلا دے شوقِ محبت کی وہ ملاقاتیں
خیال و خواب سمجھ لے وہ پیار کی باتیں

مری قبا سے جنوں تار تار ہونے دے
میں خوش ہوں مجھ کو یونہی سوگوار رہنے دے

تعلقاتِ محبت کو استوار نہ کر
مجھے حسین نگاہوں کا تو شکار نہ کر

تو پھر تعلقِ تو کا مجھے پیام نہ دے
مجھے شرابِ محبت کے مست جام نہ دے

مرے فراق میں تو زندگی خراب نہ کر
دل و نگاہ کو مرہونِ اضطراب نہ کر

۱۲۔ شمیم جمیلی

تڑپ تڑپ کے گزاریں فراق کی راتیں
سسک سسک کے بھلائی ہیں پیار کی باتیں
رلا رہی ہیں مگر شام کی ملاقاتیں

تاثرات کی دنیا کو چھین لو مجھ سے

ترے خطوط سے ظاہر ہے اضطرار ترا
دفورِ گریہ سے ہے دیدہ اشکبار ترا
دل حزیں بھی ہے غمناک و سوگوار ترا
مگر یہ تیری محبت فریب ہے بالکل
یہ دردِ رنج یہ کلفت فریب ہے بالکل

نہ حالِ زار پہ مجھ کے اب کرم کر تو
نہ اس کے واسطے دل مائلِ الم کر تو
نہ دے پیامِ محبت نہ پھر ستم کر تو
اسے فسردہ نظر دل فگار رہنے دے
اسے اسیرِ غمِ انتظار رہنے دے

قطعات

عطرِ وفا کی خوشبو سے
ظرفِ محبت کو مہکا
مست نگاہوں سے پی کر
مجھ و دنیا پر چھا جا

تجھ کو اپنے قریب پاتی ہوں
دل پہ چھایا ہوا ہے تیرا خیال
کیا تجھے بھی میں یاد آتی ہوں
کتنا نازک ہے تجھ سے میرا سوال

سانیٹ[1] (Sonnet)

(۱)

جس طرح صبح کے انوار کی بارش ہو جائے

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یا ہو آغوشِ چمن زار میں طوفانِ بہار

پتی پتی پہ کھلا رکھا ہو قرانِ بہار

کوئی پھولوں کا ہی لے لے کے سہارا سو جائے

یا ہو خوابوں کے جزیروں میں کوئی نغمہ طرازہ

جھوم کر آئے گھٹا میکدہ کاندھے پہ لئے

کوئی صہبا کسی دوشیزہ کے ہونٹوں سے پئے

چھیڑ دے جیسے جوانی کوئی گونجا ہوا سازہ

[حاشیہ صفحہ ۶۸۱]

لہ "سانٹ" (Sonnet) چودہ مصرعوں کی ایک مخصوص نظم کو کہتے ہیں۔ محققین میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ اول اوّل سانٹ کس جگہ ایجاد ہوا۔ اس سلسلہ میں سسلی اور پراونس (جو فرانس کا ایک صوبہ ہے) کے نام لئے جاتے ہیں لیکن یہ بات محقق ہے کہ اطالیہ میں یہ تیرھویں صدی ہجری میں آیا اور یہاں سے دوسرے ملکوں میں پھیلا، اطالیہ میں ڈانٹے (Dante)، پیٹرارک (Petrarch) اور مائیکل انجیلو (Michel Angelo) اس صنف شاعری کے زبردست علمبردار گزرے ہیں۔

کچھ عرصہ کے بعد اطالیہ سے سانٹ فرانس آیا اور پھر فرانس سے ملکہ الزبتھ (Queen Elizabeth) کے دورانِ حکومت یعنی سولھویں صدی میں طامس واٹ (Thamas wyatt) اور ہنری ہوورڈ ارل آف سرے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

صحنِ میخانہ میں ہنگامِ کوئی رقصاں ہو جائے
دل کے ہر تار سے نغموں کی صدا آنے لگے
تاروں کی چھاؤں میں یا چاندنی لہرانے لگے
جیسے ویرانہ کوئی بزمِ چراغاں ہو جائے
آج کل یوں ہی مری عمر بسر ہوتی ہے
یعنی لمحاتِ محبت میں گذر ہوتی ہے

(پچھلے صفحے سے) (Henry Howred Earl of surrey) کے ذریعہ انگلستان آیا اور انگریزی شاعری کا ایک جزین گیا۔ شکسپیر (Shakespeare)۔ ملٹن (Milton) اور ورڈزورتھ (Wordsworth) انگریزی میں سانٹ کے زبردست لکھنے والے گزرے ہیں۔ اب بیسویں صدی میں انگریزی ادب کے زیرِ اثر رفتہ رفتہ یہ صنفِ سخن اردو میں آرہی ہے اُردو میں اس کو قطعہ کی ایک مخصوص صورت کہہ سکتے ہیں۔

"سانٹ" (Sonnet) اطالوی زبان کے لفظ "سانی ٹو" (Sonneto) سے مشتق ہے جس کے لفظی معنی چھوٹی سی آواز کے ہیں۔ ابتداءً یہ ایک مختصر سی نظم ہوتی تھی جو ساز کے ساتھ ترنم سے گائی جاتی تھی۔ اب سانٹ صرف ایک مختصر نظم کو کہتے ہیں۔ ساز کے ساتھ گانے کی شرط اب اس میں باقی نہیں رہی ہے۔ قطعہ کے طرح سانٹ میں صرف ایک خیال یا جذبہ کی ترجمانی ہوتی ہے۔

سانٹ صرف چودہ مصرعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ چودہ مصرعے دو حصوں میں

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۲)

یادِ ایّام

زندگی کے وہ جواں لمحات اب تک یاد ہیں
چوڑیوں کی گت پہ فردوسی ترانے چھیڑنا
غیر فانی عشق کے رنگیں فسانے چھیڑنا
وہ سنہرے دن حسیں اوقات اب تک یاد ہیں

عہدِ بے فکری کے وہ دن اور راتیں یاد ہیں

[پچھلے صفحہ سے] منقسم ہوتے ہیں۔ پہلے حصّے میں آٹھ مصرعے ہوتے ہیں اور دوسرے حصّے میں چھ۔ اصطلاحی زبان میں پہلے حصّہ کو "آکٹیو" (Octave) اور دوسرے حصّہ کو سسٹیٹ (Sestet) کہتے ہیں۔ "آکٹیو" چار چار مصرعوں کے دو بندوں پر مشتمل ہوتا ہے اور "سسٹیٹ" تین تین مصرعوں کے دو بندوں پر۔ "آکٹیو" میں کسی خیال کا اظہار و آغاز ہوتا ہے آٹھویں مصرعہ میں گریز ہوتا ہے اور "سسٹیٹ" میں اس خیال کی تکمیل و انجام

ردیف و قافیہ کے اعتبار سے "آکٹیو" کے مصرعوں کی ترتیب و تنظیم متعین ہوتی ہے۔ وہ ترتیب یہ ہے۔ اب ب ا - اب ب ا اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلا مصرعہ، چوتھے، پانچویں اور آٹھویں مصرعہ سے ہم ردیف و ہم قافیہ ہوتا ہے اور دوسرے، تیسرے چھٹے اور ساتویں مصرعہ میں ایک ہی ردیف و قافیہ ہوتا ہے

دیکھنا بیداریوں میں بھی سرور انگیز خواب
چھاؤں میں پھولوں کی پڑھنا کوئی شعروں کی کتاب
مجھ کو کالج کے مرے باغات اب تک یاد ہیں

حادثوں نے اب بدل دی زندگی کی شاہراہ
موت کے بخشے ہوئے داغوں سے دل ناکام ہے

[پچھلے صفحہ سے] "سسٹیٹ" میں یہ ترتیب کئی مختلف صورتیں اختیار کر لیتی ہے سانٹ کی اطالوی قسم کو کلاسیکل (Classical) یا پیٹرارکن (Petrarchan) قسم بھی کہتے ہیں۔ ردیف و قافیہ کے اعتبار سے اس کی ترتیب کی تین خاص صورتیں یہ ہیں:

"آکٹیو"	"سسٹیٹ"
(۱) اب ب ا - اب ب ا -	ج د س - ج د س
(۲) اب ب ا - اب ب ا -	ج د ج - د ج د
(۳) اب ب ا - اب ب ا	ج د س - د ج س

اس میں ملٹن عموماً پہلی ترتیب کا تتبع کرتا ہے اور ورڈز ورتھ دوسری ترتیب کا۔ ردیف و قافیہ کے اعتبار سے سانٹ کی اس کے علاوہ ایک اور قسم ہے جس کو انگریزی قسم (English Type) کہتے ہیں۔ اس میں چار چار مصرعوں کے تین بند ہوتے ہیں اور آخر میں ٹیپ کا ایک شعر شیکسپیئر نے

زندگی صحرا کی اک جھلسی ہوئی سی شام ہے

اب سمٹ کر رہ گئی ہے میری بالیدہ نگاہ

زیست کے احساس کو کھوئے ہوئے بھی مدت ہو گئی

مسکرانا کیا کہ اب روئے بھی مدت ہو گئی

[پچھلے صفحہ سے] اس قسم کی ترتیب قائم رکھی ہے۔ انگریزی سانٹ کی ترتیب کی رو مخصوص صورتیں یہ ہیں:۔

شکسپیر کی ترتیب	بند	بند	بند	ٹیپ کا شعر
	اب اب۔	ج د ج د۔	س ص س ص۔	ع ع
اسپنسر کی ترتیب	اب اب۔	ب ج ب ج۔	ج د ج د	س س

سانٹ کی اس ترتیب میں شعراء نے اکثر تصرف کئے ہیں مثلاً موجودہ دور میں ریو پرٹ بروک (Rupert Brooke) نے سانٹ کیلئے اپنی خاص یہ ترتیب اختیار کی ہے۔

اب اب - ج د ج د س ص ع س ص ع

اُردو میں ابھی سانٹ کہنے والے بہت کم ہیں۔ اختر شیرانی نے البتہ کچھ قابل اعتنا سانٹ لکھے ہیں۔ محترمہ نجمہ کے مندرجہ بالا دونوں سانٹ خصوصاً پہلا جذباتی اعتبار سے بہت بلند ہیں اور ان میں بڑی شعریت اور رنگینی موجود ہے۔ البتہ آپ نے ردیف و قافیہ کی ترتیب کی ان مقررہ صورتوں کا تتبع نہیں کیا ہے۔ آپ نے خود اپنی نئی ترتیب اختیار کی ہے۔ آپ کے سانٹ کی مندرجہ بالا دونوں مثالوں میں ہر ایک کی

اشعار

دل میں ہجومِ یاس و تمنا لئے ہوئے
دنیا سے جا رہی ہوں میں دنیا لئے ہوئے

میں مٹ چکی ہوں پھر بھی کسی کی نظر میں ہوں
ہے موت زندگی کا سہارا لئے ہوئے

تجھ بھی جو دیکھ سکو چشمِ شوق سے
ہے ذرّہ ذرّہ حسن کی دنیا لئے ہوئے

جی کھول کر کچھ آج تو رونے دے ہمنشیں
مدّت ہوئی ہے درد کا درماں کئے ہوئے [۱]

ملتے ہیں دونوں وقت کہ آتا ہے کوئی یاد
عارض پہ کاکلوں کو پریشاں کئے ہوئے [۲]

ظلمت نصیب گوشۂ خلوت میں شامِ غم
بیٹھے ہیں داغِ دل کو فروزاں کئے ہوئے [۳]

(پچھلے صفحہ سے) ترتیب مختلف ہے پہلے سانٹ کی ترتیب یہ ہے :-

بند	بند	بند	ٹیپ کا شعر
اب ب ا	ج د ج	اس س ا	ص ص

دوسرے سانٹ کی ترتیب یہ ہے

اب ب ا	اج ج ا	دس س د	ص ص

۱ غالب ؎ پھر وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہے دم : مدّت ہوئی ہے چاک گریباں کئے ہوئے
۲ فراق گورکھپوری ؎ یہ تیرگی، یہ ابتری، یہ بکھنیں، یہ منتیاں
کہ کھل پڑی ہو جس طرح وہ زلفِ عنبریں کہیں
۳ غالب جی چاہتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن : بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

ہر آنکھ ہے اک جلوۂ معصوم کی جویا لیکن اُسے انکار ہے معلوم نہیں کیوں
دل کشمکشِ زیست سے ہے مرگ در آغوش جینے پہ بھی اصرار ہے معلوم نہیں کیوں

یہ کس نے ڈوبتی نبضوں پہ رکھا دستِ ناز اپنا
کہ دنیا میری نظروں میں جواں معلوم ہوتی ہے

لے اس زمین میں جتنی غزلیں راقم الحروف کی نظر سے گذری ہیں ان میں بہترین غزل جگر مراد آبادی کی ہے۔ جذباتی و وجدانی اعتبار سے یہ غزل بہت بلند ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بیتاب ہے، بیخواب ہے، معلوم نہیں کیوں دل ماہیٔ بے آب ہے، معلوم نہیں کیوں
بے کیف مئے ناب ہے معلوم نہیں کیوں پھیکی شبِ مہتاب ہے معلوم نہیں کیوں
ساقی نے جو بخشا تھا بصد لطف و باصرار وہ جرعہ بھی زہر آب ہے معلوم نہیں کیوں
بے نام سی اک یاد ہے کیا جانے کس کی بے وجہ تب و تاب ہے معلوم نہیں کیوں
دیکھا تھا کبھی خواب سا معلوم نہیں کیا اب تک اثرِ خواب ہے معلوم نہیں کیوں
خلوت میں بھی جلوت میں بھی گھبرائے ہوئے دل کو اک شعلۂ بیتاب ہے معلوم نہیں کیوں
کل تک یہی دنیا سبدِ گل تھی مگر آج بے رنگ ہے بے آب ہے معلوم نہیں کیوں
منہ تکتے ہیں تدبیر کوئی کر نہیں سکتے شل ہمتِ احباب ہے معلوم نہیں کیوں
محسوس یہ ہوتا ہے کہ ہر تازہ تغیّر میرے لئے بیتاب ہے معلوم نہیں کیوں
جو ساز کہ خود نغمۂ عریاں تھا اسی کو اندیشۂ مضراب ہے معلوم نہیں کیوں
دل آج بھی سینے میں دھڑکتا تو ہے لیکن کشتی سی تہِ آب ہے معلوم نہیں کیوں

("شعلۂ طور" صفحہ ۹۳)

چھیڑی جو میں نے تیری جوانی کی داستاں
تارے، شراب، پھول، سبو مسکرا دیئے
اے دوست شوق دید کی سرمستیاں تو دیکھ
نجمہ نے تیری راہ میں تارے بچھا دیئے

تاملِ ارتباطِ باہمی ہے دید کے قابل
تڑپ اُٹھتا ہے میرے ساتھ میرا غمگسار اکثر
مری نظروں سے پوچھے کوئی شانِ حُسنِ غم دیدہ
انہیں بیتاب دیکھا ہے بچشمِ اشکبار اکثر
سمجھنے کو سمجھتی ہوں مزاجِ حُسن اے نجمہ
مگر کرتی ہوں دانستہ کسی کا اعتبار اکثر

فنا ہو گیا آدمی عشق کر کے — خرد کی کوئی بات اس نے نہ مانی
بجھے آنسوؤں سے نہ آہوں سے کم ہو — محبت ہے اک آتشِ تیز فانی[1]
یہ پُرکیف راتیں یہ رنگیں نظارے — یہ میری تمنا یہ تیری جوانی

---

[1] غالب:۔ عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ ؛ کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے

کیوں ہلکی ہلکی آگ نہ سینے میں جل اُٹھے

سنتی ہوں مجھ کو تم سے محبت ہے اِن دنوں

کیا کم تھے تیرے حسنِ جواں کے تکلّفات

یہ سادگی تو اور قیامت ہے اِن دنوں

خون بن کر مری آنکھوں سے ٹپکنے والے

نور بن کر مری آنکھوں میں سمایا کیوں تھا[لہ]

چومتی پھرتی ہے ہر پھول کا عارض نجمہ

اس کو عکسِ رخِ گلفام دکھایا کیوں تھا

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب دل ملنے لگتے ہیں

محبّت کی نظر اُس وقت پہچانی نہیں جاتی

ستارے جگمگا کر آنکھ میں پھر ڈوب جاتے ہیں

محبّت میں مگر نجمہ پریشانی نہیں جاتی[ٹہ]

ہے مجھے سازگار یہ دنیا ذکرِ روزِ حساب رہنے دے

لہ فانی :۔ دشمنِ جاں تھے تو جانِ مدعا کیوں ہو گئے : تم کسی کی زندگی کا آسرا کیوں ہو گئے

ٹہ ملاحظہ ہو صفیہ شمیم ملیح آبادی ص ۵۳۳

حالِ دل ہے یہ نہ تو نہیں کچھ سُنا کچھ حجاب رہنے دے
منفعل ہو نہ شانِ غفّاری معصیت کا حساب رہنے دے ۱

حُسن بے اعتبار ہے لیکن تم پہ ہم اعتبار کرتے ہیں
حُسن کی اور کچھ بڑھا قیمت نقدِ جاں ہم نثار کرتے ہیں ۲

قدم چومے گی منزل ذوق ہیں کر بال و پر پیدا
سراپا شوق بن آگے نکل جا کارواں سے

نری نظر سے چمن ساز سرمدی بن جائے
کلی کلی کی زباں سے پیام پیدا کر
کسی کے رخ سے حجابات خود بخود اٹھ جائیں
نگاہ پاک، دلِ بخت کام پیدا کر

غم نہ کر للہ اتنا غم نہ کر میرے لئے زندگی کیا ہے فقط نا کامیابی کا نام ہے

۱ء علامہ اقبالؒ ؎ روزِ حساب جب مرا پیش ہو دفترِ عمل
آپ بھی شرمسار ہو مجھ کو بھی شرمسار کر (بالِ جبریل)
۲ء امیر خسرو ؎ قیمت خود را دو عالم گفتہ ؛ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

حوادث سے بچنا بڑی بزدلی ہے
زمانہ کا ہر غم اُٹھاتا چلا جا
مرا ذوق محتاج بادہ نہیں ہے
نگاہوں سے مجھ کو پلاتا چلا جا
شعور و خرد کے اندھیرے ہیں گھیرے
دیئے بیخودی کے جلاتا چلا جا

چاندنی، مے، بہار، خلوت ناز
ان کی باہوں میں جھوم جانے دے

شبنم کہ آنسو دونوں ہیں، اس فرق کو لیکن کیا کہئے
جو خاک پہ ہے وہ پانی ہے جو پھول پہ ہے وہ موتی ہے

تصورات کی دنیا ہے اک فریب نظر
وہ آگیا — وہ رُکا — وہ چلا گیا کوئی
چراغ عارضِ پرنور کی ضیاؤں سے
سیاہ خانۂ دل جگمگا گیا کوئی

کبھی ادھر بھی چلے آؤ کیف برساتے
سبو کدے کی فضائیں سلام کہتی ہیں
خیالِ دوست، یہ چپکے سے ان سے کہہ دینا
تمھیں کسی کی وفائیں سلام کہتی ہیں
نظامِ کون و مکاں جن میں محو گردش ہے
وہ اشکبار نگاہیں سلام کہتی ہیں

تنگنجھ ادب کے ہوئے خندہ ہائے زیر لبی
دبی دبی سی شرارت سے کھیل سکتی ہوں
اداسیاں مری بن جائیں داستانِ نشاط
خود اپنے غم کی حکایت سے کھیل سکتی ہوں
نسیم صبح مری کم سنی کی خوشبو ہے
کلی کلی کی مہکتی نکہت سے کھیل سکتی ہوں

نجمہ

محترمہ نجمہ رحمت اللہ بی۔اے کا تعلق بھی پنجاب کی سرزمین سے ہے۔آپ لاہور میں رہتی ہیں، اور نئی شاعرات میں سے ہیں مگر خوب لکھتی ہیں۔ترجمانی جذبات، رومان اور مناظر فطرت کی مصوری آپ کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔آپ کی شاعری کا وہ حصہ جس میں کیفیات قلب کی ترجمانی ہے بہت کامیاب اور بلند پایہ ہے، اس میں سوز و گداز بھی ہے اور کیف و اثر بھی ہے آپ کی منظر نگاری بھی کامیاب ہے آپ کی رومانی نظموں میں اختر شیرانی کا رنگ جھلکتا ہے آپ دورِ حاضر کی ایک خوش گو، قابل قادر اور کامیاب شاعرہ ہیں۔

دردِ حیا وداں

بہت ستایا ہے اس چرخ نیلگوں نے مجھے
جلا کے خاک کیا آتش دروں نے مجھے
مرا یہ بخت سدا ہی ستم شعار رہا
یہ دل ہمیشہ ہی سینے میں سوگوار رہا[1]
ہجومِ غم نے رُلایا ہے مجھ کو جی بھر کے
ان آنسوؤں نے مٹایا ہے مجھ کو جی بھر کے

---

[1] مومن:-
میرے یہ بخت ہائے بخت ، ایسے نصیب یا نصیب
چارہ کہ یاس امید حشر تھا مرگ علاج مضطری

ہوا زمانے کی اک دن نہ مجھ کو راس آئی
کبھی خوشی بھی نہ بھولے سے میرے پاس آئی

کبھی تو غیر نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
کبھی پھر اپنوں نے دل میرا توڑ پھوڑ دیا

امید و بیم میں آنسو بہائے ہیں میں نے
بڑے نصیب پہ گوہر لٹائے ہیں میں نے

قدم قدم پہ میری آرزو کا مدفن ہے
تمام دنیا کے خار اور میرا دامن ہے [1]

عہدِ رفتہ

بہارِ جانفزا جا کر چمن سے پھر بھی آتی ہے
گھٹا کالی برس کر اک دفعہ پھر بھی تو چھاتی ہے

ستارے دن کو بجھ جاتے ہیں پھر شب کو چمکتے ہیں
فلک پر رات پھر شوخی سے ہنس ہنس کر دمکتے ہیں

شفق کی جھیل میں خورشید شب کو ڈوب جاتا ہے
درِ قصرِ افق سے جھانک کر پھر مسکراتا ہے

---

[1] مومن :- یک بدل و گونہ گونہ زخم ہائے تن و فوج فوج خصم
یک بہ جگر و ہزار نیش ہائے بہ سر و صد گراں سری

اگر مرجھا گئے ہیں پھول اور غنچے تو کیا پروا
پرندے ہیں اگر مغموم گلشن کے تو کیا پروا
خزاں کے بعد یہ پھول اور غنچے پھر بھی مہکیں گے
بہار آتے ہی طائر ڈالیوں پر پھر بھی چہکیں گے
اگر تاریک رات آتی ہے اے ہمدم تو آنے دے
اگر جنگل کی ندّی خشک ہوتی ہے تو ہو جائے
کبھی تو چاندنی رات آ کے یہ ظلمت مٹائے گی
یہ ندّی پھر سریلے اور شیریں گیت گائے گی
نشاں گذری ہوئی گھڑیوں کا لیکن پھر نہیں ملتا
کنول مرجھا کے دل کا اک دفعہ پھر سے نہیں کھلتا

اُفق کے پار[1]

اُفق کے پار اس دل کش فضا میں
جہاں رقصاں ہیں مہر و مہ کی کرنیں
گھٹا غم کی نہیں جس سمت چھائی
حسین اور پر سکوں ہے ایک وادی
وہاں رنگینیاں قوس قزح کی
بناتی ہیں فضا کو ارغوانی
وہاں کے پھول مرجھاتے نہیں ہیں
کبھی صیّاد واں آتے نہیں ہیں
وہاں غم کے ہیں آنسو اور نہ آہیں
نہ غمگیں ہیں کسی کی واں نگاہیں
وہاں ہے چاندنی پھول اور تارے
مقدس ہیں وہاں کے سب نظارے

---

[1] ملاحظہ ہو محترمہ صفیہ بیگم شمیم ملیح آبادی کی نظم آرزوئے دل

وہاں کرتی ہیں خوشیاں رقص ہر سُو
وہاں کے باسیوں کے قہقہوں میں
جفا و جور سب کچھ بھول جائیں

مِرے ہمدم مجھے لے چل وہاں تو
وہاں کے طائروں کے چہچہوں میں
کبھی واپس نہ اس دنیا میں آئیں

شام

ڈوبتے آفتاب کی کرنیں
ہلکا ہلکا سا نغمۂ بلبل کا
سر جھکا کر کھڑے ہیں کھیتوں میں
گر رہے ہیں کانپ کر پتّے
ملکۂ شب کی پُر فسوں خوشبو
باغ کے اک اُداس کونے میں
پھول چپ چاپ ہیں کلی مغموم
گیت اک گا رہا ہے غم انگیز

چند لمحوں میں ہو گئیں روپوش
درد اور سوز سے ہے ہم آغوش
پیلے پیلے سے پھول سرسوں کے
بید مجنوں کی شاخ لرزاں سے
صحنِ گلشن میں ہر طرف پھیلی
کوک اٹھی دل شکستہ کوئل بھی
چھپ کے پتّوں میں سو گیا بھونرا
دور کھیتوں میں ایک چرواہا

افسردہ بہار

موسمِ گل آ گیا گو وہ چمن شاداب ہیں
بیکراں خوشیوں کے ہر سُو اٹھ رہے سیلاب ہیں
بلبلیں پھولوں پہ گرنے کے لیے بیتاب ہیں
مسکرا کے غنچوں نے دکھلائی ہیں رعنائیاں

یاسمیں نے گلستاں میں کی ہیں حسن افزائیاں
کس قدر کیف آفریں ہیں یہ بہار آرائیاں

ہے فضا پر چھا گیا ابرِ مسرت چار سُو
دھیرے دھیرے گا رہا ہے ایک نغمہ آبِ جو
پھر رہی ہے ہو کے آوارہ ہوا میں مشک بُو

کر رہی ہیں رقص مل کر سر روش پر تتلیاں
مست ہو کر جھومتی ہیں ہر شجر کی ڈالیاں
پھول اور کلیوں سے کرتی ہیں ہوائیں شوخیاں

کروٹیں سبزے نے لی ہیں لہلہانے کے لئے
آ گئے باغوں میں طائر چہچہانے کے لئے
پھر سے اس آئے ہوئے دل کو دکھانے کے لئے

بج رہا ہے سازِ عشرت اور فضا مدہوش ہے
بیخود و مخمور ہے ہر ایک شے مے نوش ہے
دل مرا لیکن ابھی تک غم سے ہم آغوش ہے

یادِ ایامِ گزشتہ لے کے آئی ہے بہار
روح پر افسردگی سی بن کے چھائی ہے بہار

"ساون"

وہ گھر گھر کے آئی ہیں کالی گھٹائیں
ہیں مستی سے بھرپور ٹھنڈی ہوائیں

وہ بارش کے قطرے ہر اک برگِ گل پر
چمکتے ہیں یوں جیسے ہوں لعل و گوہر

یہ برسات کی رت ہے کتنی سُہانی
ہر اک چیز پر چھا رہی ہے جوانی

حسیں پھول ہر سمت بکھرے ہوئے ہیں
ستارے سے سبزے پہ بکھرے ہوئے ہیں

اُچھلتا ہے آغوشِ دریا میں پانی
مچلتی ہیں رہ رہ کے موجیں سُہانی

کنارے پہ سبزے کا یہ لہلہانا
پرندوں کا اشجار پہ چہچہانا

خوشی رقص کرتی گلستاں میں آئی
ہنسے پھول ننھی کلی مسکرائی

بہار آفریں ہے گلوں کی صباحت
ہر اک سمت آوارہ پھرتی ہے نکہت

یہ کوہسار یہ گلستاں دیکھتے ہیں
یہ ساون کا دلکش سماں دیکھتے ہیں

کوئی بھولی سی یاد آنے لگی ہے[1]
دلِ مضطرب کو ستانے لگی ہے

دورِ خزاں

باغ میں بکھرے ہوئے ہیں خشک پتے چار سُو
اُڑ گیا دورِ خزاں سے گلستاں کا رنگ و بُو

آبجو کے پاس نرگس آہ سر بر دوش ہے
ننھے بھونرے کا سُریلا راگ بھی خاموش ہے

---

[1] فراق گورکھپوری ؎ شام بھی تھی دھواں دھواں حُسن بھی تھا اُداس اُداس
دل کو کئی کہانیاں یاد سی آکے رہ گئیں

ہیں شجر بے برگ اور سب آشیاں اجڑے ہوئے
ہو چکے رخصت چمن سے طائروں کے چہچہے

قمریوں کا سرو پر بالکل نہیں نام و نشاں
اب نہ وہ بلبل کے نالے ہیں نہ کوئل کی فغاں

وہ سنہری سرخ اور نیلے گلوں کی کیاریاں
کھو کے اپنی دلکشی سب ہو گئیں وقفِ خزاں

یاسمیں کی ننھی کلیوں پر پڑی ہے خاک دھول
رو رہی ہیں فاختائیں اور فضائیں ہیں ملول

کرتی تھی ہر دم جہاں بادِ صبا اٹکھیلیاں
واں عنادل مل کے اب کرتے ہیں آہ و زاریاں

خشک جھاڑی ہیں جب آ کر سرسراتی ہے ہوا
نغمۂ محزوں سے گونج اٹھتی ہے گلشن کی فضا

کلیاں کملائی ہوئی ہیں پھول مرجھائے ہوئے
ہر طرف افسردگی کے سائے ہیں چھائے ہوئے

باغ میں ہر چیز آتی ہے نظر ماتم کناں
اُف خدایا کس قدر اندوہگیں ہے یہ سماں

آمدِ بہار

گلشن میں کس ادا سے ہے آئی ہوئی بہار

پھولوں پہ حُسن بن کے ہے چھائی ہوئی بہار

مصروفِ رقص ندّی کے پانی پہ ہے حباب
کرتی ہیں شوخی ناز سے امواجِ سطحِ آب

صہبا اثر ہے باغ میں خوشبوئے یاسمین
سبزے کا حسن سبز ہے کیا سحر آفرین

گلشن کے پھول پتّوں پہ ہے آگیا نکھار
وہ تتلیوں کا ناچنا گلشن میں بار بار

باغ اور بن میں گھر کے وہ آنا سحاب کا
ٹھنڈی ہوا میں جھومنا بیے خود گلاب کا

جوشِ طرب سے جھومتی ہیں سبز ڈالیاں
جھک کر گلوں کو چومتی ہیں سبز ڈالیاں[1]

ہلکے سُروں میں گیت سُناتے ہیں آبشار
مسرور ہیں بہار در آغوشِ سبزہ زار

ہیں نغمہ زن طیورِ حسیں ہر درخت پر
خود حسن حکمران ہے ہر کوہ و دشت پر

پھولوں کی شال اوڑھ کے نازاں ہے کائنات

---

[1] میر حسن:- گلوں کا لبِ نہر پر جھومنا — اسی اپنے عالم میں منھ چومنا
وہ جھک جھک کے گرنا خیاباں پر — نشہ کا سا عالم گلستاں پر (مثنوی بدر منیر)

سازِ طرب پہ آج غزل خواں ہے کائنات
کیف آفریں فضائیں ہیں اور جاں فزا سماں
ہے گلستاں پہ گلشنِ فردوس کا گماں

نجمی

طاہرہ نجمی نام اور نجمی تخلص ہے، دورِ حاضر کی ایک خوش فکر اور اچھی شاعرہ ہیں۔ کلام وجدانی اعتبار سے بلند ہے۔ آپ کے یہاں جذبات بھی ہیں اور حسن ادا بھی، کلام پُرکیف اور رنگین ہے، طرز ادا پاکیزہ اور دلکش ہے۔

کیا کہوں پھر کس کو تابِ جلوۂ جانانہ تھی
خود نگاہِ شوق ہی جب دید سے بیگانہ تھی
دل میں اک دنیا کے پنہاں اُلفتِ جانانہ تھی
اُس کی محفل میں نگاہِ شوق بھی بیگانہ تھی
دیکھنا اعجاز اُس کے التفاتِ ناز کا
آرزو خود آج وقفِ سجدۂ شکرانہ تھی
قصّۂ دل بیخودی میں کچھ کہا کچھ رہ گیا
حسرتِ عرضِ محبّت کتنی بے تابانہ تھی
رنگِ مستی میں تھی محفل سربسر ڈوبی ہوئی
گردشِ چشمِ فسوں گر گردشِ پیمانہ تھی

حالِ نجمی سے تجاہل کے برتنے کا سبب
میں نے مانا آپ کو اغیار کی پروا نہ تھی

نسرین

شہر بانو نام اور نسرین تخلص ہے۔ سیدہ ولایت حسین صاحب نقوی کی دختر ہیں۔ ۱۳۳۶ھ میں آپ کی ولادت اورنگ آباد میں ہوئی۔ سید ولایت حسین سرکار نظام کے سررشتہ جات مال اور پٹہ میں کارگزار رہ چکے ہیں۔ ان کے والد سید مولوی محمد حسین شہید فارسی اور اردو کے ادیب گزرے ہیں۔ محترمہ شہر بانو کے نانا باقر نواز جنگ حکیم میر باقی علی مرحوم ایک قابل اور لائق فرزند تھے۔ اس طرح محترمہ نسرین کی پرورش علمی ماحول میں ہوئی۔ آپ کی تعلیم محبوبیہ گرلز اسکول میں ہوئی۔ ابتدا سے جونیر کیمبرج تک آپ نے یہاں تعلیم پائی اور ہمیشہ امتیاز کے ساتھ کامیابی حاصل کرتی رہیں۔ ۱۹۳۵ء میں امتحان سینیر کیمبرج میں کامیاب ہوئیں اور اسی سال مدراس یونیورسٹی کے امتحان ایس۔ ایل۔ سی میں نہایت شاندار کامیابی حاصل کی اور انعام اور وظیفہ حاصل کیا۔

اس کے بعد جامعہ عثمانیہ سے آپ انٹرمیڈیٹ، اور بی۔ اے کے امتحانات میں شریک ہوئیں، آپ کو اردو ادب سے بڑی دلچسپی ہے اور آپ کے اکثر مضامین اور نظمیں رسالوں میں شائع ہوتی رہتی ہیں آپ کو جسمانی ورزش اور کھیلوں سے بھی دلچسپی ہے اور محبوبیہ گرلز اسکول

میں گیمس کیپٹن رہ چکی ہیں۔

آپ کا کلام سادہ اور صاف ہوتا ہے۔ زبان بھی صاف استعمال کرتی ہیں۔ نمونہ یہ ہے:-

کلی چٹکی، چمن پھولا، نسیمِ مشک بار آئی
دکن میں جوبلی کیا آئی اک فصلِ بہار آئی

اُڑا کر ساتھ بھی جس جا خاک اُگی ہے زعفران جا
نسیمِ صبح نے عنبر کی بارش ایسی برسائی

پرندے خوش نوا شاخوں پہ بیٹھے گیت گاتے ہیں
چٹکتے ہیں جب غنچے آتی ہے آوازِ عید آئی

پھلا پھولا ہے گلزارِ شاہی باغِ عالم میں
یہ سوئے حیدرآباد دکن بانگ ہزار آئی

حکومت ہے شہا تیری قلوبِ اہلِ عالم پر
عجب کی شاہی ترے حصّے میں شاہِ نامدار آئی

غنچۂ خاطرِ مغموم کھلے جاتے ہیں
آمدِ موسمِ گُل کی ہے زمانہ میں پکار

اپنے گلشن میں ہمیشہ ہی رہا دورِ خزاں
راستہ بھول کے اب کے یہ کدھر آئی ہے بہار

خوفِ گل چیں کا کبھی ہے کبھی صیاد کا ڈر
دلِ بلبل کو گر آئے بھی تو کیا آئے قرار

نسرین

عابدہ خانم نام ہے اور متھرا وطن۔ پہلے آپ پروین تخلص کرتی تھیں مگر جب اور خواتین نے یہ تخلص اختیار کر لیا تو آپ نے اس کو ترک کر کے نسرین تخلص اختیار کیا۔ آپ دورِ حاضر کی ایک نہایت خوش گو اور بلند پایہ شاعرہ ہیں۔ آپ کے کلام پر جذباتی اور رومانی رنگ چھایا ہوا ہے اور اس رنگ میں آپ بہت خوب لکھتی ہیں، کلام اکثر رسالوں میں شائع ہوتا رہتا ہے، رباعیاں، نظمیں، غزلیں، سب کچھ لکھتی ہیں۔ واردات و احساس قلب کی ترجمانی، لطیف و شاعرانہ تشبیہیں، کیف و اثر اور طرز ادا کی لطافت و دلکشی آپ کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں، سوز و گداز کے ساتھ ساتھ طبیعت میں مزاح کا جوہر بھی موجود ہے، آپ کے اشعار بہت صاف، پُرکیف اور پُرتاثیر ہوتے ہیں

خبر میری نہ لی برباد کر کے فتنہ گر تو نے
میں تکتی رہ گئی اور پھیر لی اپنی نظر تو نے

سزا ملتی ہے لیکن، بے وفا اتنی نہیں ملتی
ذرا سے جرمِ الفت پر ستایا عمر بھر تو نے

فریبِ کامیابی اے دلِ مضطر مبارک ہو
اک امید اثر پر آہ کھینچی رات بھر تو نے

لطائف رہگذارِ ہجر کے کچھ تو سنا پروین

علیگڑھ سے کیا ہے خوب ہنٹر کا سفر تو نے

"ساغرِ عالمِ رنگ و بو"[1]

پہلا رُخ

یہ وفا، یہ متانت، یہ مزاکم صباحت
یہ جبینِ صبحِ طلعت، یہ تلاطم لیاقت

یہ جبین وضعِ تمکیں یہ نظر کی دل فریبی
یہ تناسب ہوشربا یہ فسونِ جامہ زیبی

لبِ رنگ آفریں میں یہ چھپا ہوا تبسم
یہ دہانِ غنچہ پیکر، یہ نوازشِ تکلم

ہے فسانہ ہر ادا میں ہر نگہ میں ہے کہانی
یہ شباب سی اُمنگیں یہ شراب سی جوانی

دوسرا رُخ

یہ لگاوٹیں یہ شوخی، یہ ادائے بیحجابی
کسی کنجِ گل میں جیسے ہو پڑا کوئی شرابی

یہ عذارِ نوسِ کاکل یہ نمائشِ پریشاں
کہ شراب جیسے اُڑ کر ہے آتشِ گلستاں

یہ کھلا ہوا گریباں یہ نمودِ جوشِ مستی
یہ خمار ریز آنکھیں یہ شبابِ مے پرستی

تری مستیاں وہ سمجھے جو خرابِ رنگ و بو ہو
ارے او جوان ساغر یہ جہاں اور تو ہو

"دعائے شام"

کیوں ہیں پڑے ہوئے اُداس کیف مری نگاہ میں

---

[1] موصوفہ نے یہ نظم جناب ساغر صاحب نظامی کی ایک تصویر دیکھ کر کہی تھی جو "ساغرِ عالمِ رنگ و بو" کے عنوان سے غالباً نومبر ۱۹۲۴ء میں پیمانہ میں شائع ہوئی تھی

پردے گرے ہوئے ہیں کیا حسن کی بارگاہ میں

دل ہی نہیں کہ تجھ کو دوں نذرِ محبّتِ ازل
آنکھیں نہیں کہ آ رہوں میں بھی تری نگاہ میں

ہائے وہ رحم گشتہ نظر جس کی کرم نمائیاں
بن گئیں سازِ زندگی عشق کی سوزگاہ میں

پھر تری برہمی کی یاد رنگ اڑا کے لے چلی
دیکھ رہی ہوں میں تجھے پھر افقِ سیاہ میں

دعوتِ صبرِ دل تجھے دے نہ سکے معاف کر
بند پڑے تھے راستے ہر نفسِ تباہ میں

ہاں ترا عشوۂ خضاب نہیں مائلِ کرم
ہاں نہیں اب مری نگاہ تیری حسیں نگاہ میں

خیر سکونِ دل نہ بن، خیر نہ التفات کر
آنے دے ذکر تو مرا پرسشِ گاہ گاہ میں

کچھ نہیں چاہتی مگر، اک نگۂ غلط اثر
ہمّتِ اعتراف ہو جس سے لبِ گناہ میں

گوشِ حقیقت آشنا نوحۂ خستہ کام سُن
مہر سحر نمائے دل عرضِ نیاز شام سُن

رباعیات

در ورودِ سرما

(۱)

برسات گئی تو فصلِ سرما آئی
باد دامن تر نسیم دریا آئی
اللہ ری سردیٔ وادیٔ نجد
بردیمنی میں چھپ کے لیلیٰ آئی

(۲)

باغوں میں وہ لطفِ سیر کا بھی نہ رہا
پھر قاف کا ذوقِ جانفزا بھی نہ رہا
سردی نے نشاطِ صبح پانی کر دی
جمنا پہ نہانے کا مزا بھی نہ رہا

(۳)

گرما میں وہ سرگرمیٔ احباب کہاں
وہ جلوۂ بحر و موج و سیماب کہاں
آسودگیٔ لحافِ رنگیں معلوم
نظارۂ تاج و شبِ مہتاب کہاں

(۴)

دل سرد ہے جا بادۂ عنّابی لا
سونے کے لئے حسین مہتابی لا
دس بجتے ہیں گو آئے نیند کا نام نہیں
اے اوّل شب لباسِ شب خوابی لا

نسیم

نسیم فاطمہ نام اور نسیم تخلّص ہے۔ آگرہ وطن ہے۔ آپ اردو کی اچھی شاعرہ ہیں۔ کلام اکثر رسالہ عصمت میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ زبان شستہ استعمال کرتی ہیں۔ آپ کے اشعار سنجیدہ جذبات کے حامل ہوتے ہیں:-

"دو آنسو"

علامہ راشد الخیری رح کی یاد میں

اے جہانِ دارِ معانی علم کے سرمایہ دار
تو نہیں باقی ہے لیکن آج تک تیرا وقار

یاد آتا ہے کہ رونق تھی ترے دم سے عیاں
یاد آتا ہے کہ تو گلشن میں تھا جانِ بہار

تو نے دنیا میں بڑھائی عزتِ نسواں بنت
ہو رہے ہیں آج ہم بھی نوعِ انساں میں شمار

تیرے دل کا خون صبحِ زندگی میں صرف ہے
اور شامِ زندگی کرتی ہے تیری بیقرار

ہر گلِ باغِ معانی ہے خزاں سے بے نیاز
تو نے اپنے خون سے سینچا ہے صحنِ لالہ زار

تیری ہر تصنیف ہے غم کا مرقع بے مثال
درد کی تصویر ہے ہر نقش تیرا نقشِ کار

طبقۂ نسواں میں پھونکی تو نے آزادی کی روح
تو ہی اک عورت کے دل کا تھا جہاں میں رازدار

دارِ فانی سے گئے تجھ کو ہوئی مدت مگر
یاد کرتی ہے تجھے اب بھی نسیمِ سوگوار

نشتر

قیصر جہاں بیگم نام اور نشتر تخلص ہے لکھنؤ کی شاعرہ ہیں کلام میں روایتی رنگ غالب ہے مگر انداز پختہ ہے۔ اشعار صاف اور عمدہ ہیں۔

چمن میں آج آمد ہے جو اس سروِ خراماں کی
بہارِ رفتہ پھر آئی ہوا بدلی گلستاں کی

دھواں اٹھتا ہے جس دم آہ کرتا ہوں شبِ فرقت
نہ پوچھو ہم نفس حالت ہمارے قلبِ سوزاں کی

یہ ادنیٰ سی عنایت تھی جنونِ فتنہ ساماں کی
کہ چھانی خاک ہم نے عمر بھر کوہ و بیاباں کی
کسی کے گیسوئے پُر خم جو نشتر یاد آتے ہیں
مری آنکھوں میں پھرتی ہے سیاہی شامِ ہجراں کی

نقاب

دورِ حاضر کی ایک خوش گو شاعرہ ہیں۔ نام معلوم نہیں تخلّص نقاب ہے۔ اشعار صاف اور پُر اثر ہیں۔

وہ ہجراں کے صدمے اُٹھائے ہوئے ہیں
کہ ہاتھوں سے دل کو دبائے ہوئے ہیں
اگر سر کروں جائیں چوتھے فلک پر
یہ نالے مرے آزمائے ہوئے ہیں
وہ منھ کیا دکھائیں گے محشر میں مجھ کو
جو آنکھیں ابھی سے چُرائے ہوئے ہیں
نہ تھے گھر میں غیروں کے بیٹھے یہ مانا
مگر کچھ تو ہے جو لجائے ہوئے ہیں

نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے
پسینہ پوچھیے اپنی جبیں سے

نکہت

رفعت جہاں نام اور نکہت تخلص ہے آپ گلشن آباد کی رہنے والی ہیں، غزل گو شاعرات ہیں آپ ایک خاص درجہ رکھتی ہیں رنگ سنجیدہ اور کلام پاکیزہ ہے۔ آپ کو زبان و محاورات پر بھی بڑی قدرت حاصل ہے آپ کے اکثر اشعار نہایت بلند و موثر ہیں۔

خفا ہو کس لئے میں نے کہا کیا
بتاؤ تو ہوئی مجھ سے خطا کیا

حسینوں کا جفا کاری ہے پیشہ
پھر اُن کی بے وفائی کا گلا کیا

شکستہ ساز کو کیوں چھیڑتے ہو
مرے ٹوٹے ہوئے دل کی صدا کیا

جو سمجھے پاؤں تک کافر ہیں کافر
انہیں نام خدا سے واسطا کیا

نہیں جب اہلِ ساحل کی ضرورت
تو پھر فکرِ خدا و ناخدا کیا

جفا بھی اب تو عنقا ہو گئی ہے
وفا کا ذکر اے نکہت بھلا کیا

نکہت

شکیلہ بیگم نام اور نکہت تخلص ہے۔ کھنڈوہ کے رہنے والی ہیں۔ کلام میں جذباتی رنگ غالب ہے۔ خیالات لطیف، نرم اور شاعرانہ ہیں۔ اگر طرزِ ادا میں تھوڑی سی پختگی اور پیدا ہو گئی تو آپ اُردو کی اچھی شاعرہ ہوں گی۔ کلام میں رومانی رنگ نمایاں ہے۔ نمونہ یہ ہے:-

بہار بن کے تو آجا کہ جا چکی ہے بہار

گلوں کو اوس سے نہلا کے جا چکی ہے بہار
مجھے تو خون کے آنسو رُلا چکی ہے بہار
مری تو دنیا مٹا کر ہی جا چکی ہے بہار
فقط مجھے یہ ہی نغمہ سکھا چکی ہے بہار
بہار بن کے تو آجا کہ جا چکی ہے بہار

ان عندلیبوں کے نغموں کی لوریوں کی قسم
نسیمِ صبح کی ان میٹھی تھپکیوں کی قسم
وہ تیری یاد کی دل دوز ہچکیوں کی قسم
تجھے گلستاں کی رنگین تتلیوں کی قسم
بہار بن کے تو آجا کہ جا چکی ہے بہار

اگرچہ مایۂ تسکیں خریدنا ہے تجھے
اگرچہ بادۂ رنگیں خریدنا ہے تجھے
جو اس کا جلوۂ رنگیں خریدنا ہے تجھے
اگرچہ ہمتِ گلچیں خریدنا ہے تجھے
بہار بن کے تو آجا کہ جا چکی ہے بہار

غمِ حیات میں گر پھر بہار لانا ہے
شرارِ حسن کی مینا سے گرچہ پینا ہے
اگرچہ اودی گھٹاؤں کو پھر بلانا ہے

جو انتقامِ جفائے بہار لینا ہے
بہار بن کے تو آجا کہ جا چکی ہے بہار

نوبیلا

شریمتی نوبیلا سنگھا اردو کی ایک خوشگو اور خوش فکر شاعرہ ہیں ۔ آپ کا کلام بہت صاف اور جذباتی اعتبار سے بہت بلند اور پُر کیف ہوتا ہے ۔ آپ کا رنگ پختہ اور طرزِ ادا پاکیزہ شستہ اور دلکش ہے ۔ خصوصاً چھوٹی بحروں میں بہت خوب لکھتی ہیں ۔ نمونہ کلام یہ ہے :۔

کیا سنائے کوئی فسانۂ دل　　جس کا انجام ہے نہ ہے آغاز
آج کچھ ان لبوں نے فرمایا　　ہے یہی میری خامشی کا راز
ہم بھی ہیں ذرخورِ نگاہِ کرم　　ہم بھی ہیں آپ کے رہینِ نیاز

نور

نور جہاں بیگم نام اور نور تخلّص ہے ۔ بدایوں مولد ہے آپ کے خود نوشتہ حالات درج ذیل ہیں :۔

" عارف پور نوادہ نامی بستی میں جو بدایوں سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے ۱۹۰۵ء میں میری پیدائش ہوئی ۔ میرے والد چودھری اساس الدین وہاں کے رئیسوں میں سے تھے ۔ ابھی میں چار ہی سال

کی تھی کہ میرے والدِ ماجد رحلت فرما گئے۔ والد نے اپنی زندگی کی یادگار دو بہنیں اور ایک بھائی چھوڑا۔ ہمشیرہ کی عمر چھ سال کی اور بھائی چار ماہ کا تھا اور یہی ہماری زندگی کا سہارا تھا۔ ابھی والد کے انتقال کو صرف تین ہی سال گزرے تھے کہ بھائی بھی ہمیشہ کے لئے داغِ مفارقت دے گیا۔ اب صرف آغوشِ مادر ہی باقی رہی، باپ اور بھائی کے مرنے کے بعد آبائی جائداد ہم دونوں بہنوں کو ملی۔ اور ان مشکلات کا سامنا ہم کو بھی کرنا پڑا جو عموماً دنیا کی یتیم اور بیواؤں کو کرنا پڑتا ہے۔ چچا اس خیال سے کہ ہماری جائداد باہر نہ چلی جائے۔ ہم لوگوں کی شادی اپنے خاندان میں جاہل لڑکوں سے کرنا چاہتے تھے۔ امّی اس امر کے خلاف تھیں۔ چنانچہ انھوں نے میری شادی اپنے بھانجہ سے کردی۔ حالانکہ یہ بھی صرف انٹرنس پاس تھے اور کسی دفتر میں نوکر تھے۔ مالی مشکلات کی وجہ سے تعلیم پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا سکے تھے۔ شادی کے بعد میں نے چند وجوہات کی بنا پر اپنی جائداد کے سہارے اعلیٰ تعلیم کی ترغیب دی اور مسلم یونیورسٹی میں داخل کرا کے چھوڑا۔ لیکن خوش قسمتی کہ میرے شوہر کو یونیورسٹی میں ملازمت مل گئی اور وہ ڈاکٹر ضیاء الدین احمد کے جو اس وقت پر پرووایس چانسلری کے عہدہ پر ممتاز تھے اسٹینوگرافر ہو گئے۔ اب ملازمت بھی تھی اور تعلیم بھی پرائیویٹ

امتحان بھی دے سکتے تھے ۔ چنانچہ انھوں نے ایل ۔ ایل ۔ بی کا
امتحان پاس کرلیا ۔ اس کے بعد میں نے ان کو اپنی زندگی کا کل
سرمایہ دیکر انگلستان بھیجا ۔ اقربا نے بھی مالی مدد دی ۔ وہاں سے
وہ بی ۔ اے (آنرز) اور پی ۔ ایچ ۔ ڈی کی ڈگری اسلامی تاریخ
میں لے کر چھ سال بعد واپس ہوئے

انگلستان سے واپسی پر کنواری لڑکی کا نام ان کی شادی کا
عنوان بن گیا ۔ میں نے بہت چاہا کہ اس روز بد سے سامنا نہ
کرنا پڑے ۔ مگر تقدیر کے آگے ایک نہ چلی ۔ اور آخر اپریل سنہ ۱۹۴۲ء
میں انھوں نے اپنا نکاح شاکر حسین بیرسٹر میرٹھ کی دختر حلیمہ بیگم
سے کرلیا ۔ یہ غریب سات ماہ بعد نذرِ اجل ہوئی ۔ میں نے
پھر بہت کوشش کی کہ اب دوسری شادی نہ کریں چنانچہ مئی ۱۹۴۳ء
میں ان کے ساتھ بدایوں گئی ۔ خیال تھا کہ ساس اور دوسرے
اقربا ان کو ہمراہ کر دیں گے مگر میری کوئی کوشش و منت سماجت
کارگر نہ ہوئی ۔ اور میرے شوہر ڈاکٹر امیر حسن صدیقی بعہدہ
پرنسپل مدرسہ کالج کراچی چلے گئے اور تیسری شادی کی فکر میں
ہیں ۔ میں اب اپنی زندگی کے دن اپنی بہن کے ساتھ گذار رہی ہوں ۔

میری تعلیم کسی کالج و مدرسہ میں نہیں ہوئی ۔ ابتدائی
تعلیم و تربیت خانہ داری اور مذہبی تعلیم پر مشتمل تھی میری معلمہ
صرف میری والدہ تھیں ۔ نورجہاں نورہ "

محترمہ سحرؔ دورِ حاضر کی ایک نہایت قادر الکلام اور پختہ گو شاعرہ ہیں لفظ لفظ سے کہنہ مشقی کا پتہ چلتا ہے، آپ کے متعلق ڈاکٹر عندلیب شادانی جیسے زبردست و سخت گیر نقاد کے الفاظ یہ ہیں:۔

"بہت اچھی شاعرہ ہیں .... نظم کہتی ہیں اور خوب کہتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان کی طرح مضبوط کہنے والی خاتونیں دورِ حاضر میں کم ہیں" لے

محترمہ نے نظم، غزل، نعت، منقبت اور مرثیہ سب پر قلم اٹھایا ہے۔ خصوصاً نظم میں آپ اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ محترمہ کے سوانح حیات نہایت دلدوز ہیں جیسا کہ ان کے خود نوشتہ حالات سے ظاہر ہے، اس لئے آپ کا سوز و گداز رسمی و روایتی نہیں، حقیقی ہے آپ کی نظمیں آپ کی الم شناس فطرت کی ترجمان ہیں، ان میں زندگی کے سچے واقعات اور ذاتی و شخصی طور پر محسوس کئے ہوئے شدید جذبات نہایت سادگی و صداقت کے ساتھ نظم کر دیئے گئے۔ اس لئے ان کا کیف و اثر پائندہ و دیرپا ہے، ساتھ ہی ساتھ یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ نزاکتِ خیال اور شعریت کا دامن کہیں ہاتھ سے چھٹنے نہیں پایا جس کی وجہ سے آپ کا کلام نہایت دلکش اور پُر اثر ہو گیا ہے

لے یہ جملے ڈاکٹر شادانی کے اُس مکتوب سے ماخوذ ہیں جو محترم نے ۲ جنوری ۱۹۵۴ء کو راقم الحروف کو لکھا تھا۔

حسن و صداقت، محترمہ کے آرٹ کے ترکیبی اجزا ہیں، ــــــــ اور ہر سچا
قائم رہنے والا آرٹ ان ہی دو اجزاء سے ترکیب پاتا ہے!
محترمہ کو اسلامیات سے گہرا لگاؤ ہے اور اس سلسلہ میں آپ نے
بعض نہایت بلند اور قابلِ قدر نظموں کی تخلیق کی ہے۔ جن کے
صوری و معنوی محاسن قابلِ تحسین ہیں۔ اس رنگ میں محترمہ علامہ اقبال
سے بیحد متاثر نظر آتی ہیں اور یہ امر قابلِ مسرّت ہے کہ محترمہ نے
علامہ مرحوم کے رنگ کو اچھی طرح سمجھکر صحیح قسم کی تقلید کی کوشش
کی ہے اور یہ کوشش بہت کامیاب ہے۔ علامہ مرحوم کا اثر محترمہ پر
لفظی و معنوی دونوں حیثیتوں سے پڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قومی و
مذہبی نظموں میں، آپ کی زبان و خیالات پر علامہ اقبالؒ کا رنگ
چھایا ہوا ہے، علامہ اقبالؒ کی ایسی کامیاب تقلید کے نمونے ابھی
شاعرات کی دنیا میں کم ہیں۔

"شبِ عاشورہ" نامکمل اور تشنہ ہونے کے باوجود محترمہ کی ایک زبردست
کامیاب نظم ہے۔ ہمارے مرثیہ نگاروں کے پیشِ نظر مرثیہ کا مقصد "رونا
رُلانا" رہا ہے اس لئے ان کی بیشتر مساعی ایسے بے بنیاد واقعات
کی تخلیق و اظہار میں صرف ہوگئی ہیں جن سے صرف یہ مقصد حاصل ہوسکے
اور اکثر اس سعیٔ لاحاصل میں اسلام کے کچھ زبردست اور بزرگ ترین
افراد کے کیریکٹروں کو خاک میں ملا کر رکھ دیا گیا ہے، غالباً یہ بات
ان کی نظر سے محو ہوگئی کہ ہائے وہو کے اس تمام شوروغل میں اُن

افراد کی صحیح اور سچی عظمتیں دب کر رہ گئیں۔ اور دنیا ان کو ان بلندیوں پر نہیں دیکھ سکی جہاں وہ واقعتاً سرگرمِ خرام تھے، اس سلسلہ میں محترمہ کی نظم "شبِ عاشورہ" نہایت اہم ہے۔ یہ ایک نمونہ ہے جس سے ہمارے مرثیہ گویوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ اصل میں یہ رنگ تھا جس کو مرثیوں کی روحِ رواں ہونا چاہیئے تھا، مگر غلط مقصد کے تعیّن نے ہمارے بیشتر مرثیہ نگاروں کی نظروں سے اس حقیقی اور سچے مقصد کو محو کر دیا۔

محترمہ نے غزلیں بھی لکھی ہیں۔ لیکن دراصل یہ ان کا رنگ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ غزلوں میں وہ اتنی کامیاب نظر نہیں آتیں جتنی کہ نظموں میں ہیں۔

سطورِ ذیل میں جو کلام پیش کیا جا رہا ہے وہ سب باستثنائے "شبِ عاشورہ" محترمہ کا اپنا انتخاب ہے۔ البتہ ترتیب میری ہے نظم "شبِ عاشورہ" بھی میں نے شامل کر دی ہے۔

(الف) واقعہ نگاری اور جذبات کی دلآویز ترجمانی

پیش کش

(بتقریب عقدِ ثانی ڈاکٹر امیر حسن)

مل گیا میری وفاؤں کا صلہ اے ہمدم	عہدِ اُلفت کا جو تھا خوب نبھایا تو نے
میری اُمیدوں کے خرمن پہ گرائی بجلی	دل کو وقفِ غم و آلام بنایا تو نے

وقت کے ہاتھ سے بھی جو نہیں مٹنے کا کبھی
میرے سینے پہ وہ اک زخم لگایا تو نے

ہو گئی میری تمناؤں کی دنیا تاریک
اب ہنسوں گی نہ کبھی ایسا رلایا تو نے

جن لبوں سے میں سنا کرتی تھی جینے کی نوید
اُن سے اب موت کا پیغام سنایا تو نے

بہہ گئی جس میں مرے امن و سکوں کی بستی
رنج کا دل میں وہ طوفان اٹھایا تو نے

داغِ غم سے مرے سینے میں چراغاں کر کے
شمع ساں محفلِ ہستی میں جلایا تو نے

شاد تھی میں مجھے ناشاد کیا ہے تو نے
مختصر یہ ہے کہ برباد کیا ہے تو نے

ہاں مگر پھر بھی مرے دل سے نکلتی ہے دعا
زندگی کو مری ناشاد بنانے والے

تیری دنیا میں مسرت کی فراوانی ہو
اے مجھے آتشِ فرقت میں جلانے والے

گلشنِ دہر میں تو شاد ہو آباد رہے
بجلیاں خرمنِ ہستی پہ گرانے والے

دل کے آئینے پہ آئے نہ کبھی گردِ ملال
اے مری زیست کو تاریک بنانے والے

تیری محفل میں مسرت کے ترانے گونجیں
اے مجھے نغمۂ آلام سنانے والے

تیری ہستی پہ رہے امن و سکوں کا پرتو
دل میں طوفانِ غم و رنج اٹھانے والے

شمع سے تیری رہے تیرا شبستاں روشن
نور کی شمعِ ارماں کو بجھانے والے

ہے دعا غنچۂ خاطر ترا مرجھانے نہ پائے
تیرے گلشن میں کبھی دورِ خزاں آنے نہ پائے

ماں کی تربت پر

بہرِ تسلیم تری تو نظر آئی ہے
نذر کو چشمِ عقیدت کے گہر لائی ہے

قبر سے اٹھ اسے سینے سے لگا لے امی
نور فریاد کو تربت پہ تری آئی ہے

چھائی ہیں سر پہ مظالم کی گھٹائیں ایسی
طاقتِ شکوہ ہے نہ تابِ شکیبائی ہے

جس کے آغاز نے بے چین کیا تھا تجھ کو
اس کے انجام کی وہ لیکے خبر آئی ہے

بھر گئیں مجھ سے زمانہ کی ہوائیں اُفّی
میری رسوائی ہے اور خلق تماشائی ہے

نقشِ سجدہ ترے در کا تھا جبیں پر جن کی
مشغلہ ان کا مذاقِ ستم آرائی ہے

تیری ہی شمع نے اب پھونک دی محفل تیری
انتخاب آج ترا تیری ہی رسوائی ہے

مٹ گئی آخری رونق بھی تری محفل کی
حسنِ اغیار ہے اور انجمن آرائی ہے

جو پسینے پہ ترے خون گراتی تھی کبھی
دشمنِ جاں مری اب وہ تری ماں جائی ہے

کیا رکھے خلق سے اُمید وفا کی کوئی
نہیں دنیا میں ترے وقت کا ساتھی کوئی

بند ہے بیس برس سے تری ہستی کی کتاب
یاد ہے نور کو اب تک مگر اس کا ہر باب

نالۂ نیم شبی، گریۂ پیہم تیرا
بسترِ غم پہ تڑپنا ترا مثلِ سیماب

ناز تھا جن کی وفاؤں پہ تجھے دنیا میں
آج رکھتے نہیں وہ اپنی جفاؤں کا جواب

وقف تھے ہاتھ ترے جن کی دعاؤں کے لئے
اُن کے ہاتھوں سے پھٹی تیرے فسانہ کی کتاب

محو تھا قلب ترا جن کی ہوا خواہی میں
ڈھا گیا گھر کو ترے اُن کے ستم کا سیلاب

نعشِ بسمل کی تو محفل میں تڑپتی چھوڑی
نذریں لے لیکے بڑھے جانبِ قاتل احباب

جو تری انجمنِ نور کا شیدائی تھا
ہے وہ اصنامِ سمن بر کا پرستارِ شباب

تیرے گہوارۂ الفت میں پلا تھا جو کبھی
کر گیا لختِ جگر کا وہ تری خانہ خراب

مغربی غمزوں نے بنیاد ہلا دی تیری
رنگ تخریب بنا کافر مستانہ شباب

غرقِ خونناب رہا تین برس دل میرا
گھر سے بے گھر کیا اور پھر دیا پاگل کا خطاب

آج ہمسایہ بنانے سے اُسے ہیں بیزار — جس کی خاطر وہ رہے چودہ برس پا بہ رکاب
کر دیا زیست کو ہم رنگِ سفر اس کے لئے — جس نے دنیا میں دکھائے انھیں فردوس کے خواب
کھوٹے داموں کے عوض بیچ دے عظمت تیری — نور سے ہوگا نہ اے مادرِ تقدیس مآب
دیکھ مٹی میں ملا دوں گا میں عزت تیری — طالبِ قرضہ جو ہوتی ماں تو بیٹے دیتے ہیں جواب
چارپائی بھی نہ چھوڑی مرے سونے کے لئے — لے گئے چھین کے سب مجھ سے وہ گھر کا اسباب
دل کی گہرائیوں میں ذوقِ طلب ہے باقی — ڈھونڈھتی ہے انھیں اب بھی یہ نگاہِ بیتاب

کنجِ عزلت میں مری بے سر و سامانی دیکھ
اپنی اس انجمنِ شوق کی ویرانی دیکھ

رودادِ ستم

(نور امی کے مزار پر ۱۹۴۳ء میں)

کیا انقلاب ہے فلکِ کج مدار کا — امی بجھا چراغ بھی تیرے مزار کا
تنویرِ زیست موت کی ظلمت میں کھو گئی — روشن سحر مری شبِ دیجور ہو گئی
کشتی بھنور میں چھوڑ کے وہ ناخدا گیا — موجوں کی رو میں اپنا سفینہ بہا گیا
ناآشنا مذاق نظر سے نظر ہوئی — جو پیار کی نگہ تھی، وہی فتنہ گر ہوئی
ہمراہ نہ تھا کوئی، ترا ہر کوئی زندہ تھا — بھائی بھتیجے بھانجے بہنوئی زندہ تھا
آیا نہ کام وقت پہ امی کوئی مرے — افسوس مجھ سے پھر گئے سب اقربا ترے
ایسا تھا دشمنی پہ مصر آسماں مری — سنتا نہ تھا جہاں میں کوئی داستاں مری
کرتی تھی ان کا عیش منغص فغاں مری — کٹتی تھی مہر تالے پہ گویا زباں مری
جو تیرے گل تھے خارِ مغیلاں ہوئے مجھے — تھے جو سپر وہ خنجرِ براں ہوئے مجھے

دل رفتہ رفتہ رنج کا خوگر بنا لیا — سایہ میں بے کسی کے غرض گھر بنا لیا
اک روز دی خبر یہ سحر کے نقیب نے — نجمِ صبح نے عابدِ شب کے خطیب نے
لوٹا اجل نے آکے دیارِ حبیب کو — سر سے گرا دیا تاجِ حیاتِ رقیب کو
آئی قضا کسی کی ہوا نام سحر کا — دامن پہ میرے لگ گیا الزام سحر کا
تھا کون سا وہ ظلم جو میں نے سہا نہیں — اس پر بھی اپنے منہ سے کچھ ان کو کہا نہیں

مدت ہوئی تھی کہنے کو یوں ایک سال کی
صدیاں یہاں گذر گئیں کرب و ملال کی

نامہرباں کو مہر پہ مائل جو پایا پھر — اک دن کسی بہانہ سے ان کو بلایا پھر
آ تو گئے وہ پھر وہی تیور چڑھے ہوئے — نظریں تھیں یا کہ سان پہ خنجر چڑھے ہوئے
عنوانِ شوق بدلے نہ دل کی کتاب کے — شائق تھے اب وہ بارِ دگر انتخاب کے
سمجھی تھی میں ہیں روٹھے منالوں گی ان کو پھر — دو چار دن میں اپنا بنالوں گی ان کو پھر
جوہر وہ خاکساری کے ان کو دکھاؤں گی — ان کے حضور اپنی خودی کو مٹاؤں گی

لیکن یہ انکسار اسی کو پسند ہے
جس کی نظر وسیع ہے فطرت بلند ہے

کی میں نے ہر طرح سے ادا رسمِ بندگی — بھائی انھیں مگر نہ ذرا رسمِ بندگی
الجھے ہوئے خیالوں کو سلجھا سکی نہیں — باز ان کو اس خیال سے بھی لا سکی نہیں
آئے نہ ہوش میں وہ نہ سودائے سر گیا — ہفتہ سے بھی سوا انھیں رہتے گزر گیا
جھولی درِ سخی سے نہ یہ بھیک کی بھری — کی میں نے ان کے روبرو دس دن گداگری

اٹھے وہ نالے اب کی دلِ بیقرار سے

تنگ آگئی ہیں زندگیٔ مستعار سے

دل نے کہا یہ جاتے ہیں گھر میں کیوں چلوں — احوال جا کے اہلِ وطن سے بیاں کروں
جس نے دیا تھا ہاتھ مرا ان کے ہاتھ میں — جاؤنگی ان کے پاس انھیں لیکے ساتھ میں
پر ان کو رحم تھا نہ دلِ زار پر مرے — پہلو تہی دکھاتے تھے اصرار پر مرے

آخر کو منتوں سے پھر آمادہ کر لیا
جبراً انھوں نے ساتھ میں یہ بارِ سر لیا

اٹھی وطن میں کیا مری تقدیر کرنے کو — اک عمر چاہئے اسے تحریر کرنے کو
پڑیاں مری دوا کی وہ لے جانا ساس کا — یہ کہہ کے اپنے بیٹے کو دکھلانا ساس کا
ڈائن یہ میرے گھر کی صفائی کو آئی ہے — بیوی تمھاری زہر تمھیں دینے لائی ہے
رکھنے پہ میرے راضی تھے وہ پیشتر ہی کب — بھڑکا دی ماں کی باتوں نے آتشِ غضب
سنتے ہی جوشِ غیظ کا فی الحال آ گیا — دنیا ہلی زمین کو بھونچال آ گیا
غصہ کی آندھی قہر کا طوفان غضب کا جوش — تھے فرطِ اشتعال سے مغلوب سب کے ہوش
دم توڑتا تھا وقت کے انصاف کا نظام — احساسِ رحم ان کی حکومت میں تھا حرام

پہونچا پکڑ کے خالو نے گھر سے نکالا پھر
اور پا پیادہ راہِ گذر سے نکالا پھر

گردوں پہ پھیرے چکا تھا راہ شام کی — تب لے رہی تھی ہاتھوں میں باگ انتظام کی
چوپائے اپنے باڑے کی جانب روانہ تھے — رخ سارے طائروں کے سوئے آشیانہ تھے
مزدور خوش تھے گھر کی طرف تیز گام تھے — تلے سڑک کے ہاتھوں میں جیبوں میں دام تھے
سڑکوں پہ غل سواری سرمایہ داری کا — گلشن میں جیسے شور ہوا ابرِ بہاری کا

ہر شخص اپنے گھر کی طرف تیز گام تھا — راحت کی جستجو میں ہر اک خوش خرام تھا
وہ میں تھی آج جس کا ٹھکانا نہ تھا کوئی — دنیا میں جس کا اپنا یگانہ نہ تھا کوئی
دل بیٹھا جا رہا تھا مرا اس خیال سے — آگاہ اب کسے کروں میں اپنے حال سے
اس منزلِ حیات کا رہبر نہیں کوئی — یہ شب جہاں بسر کروں وہ گھر نہیں کوئی
کوئی نہیں ہے اپنا بلاؤں میں اب کسے — یہ حال بے کسی کا سناؤں میں اب کسے
آنکھیں جواب دے چکی تھیں سر میں درد تھا — ہاتھوں میں رعشہ خشک گلا جسم سرد تھا
گرمی کی فصل پیاس کی شدت وہ الاماں — لب خشک کانٹے حلق میں سوکھی ہوئی زباں
تارِ نفس میں خنجرِ قاتل کی چال تھی — یعنی کہ موت زیست کی پرسانِ حال تھی
ہونٹوں سے پیاس چہرے سے بھوک آشکار تھی — اور پردہ دار چادرِ گرد و غبار تھی
چوکھٹ الٰہی کی پکڑے کھڑی رو رہی تھی میں — سر کو جھکائے اشکوں سے منھ دھو رہی تھی میں
آیا نہ ان میں سے کوئی تسکین دینے کو — قسمت کی بگڑی بخت کی پھوٹی کسے لینے کو

حسرت سے آسماں کی طرف منھ اٹھایا پھر
اور ایک راہ گیر سے تانگہ منگایا پھر

آئی وہاں سے دیدۂ گریاں لئے ہوئے — گھر تیرے پہنچی حالِ پریشاں لئے ہوئے
ابّا ملے نہ تم نہ برادر ملا مجھے — ویران بے چراغ ترا گھر ملا مجھے
نکلا نہ تم میں سے کوئی جب میرے لینے کو — ویرانی آئی دوڑ کے تسکین دینے کو
ہر خانہ گھر کا قدموں سے میرے چمٹ گیا — جوتوں میں ریت بھر گیا کوڑا لپٹ گیا

اللہ ہی جانتا ہے وہ شب کس طرح کٹی
اللہ ہی اللہ کرتے میں دن نکلا پو پھٹی

المختصر بس صبح گئی ماموں جان کے
یاں بھی قضا خلاف تھی بس ناتواں گئی

ماما ملی جو در پہ مجھے اتفاق سے
وہ آئی میرے پاس بڑے اشتیاق سے

اس سے کہا کہ تو مرے ماموں جا کے کہہ
جو کچھ جواب دیں وہ مجھے مجھ سے آکے کہہ

کہنا کہ لونڈی آپ سے ملنے کو آئی ہے
کم بخت و بدنصیب ہے غم کی ستائی ہے

سنبھلنے نہ پائی تھی ابھی ماما مرا کہا
چہرہ بگڑ گیا جو مری مامی جان کا

چلا کے اس سے بولیں تو آئی ہے کیوں بتا
پیغام بدنصیب کا لائی ہے کیوں بتا

قسمت کی پھوٹی ہے کہ مقدر کی ماری ہے
ہم اس کے ہیں کوئی نہ وہ کوئی ہماری ہے

پردہ ہے اس سے اپنا ہوں ہم کیسے سامنے
یہ کہہ کے در کو بند کیا نیک نام نے

لڑ کر نکالا شوہر خواہر نے امی جان
دلوا دی کنڈی تیرے برادر نے امی جان

مجبور ہو کے قبر پہ اب تیری آئی ہوں
اور زیر لب یہ نالۂ جانکاہ لائی ہوں

افسانۂ حیات کی تکمیل ہو چکی
امی تمھارے حکم کی تعمیل ہو چکی

اب ختم ہو چکے مرے سب کارِ زندگی
اور اٹھ چکا وہ پردۂ اسرار زندگی

میری حیات اصل صعوبات بن چکی
ہر سانس اپنی مرگِ مفاجات بن چکی

صبح طرب کی دید کہاں شام ہو چکی
قسمت مری بہارِ تمنا کو رو چکی

مہلک جفائے ہجر کا آزار ہو چکا
اچھا شب فراق کا بیمار سو گیا

بلبل قفس میں رنج اسیری بھی سہہ چکی
چھٹ کر چمن سے گوشۂ زنداں میں رہ چکی

یہ مشتِ خاک بجلیوں سے فیض پا چکی
شعلوں سے سب فضائے چمن جگمگا چکی

تاثیر تیرے دودھ کی اماں دکھا چکی
بھینٹ اپنی حسرتوں کی جہاں میں چڑھا چکی

خوں دے کے تازہ کر چکی رسمِ وفا کو میں
خاموش رہ کے سہہ چکی ہر اک جفا کو میں
جی چاہتا ہے نالوں سے محشر بپا کروں
پاسِ حیا ہے مانع اظہار کیا کروں
دل دے رہا ہے جذبۂ غیرت کو جوش اب
فطرت خودی کو دیتی ہے دارو ئے ہوش اب

قصہ جو یہ عدالت دنیا چکائے گی!
محشر میں تیرے آگے مجھے شرم آئے گی

کل صبح کوچ ہے مرا تیرے دیار سے
آؤں گی اب کبھی نہ لپٹنے مزار سے
غربت میں جو پڑے گی مصیبت اٹھاؤنگی
اب لوٹ کر دیار کو تیرے نہ آؤں گی
لیجے سلام آخری اس دل فگار کا
بے کس کا بے وطن کا غریب الدیار کا
آشفتہ حال لختِ جگر کا سلام لو
اس تیرہ بخت نورِ نظر کا سلام لو
اپنی جگر فگار و مسافر کا لو سلام
اپنی تباہ و سوختہ اختر کا لو سلام
گر اتفاق سے کہیں مل جائیں آپ کو
کہنا مرا سلام برادر کو باپ کو

ہو خاتمہ بخیر دعا آپ کیجئے
اور اذن اپنی نور کو رخصت کا دیجئے

(ب) اسلامیات۔ قومی و مذہبی جذبات

قدرت کا پیغام خورشیدِ رسالت کے نام

جب ختم نبوت کے ستاروں کا ہوا کام
خورشیدِ رسالت کو دیا حق نے یہ پیغام
آدم کے سفینے پہ ہے ابلیس کا قبضہ
کیا دور کہ بیڑے کو ڈبونے پہ بدانجام
پوشیدہ تنِ کعبہ میں اب روحِ تباں ہے
یزداں کی جگہ جلوہ کناں پیکرِ اصنام

بالکل ہی تجھے بھول گئی فطرتِ انساں ۔ اب اور ہی کچھ ہو گئے اُن کے سحر و شام
اے دوست نکل پردے سے اور بزمِ جہاں دیکھ ۔ خلوت کا نہیں وقت یہ جلوت کا ہے ہنگام
تنویرِ نظر دنیا کے ہر اک دل میں سما جا ۔ چمکا مری دنیا کے سب ایوان و در و بام

آفاق سے ظلمات کے لشکر کو بدر کر
عشاقِ جہاں کی شبِ ہجراں کو سحر کر

ہر شخص کا سر پھر سے سجدہ کو جھکا دے ۔ پھر خالق و مخلوق کے رشتہ کو ملا دے[1]
دروازہ سے مندر کے برہمن کو اٹھا کر ۔ لا کعبے میں اور زینتِ محراب بنا دے
قشقہ کی جگہ سجدۂ خالق کا نشاں ہو ۔ پیشانیٔ آدم کو پھر اگلی سی ضیا دے

کر غرق تو سرمایہ پرستی کا سفینہ
تابندہ ہو مزدور کی قسمت کا نگینہ[2]

انجم نے سرِ چرخ سے مژدہ یہ سنایا ۔ خورشیدِ رسالت افقِ دہر پہ آیا
خالق نے اسے رخصتِ تنویر عطا کی[3] ۔ وہ مہرِ مبیں برجِ شرف سے نکل آیا

---

[1] علامہ اقبالؒ ؎ کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو (بالِ جبریل)

[2] علامہ اقبالؒ ؎ تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں ؛ ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ ؛ دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات (بالِ جبریل)

[3] علامہ اقبال نے بھی ضربِ کلیم میں یہ ترکیب استعمال کی ہے
بولی کہ مجھے رخصتِ تنویر عطا ہو ؛ جب تک نہ ہو مشرق کا ہر اک ذرہ جہاں تاب

آئینۂ ایام میں چمکا مہِ قدرت
تاباں ہوا وہ نورِ الٰہی جو زمیں پر
توحید نے رنگِ رخِ تثلیث اڑایا
کہنے لگی ہے چرخ سے فضل مرا پایا
آمد جو ہوئی موکبِ محبوبِ خدا کی
اک دھوم مچی صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ کی

شبِ عاشورہ

پڑی ٹھنڈی جو خورشیدِ فلک کی گرم بازاری
عطا نے رات کو حق نے کیا تاجِ جہانداری
نہ پہلے اور نہ پھر اُس کے برابر کی یاد میں آئی
یہ وہ شب تھی جو تنہا عالمِ ایجاد میں آئی
یہ وہ شب تھی لٹا تھا جس میں تاجِ سطوتِ ملت
یہ وہ شب تھی مٹا تھا جس میں تاجِ شوکتِ ملت
یہ وہ شب تھی کہ تھی رخصت برتھا حق کا دلدادہ
سحر کو جس کی رن میں لٹ گیا یثرب کا شہزادہ
یہ وہ شب تھی الم سے جس کے چرخِ پیر مضطر تھا
پیاسا تین دن کا نائبِ ساقیِ کوثر تھا
یہ شب پیغامِ تخریبِ جہاں دیتی ہوئی آئی
مکمل مصیبت کا بارِ سر لیتی ہوئی آئی

زمینِ کربلا پہنے ہوئے تھی ماتمی جامہ
نہاں تھا آستیں میں محشرِ فرزا کا ہنگامہ
خزاں کی تھی چڑھائی اور باغِ شاہِ طیبہ تھا
ہواؤں کے تھے جھونکے اور چراغِ طاقِ کعبہ تھا

گھٹائیں چھائی تھیں غم کی ہلالِ عیدِ زہراؓ پر
تھے طوفانی تھپیڑے کشتیٔ امیدِ زہراؓ پر
علیؓ کا چاند تھا اور گردِ رنج و غم کا ہالا تھا
سحر کو ہاشمی خورشیدِ انورِ گہنے والا تھا

اندھیرا چھایا تھا عالم پہ وہ ظلم و تعدّی کا
نہ تھا دنیا میں حامی کوئی اس دنیا کے ہادی کا
بچھا تھا ریت کے اوپر نبی زادہ کا سجّادہ
جبینِ آئینہ کردار پیشِ حق تھی اُفتادہ

صدائے نغمۂ وحدت سے پُر ہر تارِ ہستی تھا
فروغِ جلوۂ ایقاں سے دل ایماں کی بستی تھا
اُٹھی تھیں بحرِ ہستی کے کنارے عشق کی موجیں
کہ جس میں ڈوبتی تھیں کل غم و افکار کی فوجیں

ہر منازل کر گیا جب ضبط کے طے صبرِ انسانی
ہوئے اوجھل نگاہوں سے حجابِ عالمِ فانی
خزاں کی گود میں جلوے نظر آئے بہاروں کے

زمینِ کربلا پر سب جھکے تھے چاند تاروں کے
گروہِ انبیا میں پھر جمالِ مصطفےٰ دیکھا
پریشاں بال، رُخ پر گرد، عمامہ جُدا دیکھا
فضائے کربلا کا منظرِ غمناک کھلا یا
نبیؐ نے یوں نواسے سے مخاطب ہو کے فرمایا
نہ گھبراؤ مرحلہ طے جلد یہ جانِ پدر ہوگا
تو کل مہمان گلزارِ جناں میں میرے گھر ہوگا
جبینِ یاس مہتابِ درخشاں بن چمک اُٹھی
ضیاء و داغِ دل مہرِ فلک بن کر دمک اُٹھی
ہوئی رخصت شبِ عاشورہ کہتی بزمِ ہستی سے
پڑے گا کام اک دن پھر مجھے دنیا کی بستی سے
تھے آثارِ سحر لیکن ابھی غالب اندھیرا تھا
اُفق کو چار سُو سے فوجِ تاریکی نے گھیرا تھا
ستارے شوقِ دید شاہ میں ٹوٹے سے پڑتے تھے
فلک کے ہاتھ سے جام و سبو چھوٹے سے پڑتے تھے
کیا ارشاد فرزندِ رسولِ حق نے اکبرؓ سے
عرب کے ماہِ نو اور شہر بانوؓ کے گلِ تر سے
وفا کی آخری منزل پہ اے جاں اب پدر آیا
تہِ تیغ امتحاں دینے کو زہراؓ کا پسر آیا

ہماری داستانِ حسرت و غم مختصر ہوگی
اب اس کے بعد دنیا میں نہ پھر اپنی سحر ہوگی

اذاں اک بار کہہ لو ورنہ پھر مہلت کہاں ہوگی
نہ ہم ہوں گے نہ تم ہوگے نہ یہ بانگِ اذاں ہوگی

اذانِ صبح دی اکبرؓ نے جب ارشادِ عالی سے
زمینِ دشتِ بلا کی گونج اٹھی صوتِ جمالی سے

اذاں جب دے چکا ایران اور یثرب کا شہزادہ
بچھایا ریت کے اوپر نبی زادوں نے سجادہ

امامت آپ نے فرمائی پھر ان جاں نثاروں کی
نمازِ آخری تھی آخر ہوئی طاعت گزاروں کی

ہوئی کافور ظلمت روشنی پھیلی جہاں بھر میں
گریباں صبح نے پھاڑا غمِ آلِ پیمبرؐ میں

پرندے آشیانوں میں جھکائے سر پڑے تھے سب
چراگاہوں سے چوپائے بھی منہ پھیرے کھڑے تھے سب

گلستاں میں ہوا ہر چار جانب خاک اڑاتی تھی
وفورِ غم سے شق گلزار میں ہر گل کی چھاتی تھی

چمن میں عندلیبِ زار یہ کہتی تھی پھولوں سے
بہارِ مصطفٰے ہو جائے گی تاراج غولوں سے

سمیٹا دلبرِ زہرا رضؓ نے آخر اپنا سجادہ

جماعت جاں نثاروں کی ہوئی مرنے پہ آمادہ
گیا خیمہ میں رخصت کو پسر شیرِ الٰہی رضؓ کا
کہ تا ہمشیر کر لے آخری دیدار بھائی کا

وہ عالم آپ کو اس وقت خیمے میں نظر آیا
کہ جس کو دیکھ کر قلبِ شہِ مظلوم بھر آیا
ہر اک کی صورتِ پُر نور تھی تفسیر حسرت کی
کوئی غم کا مرقع تھی کوئی تصویر حسرت کی

بدقت آپ نے اپنے دلِ بیتاب کو روکا
بہت مشکل سے اس اُٹھتے ہوئے سیلاب کو روکا
کہا پھر اُمتحاناً آپ نے ہمشیر خستہ سے
گرفتارِ بلا آفت رسیدہ دل شکستہ سے

پرستارِ خدا اے عاشقِ حق ثانیٔ زہراؓ
لگا ہے آج اولادِ علیؓ پر موت کا پہرا
نہاں ہے ساحلِ اُمید اُن کا یاس و حرماں میں
سفینہ زندگی کا آگیا آغوشِ طوفاں میں

ہوئی رخصت خیالِ زیست کی ہنگامہ آرائی
رہے گی یادگارِ خلق دائم میری تنہائی
مجھے معلوم ہے جو بعد میرے تم پہ گذرے گی
جلے گا خیمہ اور چادر سرِ عترت سے اُترے گی

کہو باطل کے ڈر سے چھوڑ دوں دعوے صداقت کے
سرِ سبطِ نبی جھک جائے آگے اس حکومت کے

یہ سُن کر عندلیبِ گلستانِ مصطفےٰؐ بولی
گُلِ گلزارِ زہراؓ نورِ چشمِ مرتضےٰؓ بولی
کہ اے آئینۂ صدق و صفا کے خوشنما جوہر
مقدس معدنِ مہرو وفا کے بے بہا گوہر

یہ شاید لے رہا ہے امتحاں زہراؓ کی دختر کا
تمہیں منظور ہے آج آنہ مانا اپنی خواہر کا
حمیّت کا شرف ہم ہیں، وفا کا رنگ و بو ہم ہیں
صداقت کے محب ہیں، آج باطل کے عدو ہم ہیں

بہارِ گلشنِ فردوس میں دنیا کے رہبر ہیں
ضیاءِ قصرِ جنّت، زینتِ محراب و منبر ہیں
شرافت کے گہر ہیں ہم نبوّت کے نگیں ہم ہیں
جہاں میں غیرتِ حق کی امانت کے امیں ہم ہیں

خیالِ مرگ سے عزمِ مجاہد رک نہیں سکتا
سرِ ایماں کبھی باطل کے آگے جھک نہیں سکتا
نہ گھبراؤ وہی ہے آج کے دن آسرا اپنا
سفینہ ہیں نبیؐ کا ہم، خدا ہے ناخدا اپنا

مجھے منظور ہے راہِ خدا میں سر کٹا دو تم

صداقت کے لئے دنیا کی ہر دولت لٹا دو تم
یہ کہہ کر ہو گئیں فرطِ الم سے اشکبار آنکھیں!
نہ تھا ممکن کہ ہوں جذبات دل کی پردہ دار آنکھیں

مسلم سے خطاب

آہ مسلم ہے یہ تیرے خوابِ غفلت کا اثر
قوم پر تیری جو چھایا ہے فلاکت کا اثر

لرزہ براندام تجھ سے روم اور ایران تھے
قیصر و کسریٰ ترے در کے کبھی دربان تھے

تیرے سر پر فخر کرتا تھا جہانبانی کا تاج
تیرے بیت المال میں تھا ہفت کشور کا خراج

تیرے توسن کی عناں تھمتی نہ تھی سیلاب سے
مضطرب ہوتا نہ تھا تو وادیِ بے آب سے

بحر کے اندر سفینہ تیرا بازی کھیلتا
اس کی موجوں کو مثالِ موج تھا تو ریلتا

تیرا بیڑہ خضر کا منّت کشِ احساں نہ تھا
یعنی تو مرعوبِ موجِ بحرِ بے پایاں نہ تھا

بدر کے میدان کے کارِ نمایاں یاد کر
تنگ دستی تنگ داماتی کے ساماں یاد کر

رزم کی رنگیں فضا مسلم کے سر کا تاج تھی
موت کی منزل شہیدوں کے لئے معراج تھی

برق کے مانند چمکی تیری تیغ ناصبور
کفر کے خرمن کا تو نے جس جگہ پایا ظہور

تھرتھراتا تیرے ڈر سے تھا کبھی چرخ کہن
کفر کے ماہِ سحر کو لگ گیا تجھ سے گہن

مردہ عالم کر دیا زندہ تیری تکبیر نے
طالعِ خفتہ کو چونکایا تیری تدبیر نے

تھیں وہ تلواریں تمہیں صحرا نشینوں کی کبھی
چاٹتی تھیں جو لہو شاہی جبینوں کا کبھی

راہِ گم کردہ کا رہبر نا خدا کی آس تھا
خضر تھا صحرا میں تو دریا میں تو الیاس تھا

حکم ناطق تھا ترا منطق تری تقدیر تھی
کاتبِ تقدیر کا لکھا تری تحریر تھی

فیض شبنم کا تھا تو ابر بہاری کی بہار
مدعا گلیوں کا تھا اور محفلِ گل کا سنگھار

خوئے مسلم جب کہ کعبے کے نگہبانوں کی تھی
ہفت کشور میں حکومت تم شتربانوں کی تھی

خود نمائی سے تری خوجب تلک بیگانہ تھی

تجھ پہ قرباں شمع ایمن صورت پروانہ تھی
مردہ دنیا زندہ تیری صحبت قُم سے ہو گئی
کیوں وہ آوازِ مسیحا اب سدا کو کھو گئی

چھوڑ بیٹھا آہ مسلم تو اصولِ زندگی
مغربی تقلید نے کھوئی تیری تابندگی

بے نیازی نے تری کھویا تیری فطرت کا راز
تھا تقاضا عشق کا مسلم تری پچھلی نماز

جب کہ محرابِ عبادت میں جھکا پھر نماز
عبد اور معبود میں ہونے لگے راز و نیاز

جب اٹھاتا تھا دعا کے واسطے تو اپنے ہاتھ
آیۂ لا تقنطو تسکین کو ہوتی تھی ساتھ

جب کلام اللہ کے اوراق گردانی میں تھے
مرحبا بالِ ملک تیری نگہبانی میں تھے

پیکرِ آدم کی گل دنیا میں اب باقی نہیں
جام ہے توحید کا باقی مگر ساقی نہیں

عشق کا دل کھو گیا اب حسن بے تاثیر ہے
شمع محفل جل رہی ہے آنکھ بے تنویر ہے

یاد کا جب اس کی محفل میں نہیں تیری گذر
آہ بے تاثیر تیری نعرے نالے بے اثر

چھا گئے ادبار کے بادل تری تہذیب پر
کفر نے بیڑا اٹھایا ہے تری تخریب پر
تیرے در کے پاسبانوں کے سروں پر تاج ہے
اور تو نانِ شبینہ کے لئے محتاج ہے

ہے حوادث کے تھپیڑوں میں ترا بیڑا اسیر
ناخدا ہوش میں ڈوبا ترا تاج وسریر
جستجوِ گل کی ہے تجھ کو باغِ ویراں میں عبث
ڈھونڈھتا ہے آبِ حیواں کو بیاباں میں عبث

زندگی تیری نہ ہو کیوں نذرِ طوفانِ الم
جادۂ دینِ محمدؐ پر نہیں تیرا قدم
لذّتِ تکبیر سے ناآشنا ہے دل ترا
اور شدے ماتم ہے نعرۂ منزل ترا
تو اگر پھر وہ گذشتہ شان و شوکت چاہیئے
دردِ ملّت چاہیئے[۱] پاسِ شریعت چاہیئے

اسلام

آہ اے اسلام تھا تو روکشِ مہرِ مبیں
تیری تابانی سے روشن تھی زمانہ کی جبیں
تو خدا کا اس جہاں میں آخری پیغام تھا[۲]

[۱] و [۲] (نوٹ اگلے صفحہ پر)

لانے والا تھا ترا محبوب ربّ العالمین
تھا چمن معمور تیرا نغمۂ توحید سے
اس چمن کے عندلیبوں کی صدا تھی دلنشیں

تیرے قدموں پر فرازِ آسماں تھا سجدہ ریز
تجھ سے تھی پستی زمیں کی غیرتِ عرشِ بریں

خرقۂ درویش تھا ملبوسِ شاہی کا سہیم
تھے گدایانِ حرم کے پاؤں پر تاج و نگیں

(پچھلے صفحہ سے)
[۱] اتفاقیہ طور پر یہ مصرعہ علامہ اقبالؒ سے مل گیا ہے (نور)
[۱] اس نظم پر علامہ اقبالؒ کا رنگ کس حد تک چھایا ہوا ہے اس کا اندازہ مرثیۂ صقلیہ کے ابتدائی اشعار سے ہو سکتا ہے جو علامہ اقبالؒ نے یورپ سے ہندوستان آتے وقت لکھا تھا۔ اشعار ملاحظہ ہوں :-

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونابہ بار
وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزار
تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی
بحرِ بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی
زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے
بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے
اک جہانِ تازہ کا پیغام تھا جن کا ظہور
کھا گئی عصرِ کہن کو جن کی تیغِ ناصبور
مردہ عالم زندہ جن کی شورشِ قُم سے ہوا
آدمی آزاد زنجیرِ توہّم سے ہوا
زلزلوں سے جن کے لذت گیر اب تک گوش ہے
کیا وہ تکبیر اب ہمیشہ کے لئے خاموش ہے (بانگِ درا صد ۱۴۱)

تیرے طائر بے خطر تھے حیلۂ صیاد سے
یورشِ ظلم و ستم سے دل نہ تھا ان کا غمیں

بجلیوں کا آشیاں تھی تیری تیغِ بے نیام [1]
کر دیا تھا راکھ اس نے خرمنِ اعدائے دیں

تیری آغوشِ محبت عیش کا گہوارہ تھی
تیری نکہت ہائے نکہتِ گل سے ہوا ناز آفریں

آتشِ نمرود مسلم کے لیے گلزار تھی
اس کے دل میں بھی تھا ابراہیمؑ کا نورِ یقیں

آسماں بھی تھا جبیں گستر تری دہلیز پر
خندہ زن تھی رفعتِ گردوں پہ تیری سرزمیں

فتح و نصرت تھی جلو میں کامیابی ہمرکاب
سینۂ باطل تھا ہیبت سے تری اندوہگیں

تیرے درویشوں کے سر پر تاجِ ہفت اقلیم تھا
ان کے تھی زیرِ نگیں یہ وسعتِ روئے زمیں

کاتبِ تقدیر کی تحریر جاتی تھی بدل
بندۂ مومن کا دل تھا مہبطِ روح الامیں [2]

---

[1] علامہ اقبالؒ ع بجلیوں کے آشیانے جن کی تلواروں میں تھے

[2] علامہ اقبالؒ کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں (بانگِ درا)

چھوڑ کر تجھ کو ہوئے ہم ننگِ بین ننگِ وطن
ذلتیں سب کو ہماری درسِ عبرت ہو گئیں

خانماں برباد ایسے دہر میں ہم ہو گئے
بعد مردن گور بھی ہم کو نہیں ملتی کہیں

پائمالی کو تری اُٹھے ہیں وہ دشمن ترے
ہاتھ سے تیرے اماں جنکو نہ ملتی تھی کہیں

شورشِ طوفان باطل آج ہے محشر بدوش
اور چلی ہے کفر کی آندھی بجھانے شمع دیں

تیرے تاروں ہیں ابھی بیتاب ہے سازِ کہن
تشنۂ مضراب ہے لیکن یہ سازِ دلنشیں

تیری محفل بھی ہے باقی رونقِ محفل بھی ہے
تیری محفل میں مگر افراد وہ باقی نہیں

جل رہی ہے شمع محفل بھی اسی انداز سے
آہ پروانوں ہیں لیکن ذوقِ خودسوزی نہیں

بادۂ توحید سے سرشار پھر کر دے انھیں
تشنہ کاموں کو عطا کر پھر وہ جام احمریں

محمد علی جناح کی آمد پر

ہے نہیں قائم کبھی ایک رنگ پر دورِ جہاں

ہر نفس ہے اک پیامِ انقلابِ آسماں
ذرہ ذرہ ہے جہاں کا محشرِ صد اضطراب
غیر ممکن اس خرابے میں سکونِ جاوداں
ہے قرارِ زندگی، ہم معنیٔ رمزِ اجل
ہے سکوتِ مستقل ہمدوشِ مرگِ ناگہاں
ہے یہی آئینہ ہستی یہی رازِ حیات
زندگی کیا ہے عمل کا ایک مسلسل امتحاں
ایک دن وہ بھی تھا جب تو مالکِ کونین تھا
تیری سطوت کی قسم کھاتے تھے ارض و سماں
تیرے قدموں پر جھکا تھا قیصر و کسریٰ کا تاج
رہتا تھا ٹھوکر پہ تیری تختِ جم تاجِ کیاں
تیری جولانگاہ تھے روم و عراق و مصر و شام
تھے ترے زیرِ نگیں اسپین اور ہندوستاں
جو مسلماں فخرِ موجودات تھا ہے آج وہ
ننگِ خلقت، ننگِ دیں، ننگِ وطن ننگِ جہاں
بت شکن تھی جس کی ہر اک ضربِ تیشۂ خلیل
آج ہے وہ خود نشانہ عشوۂ نازِ بتاں

ل علامہ اقبال ؂ جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ مذہب ننگِ دیں ننگِ وطن (جاوید نامہ)

آستاں پر جس کے ہوتا تھا جبیں گستر فلک[1]
آج اُس کا سر ہے اور غیروں کا سنگِ آستاں

جو نہ جھکتا تھا کسی طاقت کے آگے جز خدا
آج بندے ماترم ان کی زباں پر ہے رواں

جو کبھی نسل و وطن کی قید سے آزاد تھا
آج مذہب سے زیادہ ہے اُسے ہندوستاں

الغرض بے غیرتی و بے حسی سے تھا قریب
دامنِ عقل و خرد اُڑ جائیں ہو کر دھجیاں

ایک کروٹ اور بدلی وقت نے ایام نے
ہو گیا پھر ہمکنارِ موسمِ گل بوستاں

پا لیا بیمارِ غم نے چارۂ دردِ نہاں
مل گیا بھٹکے ہوئے رہرو کو منزل کا نشاں

اے جناح! اے قومِ مسلم کے امیرِ کارواں
چارہ سازِ دردِ ملت تیری فکرِ نکتہ داں

اے کہ میدانِ سیاست میں نہیں تیری نظیر
تجربے میں پیر ہے تو اور ہمت میں جواں

مسلمِ خوابیدہ کو تو نے دیا درسِ عمل
بیخودی کا دَور تو نے کر دیا خوابِ گراں

---

[1] علامہ اقبال۔ جن کے دروازوں پہ رہتا تھا جبیں گستر فلک (بانگِ درا)

لقمۂ تر جو مسلمانوں کو تھے سمجھے ہوئے
اب انھیں زورِ عمل ان کا کریگا سرگراں

کر دے تازہ اپنی تدبیرِ جہانبانی سے پھر
عظمتِ اسلام کی بھولی ہوئی وہ داستاں

(ج) غزلیات

بات کیا ہے وہ تجلّی بسرِ طور نہیں
عشق مجبور سہی حُسن تو مجبور نہیں

جس میں مرضی ہو تری اپنی رضا بھی ہے وہی
خود پرستی ہو محبت کا یہ دستور نہیں

چارہ گر بہرِ خدا چھوڑ دے فکرِ درماں
بھر سکے وقت کا مرہم یہ وہ ناسور نہیں

نگہِ چشمِ کرم کارِ رفو کرتی ہے
ہاں ذرہ سینے دل صد چاک کی منظور نہیں[1]

بھر سکے سوزشِ داغِ شبِ فرقت جس سے
آہ اے جیبِ سحر تجھ میں وہ کافور نہیں

اب کسے ساغرِ مے آکے پلائے ساقی
نذرِ سر دینے کو سرمد نہیں منصور نہیں

اب سنائی نہیں دیتے اَرِنی کے چرچے
جلوۂ طور تو ہے عاشقِ مہجور نہیں

پاسِ صیاد نے روکا ہے بمشکل ورنہ
تن ہے پابندِ قفس نالہ تو مجبور نہیں

قہر سے تیرے زیادہ ہے عنایت تیری
بخش دے تو جو رحمت سے یہ کچھ دور نہیں

---

[1] علامہ اقبال ؎ الٰہی عقلِ خجستہ پا کو ذرا سی دیوانگی سکھا دے
اسے ہے سودائے بخیہ کاری مجھے سرِ پیرہن نہیں ہے (بانگِ درا)

[2] جلوۂ طور تو موجود ہے موسیٰ ہی نہیں۔

درستی اس دلِ صد چاک کی کیا تجھ کو مشکل تھی
نگاہوں میں تری تھے سیکڑوں تارِ رفو پنہاں
گلِ امید کی حسرت رہی میرے گلستاں کو
بہارِ لطف میں تیری تھے لاکھوں رنگ و بو پنہاں
ترستی رہ گئی ایک ایک قطرہ کو مری محفل
تری چشمِ کرم میں گرچہ تھے جام و سبو پنہاں
کھلے گا ناخنِ تدبیر سے کیا عقدۂ مشکل
خرد ہے زیرِ دامانِ قضائے سبلہ جو پنہاں

غزل!

پھر کھچ گئی اچانک ہمدم کمانِ تقدیر
برسے دلِ حزیں پر جور و ستم کے پھر تیر
غیروں سے جب ملے ہم اپنا بنا کے چھوڑا
اور کر سکے نہ اس کو کرنا تھا جس کو تسخیر
اوروں کے چاک قسمت ہم نے رفو کئے تھے
اور سی سکے نہ اپنا افسوس چاکِ تقدیر
اس درجہ سوءِ ظن ہے ہر بات دلشکن ہے
لائے کہاں سے ہر دن اک دل نیا یہ دلگیر
پاسِ وفا ہمارا ٹھہرا وہن بنا ہے
کس طرح ہو سکے گی احوالِ دل کی تفسیر
آزاد کب تھی بلبل جو دام میں پھنسی اب
صیاد خود رگِ گل تھی اس کے حق میں زنجیر

---

۵ اسرار الحق مجازؔ:- سب کا تو مداوا کر ڈالا، اپنا ہی مداوا کر نہ سکے
سب کے تو گریباں سی ڈالے اپنا ہی گریباں بھول گئے (آہنگ ص ۱۰۲)

کیوں سرخ ہوئی ہیں پھر تیلیاں قفس کی　　اے اشکِ خوں بہا گل شاید کھلائے تقدیر
آیا جو زد پہ محرم رحمت نے اس کو بخشا　　کیا قابلِ تلافی تھی تو دکی نہ تقصیر

نوشابہ

نوشابہ خاتون نام اور نوشابہ تخلص ہے۔ قریشی نسبتِ خاندانی کی وجہ سے مشہور ہیں۔ آپ حیدر آباد دکن کی رہنے والی اور اردو کی مشہور شاعرہ ہیں۔ آپ کے والد مولوی عبد الحق صاحب سابق مددگار ناظم کوتوالی اضلاع تھے۔

محترمہ نوشابہ خاتون کی تعلیم ابتدا سے آخر تک خانگی طور پر ہوئی۔ اس تعلیم سے انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور جامعہ عثمانیہ سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ ان خواتین میں جنھوں نے جامعہ عثمانیہ سے ڈگری حاصل کی ہے آپ سب سے پہلی خاتون ہیں۔

آپ کو دس سال کی عمر سے شاعری کا شوق ہے۔ آپ کا کلام رسالہ عصمت میں اکثر شایع ہوتا رہتا ہے۔ آپ کا ایک مجموعۂ کلام "موجِ تخیل" کے نام سے شایع ہو چکا ہے۔ ہر صنفِ سخن پر آپ نے طبع آزمائی کی ہے کلام میں صفائی و بلندی موجود ہے، طرزِ ادا کی ندرت، اور خیالات کی بلند پروازی قابلِ داد ہے۔ کلام میں سوز و درد بھی ہے۔ آپ اقبالؒ کے رنگ سے بھی متاثر ہوئی ہیں۔ آپ نے جنسی محبت کے تصور سے بلند ہو کر زندگی کے حقائق پر بھی نظر ڈالی ہے۔ آپ کے یہاں تلقینِ عمل بھی ہے اور

درسِ حیات بھی، قومی اور ملّی رنگ کی نظمیں بھی ہیں اور غزلیں بھی ہیں آپ نے اپنے طبقۂ نسواں کی اصلاح کی بھی کوشش کی ہے اور توہم اور جہالت اور سماج کے غلط رسم و رواج کے خلاف بھی احتجاج کیا ہے

ہے نوائے تلخ یارب سوز و سازِ زندگی
نغمۂ شیریں سُنا بر ربط نوازِ زندگی

اپنی ہستی کو مٹا کر بن فروغِ انجمن
شمع سے کچھ سیکھ لے سوز و گدازِ زندگی

منتشر شیرازۂ اوراقِ ہستی جب ہوا
آشکارا ہو گیا دم بھر میں رازِ زندگی

ہے سکونِ موت سے بدتر سکونِ انجماد
سعی و حرکت دہر میں ہے امتیازِ زندگی[1]

کلیجے مسلم کے جل چکے ہیں گلوں پہ خنجر بھی چل چکے ہیں
کہ اہلِ یورپ ستم سے اپنی ہماری طاقت کچل چکے ہیں

وہ شور ظلم و غضب کا اُٹھا ہوئی قیامت زمیں پہ برپا
کہ خونخوارانِ فتنہ افزا، بگڑ چکے ہیں، مچل چکے ہیں

وہ آگ حرصِ ستم کی بھڑکی کہ جس سے پانی کو قوم ترسی
امان غایب پناہ کیسی، پہاڑ آتش اُگل چکے ہیں

نہ جائے مسلم کی آہ خالی، بلند ہو پرچمِ ہلالی
قہر وہ آجائے اب جلالی وہ فتنے اٹھیں جو ٹل چکے ہیں

---

[1] علامہ اقبالؒ

فریبِ نظر ہے سکون و ثبات ؞ تڑپتا ہے ہر ذرّۂ کائنات
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی ؞ فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی
(ساقی نامہ بالِ جبریل)

اولئے قاتل پہ آفریں ہے، یہ قولِ نوشابہ حزیں ہے
تصورِ جو یہ دلنشیں ہے، قدم ہمارے پھسل چکے ہیں

خواہرانِ محترم بیدار ہو بیدار ہو
تا کجے خوابِ گراں ہشیار ہو ہشیار ہو
تا کجے سامانِ نکبت ہستیٔ بیکار ہو
رزم گاہِ دہر میں آمادۂ پیکار ہو
ہے تاسف آفریں بہنوں ہماری زندگی
درسِ عبرت دے رہی ہے نکبت و واماندگی

تختۂ مشقِ ستم ہیں تنگ اپنی جان سے
ہمتیں ہیں پست خالی قلب ہیں ایقان سے
زندگی بدتر ہماری کیوں نہ ہو حیوان سے
علم سے محروم ہیں بے بہرہ ہیں ایمان سے
معتقد ہیں ہم شگونوں کے کہیں اوہام کے
فلسفہ سے ہم نہیں واقف ذرا اسلام کے

آہ بے علمی ہماری زیست کا مقصود ہے
جہل و نادانی ہمارے واسطے محمود ہے
ہائے کیسی کشمکش میں ہستیٔ بے بود ہے
ضعف ہیں احساس حالِ زار ہی مفقود ہے

نوش دارو زہرِ قاتل ہے ہمارے واسطے
دور ہر نزدیک منزل ہے ہمارے واسطے

جامۂ ہستی کی اسے وحشت اُڑا دے دھجیاں
اب جدا مہماں ترا دنیائے دوں ہونے کو ہے
کیوں تری حسرت پہ نوشابہ نہ روئے بیکسی
تھا جو قسمت کا لکھا پورا وہ یوں ہونیکو ہے

حال کیا پوچھتے ہو سوختہ سامانی کا — درد سرمایہ ہوا زندگیٔ فانی کا
دیکھ کر حالِ پریشانِ دلِ زار کہا — یہ مرقع ہے یقیناً کسی دیوانی کا
عکس بتلا نہ سکا فطرتِ انسانی کا — یہی باعث ہوا آئینہ کی حیرانی کا
سنگِ در بعض نے سنگِ رہِ مقصد سمجھا — یہ صلہ ہم کو ملا آپ کی دربانی کا

قدرتِ کردگار ہے ذرۂ خاک سے عیاں — ظاہر و آشکار ہے شانِ خدائے دوجہاں
باغ و راغ گل بدوش[1] — قوّتِ نامیہ بجوش
ساری زمیں ہے سبز پوش — دامنِ کوہ گل فروش
رنگِ شفق ہے لالہ گوں چرخ کا دل ہوا ہے خوں[2] — نورِ سپہر ہے فزوں، چادرِ آب سیم گوں
نکہتِ گل ہے عطر بار — دشت و جبل ہیں لالہ زار
ورد و سمن کی ہے بہار — قدرتِ حق ہے آشکار

---

[1] علامہ اقبالؒ: خبر کہ در باغ و راغ قافلۂ گل رسید (پیام مشرق)

[2] " شفق نہیں مغربی اُفق پر یہ جوئے خوں ہے یہ جوئے خوں ہے (بال جبریل)

روح فزا نسیم ہے پھیلی ہوئی شمیم ہے
فضلِ خدا عمیم ہے خطہ بھی نعیم ہے

مولانا راشد الخیری کی وفات پر

(۱)

وا دریغا! بجھ چکی شمعِ شبستانِ حیات
چھپ گیا بدلی میں اب وہ مہرِ تابانِ حیات

تھی ضیا پاشِ جہاں جس کی منوّر زندگی
چھپ گیا افسوس وہ خورشیدِ رخشانِ حیات

یاد دلواتا رہا جو قوم کو بھولا سبق
جس نے مِلّت کو بتایا رازِ پنہانِ حیات

وہ وسیع الحوصلہ، عالی شیم، والا ہمم
تنگ تھا جس کے لئے افسوس دامانِ حیات

آہ وہ بزمِ ادب کی شمع آخر بجھ گئی
تشنگانِ علم! ہے تاریک میدانِ حیات

اب سنائیں گے کسے ہم درد و غم کی داستاں
کون بتلائے گا اب تدبیر و درمانِ حیات

لُٹ گیا افسوس وہ سرمایۂ نقدِ حیات
ہائے محوِ جستجو ہیں یاں غریبانِ حیات

زندگی بے کیف ہے سوتی ہوئی بزمِ ادب

کیا کہوں کیونکر لکھوں، جاتی رہی ہے جانِ حیات

(۲)

مجلسِ علم و ادب کا بجھ گیا روشن چراغ
ہو نہ جائے آہ دنیا کے لئے تاریک تار
اٹھ گیا وہ ناخدائے کشتیٔ صنفِ لطیف
اب لگائے گا الٰہی کون اس بیڑے کو پار
تھا وہ نزمینِ ادب، جانِ ادب، کانِ ادب
یعنی اقلیمِ سخن کا تاجدارِ پُر وقار
مدتوں دیتا رہا جو درسِ تفسیرِ حیات
اس سے خالی ہو چکی ہے گیتیٔ ناپائدار
قالبِ خاکی نظر سے گرلا کھ پنہاں ہو گیا
کارنامے ان کے دنیا میں ہیں اب تک یادگار
ہے یہی تفسیر کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ کی
ہے حباب آسا سراسر ہستیٔ ناپائدار
تابکے نوشابہ ناشاد فریاد و فغاں
اب اٹھیں دستِ دعا پیشِ جنابِ کردگار

وفا

(۹)

وفا تخلص ہے۔ ریاست ٹونک کی رہنے والی ہیں۔ دورِ حاضر کی

ایک زبردست غزل گو شاعرہ ہیں۔ کلام وجدانی اور جذباتی اعتبار سے بہت بلند اور بغایت پُر تاثیر ہے۔ جذبات و احساساتِ قلب کی ترجمانی پر آپ کو بڑی قدرت حاصل ہے۔ آپ کے کلام میں نہایت شدید اور ذاتی طور پر محسوس کئے ہوئے جذبات کی فراوانی ہے جس نے آپ کے اشعار کو بغایت دلکش اور پُر اثر بنا دیا ہے، طرزِ ادا سے کہنہ مشقی اور پختگی ظاہر ہے۔ اکثر مشکل زمینوں میں لکھتی ہیں۔ مگر کیف و اثر ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں۔ مثلاً ذیل کی غزل کی ردیف "کبھی ایسی تو نہ تھی" مشکل ہے مگر غزل صرف پُر کیف و بلند ہی نہیں حاصلِ کلام ہے۔ اس میں سلسلہ بندی کا رنگ موجود ہے۔

شکوۂ غم

ہر گھڑی رونے کی عادت کبھی ایسی تو نہ تھی
جان لیوا تری فرقت کبھی ایسی تو نہ تھی

موت ہی جیسے کہ اب اس سے چھڑا سکتی ہے
زندگی مجھ پہ مصیبت کبھی ایسی تو نہ تھی

یوں کبھی ضیق نہ تھی اپنے ہر اک سانس سے میں
زندگی سے مجھے نفرت کبھی ایسی تو نہ تھی

جیسے دل سینے میں ڈوبا ہی چلا جاتا ہے
شکھوئی کھوئی مری حالت کبھی ایسی تو نہ تھی

اپنی ہستی پہ خود اک بار ہوئی جاتی ہوں

خود سے بیزار طبیعت کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسے اجزائے غمِ عشق سے ہو اس کا خمیر
دلِ ناشاد کی فطرت کبھی ایسی تو نہ تھی
دلِ ناشاد کسی طرح سنبھلتا ہی نہیں
جیسی اب ہے مری حالت کبھی ایسی تو نہ تھی
دل کسی کام میں کمبخت بہلتا ہی نہیں
اپنے ہر کام سے نفرت کبھی ایسی تو نہ تھی
لاکھ تدبیر کروں بن نہیں پڑتی کوئی
ناموافق میری قسمت کبھی ایسی تو نہ تھی
التجاؤں میں اثر ہے، نہ دعاؤں میں اثر
مجھ سے برگشتہ مشیت کبھی ایسی تو نہ تھی
دشمنوں سے بھی سمجھنے لگوں ان کو بدتر
دوستوں سے مجھے نفرت کبھی ایسی تو نہ تھی
زندگی جیسے کہ ممکن ہی نہیں تیرے بغیر
تیرے آنے کی ضرورت کبھی ایسی تو نہ تھی
تجھ سے کچھ کہنے کا ارماں کبھی ایسا تو نہ تھا
تجھ سے کچھ سننے کی حسرت کبھی ایسی تو نہ تھی
یوں وفا سے ہوئے ناراض تم اکثر لیکن
جیسی اب ہے تمھیں نفرت کبھی ایسی تو نہ تھی

(نوٹ اگلے صفحہ پر)

وفاؔ

محترمہ ح۔ن۔ وفاؔ موجودہ دور کی ایک خوش گو شاعرہ ہیں۔ کلام میں سوز و گداز، صفائی اور متانت موجود ہے۔ آپ کا دل مغلیہ خاندان کی تباہی پر بہت دکھا۔ اور اس موضوع پر آپ نے اکثر نظمیں لکھی ہیں۔ آپ کا کلام زنانہ رسائل میں شائع ہوتا رہتا ہے، رنگ یہ ہے:-

پلٹے کہاں قلم یہ مرا طاقتِ بیاں ‎ ‎ تحریر کیں جگر سے کرے غم کی داستاں

ہے یاد تجھ کو اے فلکِ نیلگوں وہ روز ‎ ‎ جس دن تباہ ہوگیا مغلیہ خانداں

خاتون جن پہ عفت و عصمت نثار تھی ‎ ‎ جی بھر کے جن کو دیکھنے پایا نہ آسماں

اس گھر سے بدنصیب و ستم دیدۂ فلک ‎ ‎ افراد میں تھی غمزدہ اک بچہ والی ماں

نکلی وہ ڈر سے جاں کچھ عورتوں کے ساتھ ‎ ‎ جب لوٹ سے نہ بچ سکیں عصمت کی دیویاں

بیچارگی و خوف و ستم وہ غدر کی رات ‎ ‎ سلطان کے حرم کے لئے آہ الاماں

تھی لب پہ آہ پاؤں میں چھالے پڑے ہوئے ‎ ‎ اور اس پہ یہ ستم کہ نہیں کوئی پاسباں

نکلا جو دن تو شہر سے کوسوں ہی دور تھیں ‎ ‎ جنگل تھا وہ جہاں تھیں، عیش کا باقی نہ تھا نشاں

وہ ناز میں پلی ہوئی معصوم صورتیں ‎ ‎ آب و طعام کا نہ ملا تھا جنھیں نشاں

ابتر تھا حال سب سے اسی شیرخوار کا ‎ ‎ پانی نہیں ہے تو دودھ کہاں تھا بھلا وہاں

ماں مامتا کی ماری نے دوپٹہ پھاڑ کر ‎ ‎ اس پھول سے پسر کو لٹایا زمیں پہ واں

---

۱ غالب۔ بارہا دیکھی ہیں انکی رنجشیں ؏ پر کچھ اب کی سرگرانی اور ہے۔

فیض احمد فیض:- وفائے وعدہ نہیں، وعدۂ دگر بھی نہیں ؏ وہ مجھ سے روٹھے تو تھے لیکن اس قدر بھی نہیں ز نقش فریادی ص۹۱

پھرنے لگی تلاش میں پانی کی چار سو
سمجھاتی لاکھ سب یقیں کہ ہے اس میں خوفِ جاں

تا نصفِ شب کسی طرح لائی وہ غم زدہ
تھا موت کا فرشتہ مگر دے چکا اذاں

بچے کو اس کے گود میں پانی پلا دیا
لب پر دعا تھی اور نظر سوئے آسماں

یوں لگ چکی تھی پانی پلانا ہوا ستم
اک ہچکی آئی کر گئی پرواز اس کی جاں

اٹھی جو ماں تو خاک پہ اس گل کے گر پڑی
دم توڑ کر وہ جا کے بنی خلدِ آشیاں

دونوں کی قبر آج بھی عبرت کا ہے نشاں
ماتم گسار جس پہ وفا خود ہے آسماں

وحید

وحید النساء نام اور وحید تخلص ہے۔ آگرہ کی رہنے والی ہیں اور دورِ حاضر کی ایک قابلِ قدر غزل گو شاعرہ ہیں۔ جذبات کی ترجمانی، سوز و گداز، درد و اثر، آپ کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ سنجیدہ شائستہ اور فارسی آمیز زبان میں لکھتی ہیں۔ آپ کے اکثر اشعار بہت بلند ہیں۔

دنیا سے جا رہی ہوں تمنا لئے ہوئے
دل ہے کہ ایک یاس کی دنیا لئے ہوئے [1]

[1] مجمہ تصدقی :۔ دل میں ہجوم شوق و تمنا لئے ہوئے
دنیا سے جا رہی ہوں میں دنیا لئے ہوئے

صد سوزشِ جراحت و صد شورشِ فراق
دل ہے اک اضطراب کی دنیا لئے ہوئے

ارمانِ عشق و حسرت و حرمان و درد و یاس
آئی ہوں بزمِ یار سے کیا کیا لئے ہوئے

اب آرزو ہے کوئی نہ ارمان ہے کوئی
مایوس موت کی ہوں تمنّا لئے ہوئے

مصروفِ شغلِ مشقِ تصوّر ہے رات دن
دل میں ترے خیال کی دنیا لئے ہوئے

اُمّیدِ چارہ سازیٔ بیمار الوداع
خود ہے جگر میں دردِ مسیحا لئے ہوئے

پہلو میں ہے مرے دلِ صد آرزو وحید
ہر آرزو ہے شوق کی دنیا لئے ہوئے

(۵)

ہمایوں

غالباً یہی نام اور یہی تخلص ہے، میرٹھ کی رہنے والی ہیں۔ رسالوں میں کلام دینے سے احتراز کرتی ہیں۔ دورِ حاضر کی ایک تعلیم یافتہ اور خوش فکر شاعرہ ہیں، اُردو، فارسی، انگریزی تینوں زبانوں سے واقف ہیں، آپ کے کلام میں بڑی شاعرانہ لطافت و پاکیزگی ہے،

جذباتی اعتبار سے بھی کلام بلند اور موثر ہے، ندرت ادا قابلِ داد ہے، آپ کے اشعار میں پُر کیف سادگی اور زبان میں شستگی اور صفائی موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے آپ اساتذہ کے کلام سے بہت متاثر ہوئی ہیں۔

وعدۂ وصل کر نہیں لیتے　　پھول کی طرح مسکراتے ہیں
بس تسلّی نہ دو دمِ رخصت　　جائیے آپ روز آتے ہیں
نہیں ملتے اگر غریبوں سے　　اُن کو دیوانہ کیوں بناتے ہیں

رند سے اعتبار توبہ کا　　کالی کالی گھٹا کے ساتھ اُٹھا
یاس نے جب سے دل کو توڑ دیا　　پھر دعاؤں کو بھی نہ ہاتھ اُٹھا

میں تو کم بخت ہوں اور نام ہمایوں ہے مرا
انھیں باتوں سے فلک سخت جگر خوں ہے مرا

ضمیمہ

ضمیمہ

شاعرات کے حالات اور کلام کا فراہم کرنا جوئے شیر کا لانا تھا ہر امکانی کوشش کے باوجود بھی کچھ شاعرات اب تک خاموش ہیں اور کچھ کے حالات اور انتخاب کلام اُس وقت موصول ہوئے ہیں جب تذکرہ طباعت کے بالکل آخری مرحلوں میں تھا۔ اس لئے ان شاعرات کو کتاب میں حروف ہجی کے اعتبار سے اپنے صحیح مقامات پر پیش نہیں کیا جاسکا۔ چنانچہ اُن کو یہاں ضمیمہ میں پیش کیا جارہا ہے۔ انشاءاللہ آیندہ ایڈیشن میں یہ نقص دور کردیا جائیگا[1]

جمیل

---

[1] تمام شاعرات سے ایک دفعہ پھر التماس ہے کہ وہ اپنے حالات اور کلام راقم الحروف کو ارسال فرمادیں تاکہ آیندہ اڈیشن میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں اُن کے خود نوشتہ حالات اور خود منتخبہ اشعار پیش کئے جاسکیں۔

"ج"

اختر محترمہ سیدہ سردار اختر حیدر آبادی۔

محترمہ سیدہ سردار اختر کا تذکرہ ان ہی اوراق میں پہلے (صفحہ ۲۲۱ تا صفحہ ۲۲۹) ہو چکا ہے، محترمہ کے تفصیلی حالات جو آپ کے آفس سکریٹری محترم جناب سعید الحسن صاحب نے لکھ ارسال فرمائے ہیں ابھی ابھی موصول ہوئے ہیں اور چونکہ ان سے اکثر مفید و دلچسپ مزید معلومات کا اضافہ ہوتا ہے اس لیئے ان کو ضمیمہ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ حالات کے ساتھ ساتھ جناب سعید الحسن صاحب نے محترمہ کے کلام پر تبصرہ بھی فرمایا ہے۔ یہ حالات معہ تبصرہ کے شکریہ کے ساتھ سطور ذیل میں پیش کیئے جا رہے ہیں۔ راقم الحروف کی طرف سے محترمہ کے کلام پر پچھلے صفحات میں اظہار خیال کیا جا چکا ہے، اس لئے راقم الحروف یہاں دوبارہ اپنی طرف سے اظہار خیال کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

آج سیدہ اختر حیدر آبادی کو "شخصیات" کے باب میں پیش کرتا ہوں۔ پہلی بار ان صفحات میں ایک شاعرہ کے حالات شائع ہو رہے ہیں۔ ورنہ یہ باب مردوں کے لیئے مخصوص ہے۔ بنگلور کی کانفرنس کے حالات کی اشاعت کے بعد سے اب تک بعض لوگ برابر مصر ہیں کہ سیدہ اختر حیدر آبادی کی تصویر اور اُن کے تفصیلی حالات شائع کیئے جائیں زیر نظر تذکرہ اسی اصرار اور اشتیاق کی ایک تکمیل ہے۔

سیدہ اختر کا نام سردار بیگم اور نواب خاندانی لقب ہے۔ ۹ مارچ سنہ ۱۹۱۸ء کو مملکت آصفیہ حیدر آباد (دکن) میں پیدا ہوئیں۔

والد ماجد کا نام سید امیر حسن ہے - جدِ امجد نواب سید کریم حسن خاں قمر لکھنوی مرزا داغ کے تلامذہ میں سے تھے اور صاحب ثروت بھی ددھیال کی طرح سیدہ اختر کی ننہال بھی شرف و بزرگی اور برتری میں کسی طرح کم نہیں اور کرنول میں اب تک یہ خاندان عزت و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے - سیدہ نجیب الطرفین ہیں۔ سیدہ اختر کا آبائی وطن لکھنؤ ہے۔ جب لکھنؤ کی بہاریں خزاں آلود ہوگئیں۔ جب عیش و نشاط کے ہنگامے ختم ہوگئے اور اودھ کے آخری تاجدار کو مٹیا برج کے محبس میں قید کر دیا گیا تو سیدہ کے آبا و اجداد نواب سید قطب الدین (کلکٹر) وغیرہ ترک سکونت کر کے حیدر آباد آنے پر مجبور ہوگئے - اب بھی لکھنؤ میں "لال محل" اور "موتی محل" اُن کی یادگار سے ہیں - حیدر آباد آنے کے بعد یہاں بھی اس خاندان کو اعزاز نصیب ہوا اور سیدہ کے افرادِ خاندانی اب تک عزت و آسودگی سے زندگی بسر کر رہے ہیں چار سال کی عمر میں سیدہ اختر شفقت پدری سے محروم ہوگئیں اور اُن کی تعلیم و تربیت اور حفاظت پرورش اُن کے حقیقی چچا محبوب علی صاحب خلف الصدق مولوی چراغ علی الملخاطب نواب اعظم یار جنگ بہادر نے اپنے ذمہ ہمت پر لی - ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی - فارسی اور اردو کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے محبوبیہ گرلس اسکول میں داخل کر دیا گیا - وہ بہت جلد فارغ التحصیل ہوگئیں ۱۹۳۲ء میں خان صاحب عبد الغنی گورنمنٹ آرٹی

کنٹر اکٹر رئیس نصیر آباد (راجپوتانہ) سے شادی ہوگئی کچھ تو ورثتاً اور کچھ ذاتی ذوق و وجدان کی بدولت ابتدائی عمر ہی میں سیدہ کو ادب و شعر سے دلچسپی پیدا ہو چکی تھی شادی ہونے کے بعد جب زندگی کی تمام مسرتیں اور خوش کامیاں نصیب ہوئیں ماحول میں آزادی اور مزاج میں حکمرانی پیدا ہوئی تو ادب و شعر کے ذوق نے نئی انگڑائی لی۔ ایسی انگڑائی جو مستیوں سے بوجھل، خمار میں ڈوبی ہوئی اور نشہ میں چور تھی۔ چنانچہ اس کا دھارا اس انداز میں بہنا شروع ہوا

خدا رکھے محبت حاصلِ صد زندگانی ہے　　تبسم ہی تبسم ہے جوانی ہی جوانی ہے
یہی بس مختصر ہے داستانِ غم کی کہانی ہے　　ٹھہر جائے تو انگارہ جو بجھ جائے تو پانی ہے

کیا پوچھتے ہو عشق کی اُفتاد کا عالم　　خاموش بھی ہے سینے میں ہے فریاد کا عالم
ہر سانس میں ہے حُسن پُر آشوب کا پیغام　　ہر گام پہ ہے عشقِ ستم زاد کا عالم

اُف رے آئینِ محبت لب ہلا سکتے نہیں　　نالہ کر سکتے نہیں نغمہ سُنا سکتے نہیں
واہ رے جذب محبت اُف رے مجبوریٔ حُسن　　بھول جانے پر بھی وہ مجھ کو بھلا سکتے نہیں

مختصر ہے بس یہ **اختر** شرح آداب وفا
آگ سی دل میں لگی ہے اور بجھا سکتے نہیں

مرد ہو یا عورت سب پر کسی نہ کسی وقت خدمت کا ایک جذبہ طاری ہوتا ہے خواہ وہ خدمت شوہر کی ہو یا ہمسایہ کی حُسن کی ہو یا عشق

کی، قوم کی ہو یا ملک کی، مذہب کی ہو یا سیاست کی، ادب کی ہو یا زبان کی، اگر حالات مساعد اور جذبات حقیقی ہوتے ہیں تو جذبۂ خدمت یقیناً بالیدگی اختیار کرتا ہے۔ سیدہ اختر کے دل میں بھی قوم و ملک اور اپنی صنف کی خدمات کا جذبہ پیدا ہوا اتفاقِ وقت دیکھیے کہ سیدہ کو دامے درمے سخنے اور قدمے غرض ہر طرح خدمت کا موقع ملا۔ سیدہ نے مختلف پلیٹ فارموں سے اپنی درد میں ڈوبی ہوئی آواز قوم و ملک تک پہونچائی۔ پھر کیا تھا ہر طرف سیدہ کا استقبال ہونے لگا۔ عوام و خواص اُن ضربوں کو محسوس کرنے لگے جو سیدہ اپنی تقاریر سے بےحس اور خوابیدہ قوم کے دماغوں پر لگا رہی تھیں ۱۹۳۷ء میں پراونشل مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں جس وقت سیدہ اختر پرجوش اور ولولہ انگیز تقریر کر رہی تھیں۔ اُس وقت ہنڈال کے ہر گوشہ سے صدائے تحسین و آفریں بلند ہو رہی تھی تمام لوگ حیرت و استعجاب میں ڈوبے ہوئے تھے اور مقررین انگشت بہ دندان تھے۔ حاضرینِ جلسہ کی نگاہیں سیدہ کی طرف اُٹھیں اور پھر بصد عقیدت جُھک گئیں اور اعتراف حقیقت کے لیئے مولانا عبدالحامد بدایونی کھڑے ہوئے۔ سیدہ کی تعریف و توصیف کے بعد مولانا نے فرمایا کہ میں تمام مسلمانانِ ہند کی جانب سے سیدہ کی خدمت میں **خطیبۂ ہند** کا خطاب پیش کرتا ہوں۔ مولائے محترم کا یہ اعلان کرنا تھا کہ تمام ہال "خطیبۂ ہند" زندہ باد" اور نعرہ ہائے تکبیر سے گونج اُٹھا۔ تقریباً دس منٹ تک یہی عالم رہا

سیدہ اختر اب بھی اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ خواتین کی اصلاح کرتی رہتی ہیں اور اُن میں بیداری اور تعلیمی ذوق پیدا کرنے کی جانکاہ کوششیں اُن کا محبوب مشغلہ ہے۔ اپنے تجربہ اور مطالعہ کو وسیع کرنے کے لئے ۱۹۳۸ء میں سیدہ نے مشرقِ بعید کا سفر کیا اور وہاں بطورِ خاص خواتین کی زندگی کا مطالعہ اور ہندوستانی خواتین سے موازنہ کیا وہ لکھتی ہیں کہ میں نے ہندوستانی خواتین کو ہر طرح پست اور بے عمل پایا۔ اس سفر نے اُن کے ارادہ اور عمل کو اور تقویت بخشی۔ اُن کے دل کی تڑپ اور کسک میں اور اضافہ ہوا۔ واپسی کے بعد اونھوں نے زیادہ تیزی کے ساتھ اصلاحِ خواتین کے لیے قدم بڑھایا مشرقِ بعید میں بھی سیدہ نے اکثر مقامات پر تقریریں کیں وہاں کے اداروں اور اخباروں نے سیدہ کا کھلے دل سے خیر مقدم کیا اور سیدہ کے محاسن سے اپنے اخبارات کے کالم سیاہ کئے۔ سیدہ اختر انتہائی نڈر۔ باہمت۔ آہنی عزم رکھنے والی بے باک اور بے خوف خاتون ہیں اور کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے بھی مرعوب نہیں ہوتیں اور اعلائے کلمۃ الحق میں کبھی جھجک محسوس نہیں کرتیں۔ ان کا قول ہے کہ ایک مصلح میں خلوص اور بے غرضی ہونی چاہیے۔ وہ گولیوں کی بوچھاڑ کے سامنے بھی سینہ تان کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ یہ تعلّی نہیں بلکہ امرِ واقعہ ہے۔ سیدہ مجاہدانہ جذبہ کی مالک ہیں۔ ایک زمانہ میں موجودہ سیاسی پارٹیوں میں خاکسار تحریک سے وقتی طور پر اونھیں لگاؤ پیدا

ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ اس تحریک میں شریک ہو گئیں اور اپنے عزم و عمل سے اس تحریک میں بھی چار چاند لگا دیئے۔ پُر خلوص خدمات کے سلسلے میں سیدہ کو پہلے سالارِ تبلیغ اور پھر سالارِ محاذ لکھنؤ بنا دیا گیا۔

سنہ ۱۹۲۹ء میں جس وقت حکومت اور خاکساروں کے مابین ٹکر ہوئی تو سیّدہ اختر مردانہ وار میدانِ جنگ میں "سالارِ محاذ" یو۔ پی بن کر آئیں اور چند ہی دنوں میں علامہ مشرقی نے انہیں اپنے یہاں کا سب سے بڑا عہدہ "ناظم جنگ محاذ یو پی" دے دیا۔ موصوفہ نے اپنے عہدہ کا چارج لیتے ہی محاذ لکھنؤ کے نظام کو بیحد مضبوط کر دیا اور ہزارہا خاکساروں کو احکام دینے اور سب کا مکمل انتظام کرنے کی تنہا ذمہ دار بن گئیں۔ جب خاکساروں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی تو سیدہ نے کان پور کو خاکساروں کا ہیڈ کوارٹر قرار دیدیا۔ حکام شہر اس سے بہت گھبرائے اس لئے کہ نقض امن کا اندیشہ تھا۔ کانپور میں دفعہ ۱۴۴ بھی قائم تھی۔ اس کے باوجود سیدہ تمام خاکساروں کے ساتھ بیلچے لیکر شہر کا گشت کرتی تھیں۔ چنانچہ کانپور کے کلکٹر صاحب بہادر سپرنٹنڈنٹ پولیس ایک ہزار مسلح پولیس اور گورا پلٹن کے ساتھ سیدہ کی کوٹھی "فردوس اختر" پر آئے اور سیدہ سے جو اُس وقت جرنیلی لباس میں تھیں مطالبہ کیا کہ وہ فوراً خاکساروں کو کان پور سے باہر بھیج دیں اور بیلچے پولیس کے حوالہ کر دیں۔ سیدہ نے اس حکم کے ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ خاکساروں کی جماعت ایک پُر امن

جماعت ہے وہ ہندو اور مسلمان دونوں کی خدمت گزار ہے" وغیرہ وغیرہ حکام نے سیدہ کو گرفتاری کی دھمکی دی اس پر سیدہ نے جو کچھ جواب دیا وہ قابلِ غور وفکر ہے۔ کہنے لگیں :-

"بسم اللہ میں گرفتاری کے لیئے تیار ہوں۔ آپ اپنی مشین گنوں کو حرکت میں لایئے۔ سینہ حاضر ہے۔ مجھے گرفتاری تو کیا مرنے سے بھی اِنکار نہیں۔ لیکن نتائج کی ساری ذمہ داری آپ پر ہوگی۔

واقعہ بہت طویل ہے، دکھانا یہ ہے کہ سیدہ کا جذبۂ خدمت کتنا جوان اور پُرجوش ہے اور اُن میں کس قدر حوصلہ مندی ہے آجکل سیدہ اختر آل انڈیا زنانہ مسلم لیگ کی صدر ہیں۔ قومی اداروں کی ضرورتوں کو پورا کرنا۔ غریبوں کی امداد، یتیموں کی پرورش اُن کا خاص شیوہ ہے اُن کی زندگی کا ہر لمحہ انہماک میں کٹتا ہے۔ اور وہ مصروفیت ہی کو زندگی کا حاصل سمجھتی ہیں۔

قومی اور ملی خدمات کے بعد جو وقت بچتا ہے وہ ادب وشعر پر صرف ہوتا ہے جس طرح قومی خدمات کے سلسلے میں سیدہ کو شہرت حاصل ہے اسی طرح ادبی اور شعری دنیا میں بھی وہ قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ مشاعروں میں اُن کا کلام پسند کیا جاتا ہے نثر ونظم پر یکساں قدرت حاصل ہے نومبر ۱۹۴۲ء میں سیدہ نے ریاست میسور کے دارالسلطنت بنگلور میں ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد

کی جس کے آخری اجلاس میں حضرت علامہ سیماب اکبرآبادی نے سیدہ کو "زہرا کلام سخن" کا خطاب عطا فرمایا۔ جب سے سیدہ نے قوم و ملک کی خدمت اپنے ذمہ ہمت پر لی ہے اُس وقت سے شاعری کا رنگ بھی بدل گیا ہے تغزل میں وہ سنجیدگی پسند کرتی ہیں چنانچہ کہتی ہیں ؎

جن سے ہوا تھا کبھی سینۂ عالم گداز — مجھکو سنا دیجیے پھر وہ نواہائے راز

ذوق طلب ہے تو پھر سود و زیاں سے گذر — راہِ وفا میں نہ کر فکر نشیب و فراز

آ ہی گئی آج نیند سنگِ درِ یار پر — بیخودیٔ آرزو، عمر ہو تیری دراز

سیدہ اختر نے نظمیں بھی بکثرت کہی ہیں۔ جن میں رومانی بھی ہیں اصلاحی بھی اور سیاسی بھی "نعرۂ مجاہد" سیدہ کی طویل نظم ہے چند شعر سنیے۔

سامنے سے مرے ہٹ جاؤ مجاہد ہوں میں — خاکپائے عمرؓ و حیدرؓ و خالدؓ ہوں میں

مردِ مومن ہوں ہر اک شے مرے ادراک میں ہے — برش تیغ مری ہر نگہ پاک میں ہے

آسماں پر ہے مری جرأت و ہمت کا دماغ — میں نے دنیا میں جلایا ہے شجاعت کا چراغ

جان دینے پہ مجھے ناز ہے اللہ اللہ — موت اک زندگی راز ہے اللہ اللہ

زندگی تیغ و تبر میں ہے نہ تلوار میں ہے — زندگی ایک مسلمان کے ایثار میں ہے

آتش وادیٔ ایمن مری تعمیر میں ہے — خدمت ضربِ کلیمی مری تقدیر میں ہے

دلِ پُرجوش میں اک آگ دبی رکھتی ہوں — خلشِ عشقِ حسینؑ ابن علیؑ رکھتی ہوں

مجکو سب یاد ہی اسلاف کا فسونِ جہاد موجزن ہی میری رگ رگ میں ہی خونِ جہاد

ایک اور نظم کے دو بند دیکھیے:۔

جاگ اٹھا ہے ذرہ ذرہ اور تم ہو محوِ خواب

انقلاب اے شاعرانِ عہدِ حاضر انقلاب

آسماں پر مہرِ تاباں ہو گیا ہے جلوہ گر

رات کی تاریکیوں پر چھا چکا نورِ سحر

ہائے تم اب تک طلوعِ صبح سے ہو بیخبر

حیرت اُن ذروں پہ جو ہیں ناشناسِ آفتاب

انقلاب اے شاعرانِ عہدِ حاضر انقلاب!

خوابِ بیدار ہوا ی نوحہ خوانِ ہست و بود

دعوتِ فکر و عمل ہوتا ہی شاعر کا وجود

لعنت ایسی زندگی پر جس کا مقصد ہو جمود

زندگی تو در حقیقت ہے مسلسل اضطراب

انقلاب اے شاعرانِ عہدِ حاضر انقلاب

سیدہ کسی سے اصلاح نہیں لیتیں اُن کی شاعری میں متانت اچھا

اور جوش پایا جاتا ہے۔ کلام نہ زیادہ مغلق ہے اور نہ بالکل سیدھا

سادا نظموں، غزلوں اور قطعات۔ رباعیات۔ افسانوں اور مضامین کے

کئی مجموعے تیار ہیں اور عنقریب شائع ہونے والے ہیں۔ ہمیں قومی و ملکی جذبات کے ساتھ بغیر پس و پیش سیدہ کی شعری اور ادبی خدمات کا بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کی خواتین میں سیدہ اختر کا پایہ بہت بلند ہے۔ سنہ ۱۹۴۳ء میں جنوبی ہند کا آل انڈیا مشاعرہ و کانفرنس سیدہ کے علمی و ادبی کارناموں میں ایک درخشاں اور پائندہ نقش ہے۔ جس کی صدارت خود سیدہ اختر نے فرمائی اور جس میں ہندوستان کے کم و بیش تمام مشاہیر ادبا و شعرا اور ممتاز حضرات نے شرکت کی اور لطف کی بات یہ ہے اس مشاعرے اور کانفرنس کے تمام کثیر اخراجات سیدہ نے خود اپنی جیب خاص سے ادا کئے۔ ہندوستان کے جن ممتاز حضرات نے اس مشاعرے میں شرکت کی ہے۔ اُن کے دل کی ہر دھڑکن سیدہ اختر کے اخلاق، مہماں نوازی، ادبی جوش اور پرخلوص سخاوت کی شاہد ہے۔ اور زمانہ اُن سے اِن حقائق کی تصدیق کر سکتا ہے دور کیوں جائیے۔ دسمبر سنہ ۱۹۴۳ء سے "شاعر آگرہ" میں مسلسل اس مشاعرے اور کانفرنس کی رو داد اور اُن کے دلچسپ حالات شائع ہو رہے ہیں۔ جنوبی ہند میں آج تک اتنا مہتم بالشان، منظم اور تمام ہندوستان کی ادبی نمائندگی کرنے والا مشاعرہ نہیں ہوا۔

سعید المحسن "آنرری سکریٹری"





آمنہ 'برجیس'

برجلیس

محترمہ آمنہ برجلیس کے خودنوشتہ حالات جو آپ نے اس تذکرہ کے لیئے ارسال فرمائے ہیں درج ذیل ہیں۔

"خودنوشت سے پہلے اعتذار کی ضرورت سمجھتے ہوئے چند سطور لکھنا مناسب سمجھتی ہوں :۔

مصنف نے مجھے تین چار ماہ کے دوران میں، خودنوشت نمونۂ کلام اور فوٹو کے لیئے کم وبیش دس بارہ خطوط روانہ کیئے تاخیر کا باعث، میری آشفتگیٔ مزاج سمجھئے یا زندگی کی الجھنوں، اور گوناگوں مصروفیتوں پر محمول فرمائیے۔ تکمیلِ فرمایش میں کافی دیر ہوئی جس کا مجھے افسوس ہے :۔

خودنوشت چند سطور پر مشتمل ہے۔

میری پیدائش بمبئی میں ہوئی۔ تربیت اور تعلیم کا زیادہ حصہ وہیں گذرا۔ سکونت بمبئی سمجھئے، الہ آباد سمجھیئے، پرتاب گڈھ سمجھیئے یا لکھنؤ۔ میرے نزدیک میرا وطن ہندوستان ہے اور میری نظر میں کسی خاص شہر یا مقام میں تخصیص نہیں۔

جب تک بمبئی میں رہی، تعلیم کے ساتھ ساتھ ادبی ذوق کی تکمیل بھی آسانی سے ہوتی رہی اور چونکہ ابتدا سے میں نے ادبی ماحول میں پرورش پائی تھی، مجھے شعر گوئی کا ذوق وہیں سے پیدا ہوا۔ اس کے بعد کئی مقامات پر مختصر سکونت اور قیام کے بعد لکھنؤ آگئی۔ یہاں

تعلیم کے ساتھ ساتھ میں نے بہت محتاط ہو کر شعر گوئی کا آغاز کیا۔

مجھے اپنے کلام کی اشاعت اور نام و نمود کی کبھی ہوس نہیں ہوئی۔ اور نہ اب ہے۔ اس لیے میری چیزیں آج تک ہندوستان کے صرف تین رسائل میں شائع ہوئیں جس میں سب سے پہلا پرچہ "اضطراب" بنارس ہے، دوسرا "نگار" لکھنؤ اور تیسرا "ادیب" دلی۔ اضطراب میں اشاعت کا باعث محتری مسعود اختر جمال، نگار میں گرامی قدر نیاز فتحپوری اور ادیب میں برادر گرامی اسرار الحق مجاز۔

میں بہت کم کہتی ہوں اور جو کچھ بھی کہتی ہوں وہ میرے اپنے جذبات ہوتے ہیں۔ کسی خارجی شے سے متاثر ہو کر میں نے کبھی کچھ نہیں کہا تھا مگر حال میں مجھے ایک فرمائشی نظم کہنی پڑی جو "نغمۂ آتشیں" میں گزشتہ سال شائع ہوئی ہے۔

نمونۂ کلام کے طور پر چند چیزیں حاضر ہیں:۔

آمنہ برجیس بقلمہ، لکھنؤ"

محترمہ آمنہ برجیس کی شاعری بالکل جذباتی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے اس میں نفس تجربات اور قلبی واردات کی ترجمانی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس میں گہرائی، اثر اور صداقت پیدا ہو گئی ہے جس کا کیف دیرپا اور پائندہ ہے۔

ہندوستان میں موجودہ دور، زندگی کا ایک انقلابی دور ہے زندگی کا پرانا نظام بوسیدہ ہو کر درہم برہم ہو رہا ہے مگر نیا نظام ابھی پوری طرح عالم وجود میں نہیں آیا۔ موجودہ نسل کے نوجوان افراد کو ابھی اپنا نصب العین، اپنا مقصد

اور مسلکِ حیات پوری طرح واضح نہیں۔ تجربہ اور تعلیم کی وسعت نے انھیں ذہنی آزادی ضرور دے دی ہے۔ مگر مادّی، معاشرتی اور سماجی رکاوٹیں ابھی سدِّراہ بنی ہوئی ہیں۔ ان کے ذہن کو ابھی اس درمیانی دور کی پیچیدگیوں اور مشکلوں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ ان واقعات نے ایک عام ہیجان، ایک مبہم خلش اور بیزاری و مایوسی کی ایک ہمہ گیر کیفیت پیدا کردی ہے یہی وجہ ہے کہ یہ کیفیات موجودہ شاعری کی سب سے عام اور سب سے نمایاں خصوصیات بن گئی ہیں، اور یہی خصوصیات محترمہ بر جبیں کے کلام میں نمایاں ہیں۔ مبہم ماضی اور تاریک مستقبل جن کے اندھیروں میں سے کبھی کبھی امید کی کچھ روشن شعاعیں بھی نظر آتی ہیں۔ اس کے ضروری اجزا ہیں۔ ان کیفیات میں گھر کر، غم زیست کی موجودہ الجھنوں اور مصیبتوں کو محو کردینے کے لیے بعض طبیعتیں ہوس کے کارہائے نشاط میں جذب ہوجاتی ہیں، اور بعض اپنے ہیجان اور جذبات کا کوئی مرکز تلاش کرتی ہیں اور کسی خیالی یا حقیقی محبوب کے آغوش میں سر رکھکر ایک اعلیٰ جذبۂ محبت کی بیخودی میں غم امروز کو غرق کردیتی ہیں۔ محترمہ بر جبیں کا تعلق اسی دوسرے گروہ سے ہے۔

اس ذہنی ہیجان اور اس مبہم خلش کی کیفیت ملاحظہ ہو

دل سے مٹ جائے محبت کہ نہیں نقش دوام
آج جو کچھ بھی نہ ہو جائے جنوں سے کم ہے

نغمہ و ساز بھی، ساقی بھی، مے و مینا بھی
دل مگر پھر بھی پریشاں ہے یہ کیا عالم ہے

غم امروز کی یہ کیفیت ہے۔

مگر اب وہ پُر کیف باتیں نہیں ہیں وہ دن اب نہیں ہیں، وہ راتیں نہیں ہیں
مگر اس ہیجان و خلش اور اس غمِ امروز کا مداوا یہ ہے
لبِ زندگی پر محبت کا نغمہ تری آرزو بن کے تھرا رہا ہے
جدا ہوں، مگر آج میرا تصور انہیں اپنی آغوش میں پا رہا ہے

محترمہ کا کلام فن کارانہ ہے اس میں نازک اور لطیف احساسات ہیں، شاعرانہ خلوص ہے، شیریں تغزل ہے۔ وہ الفاظ کے صحیح اور برمحل استعمال سے واقف ہیں اور ان کا انتخاب بڑے سلیقہ سے کرتی ہیں ساتھ ہی ساتھ ان کے اندازِ بیان میں ایک پاکیزگی اور نفاست ہے جس سے ان کے شاعرانہ ذوق کا اندازہ ہوتا ہے۔

محترمہ کا مرسلہ انتخاب درج ذیل ہے، آپ کی نظم "نغمۂ بیداری" جو "نغمۂ آتشیں" میں چھپی ہے اور جس کا ذکر محترمہ نے سطورِ بالا میں فرمایا ہے۔ آپ کے مرسلہ کلام کے علاوہ پیش کی جا رہی ہے۔ اس نظم کے دو بند حذف کر دیے گئے ہیں:

حجابِ نغمہ

تصورات کے موتی لٹا رہی ہوں میں تمھاری یاد میں آنسو بہا رہی ہوں میں
تعینات کے پردے اُٹھا رہی ہوں میں خیال و فکر کی جنت بنا رہی ہوں میں
شبِ فراق میں یوں اُن کی یاد آتی ہے کہ جیسے اُن کو بھی خود یاد آ رہی ہوں میں
اُٹھا دیا ہے شبستانِ زندگی کا نقاب مثالِ شمعِ سحر جھلملا رہی ہوں میں
کمالِ جذبِ تصور کا معجزہ ہے یہ اُنھیں خود اپنی جگہ آج پا رہی ہوں میں

کسی کی برقِ تبسم کو یاد کرتی ہوں
خود اپنے دل کا نشیمن جلا رہی ہوں میں

یہ انقلاب۔ محبت میں کیا ہوا ہے جبیں
کہ دل سے نقشِ تمنا مٹا رہی ہوں میں

فردوسِ خیال

تخیل نگاہوں سے شرما رہا ہے
کوئی آج رہ رہ کے یاد آ رہا ہے

کہیں جیسے دیکھا تھا اک خواب رنگیں
مجھیں دیکھ کر یہ خیال آ رہا ہے

نظر ہے کہ مائل بہ پرواز ہر دم
قدم ہے کہ بڑھتا چلا جا رہا ہے

لبِ زندگی پر محبت کا نغمہ
تری آرزو بن کے تھرا رہا ہے

سکوں بخش تھا جس کا رنگیں تصور
وہی آج پھر دل کو تڑپا رہا ہے

خدائے محبت نے چھیڑا تھا جس کو
فضا پر وہی زمزمہ چھا رہا ہے

تمنائے دل آج پھر جاگ اٹھی ہے
کوئی نغمۂ شوق پھر گا رہا ہے

جدا ہوں مگر آج میرا تصور
انہیں اپنی آغوش میں پا رہا ہے

نقوشِ ماضی

مجھے آج تک یاد ہے وہ زمانہ
گزرتی تھی جب زندگی والہانہ

فضاؤں میں رقصاں مسرت کی لہریں
محبت میں ڈوبا ہوا تھا زمانہ

ہر اک بات تھی دلنوازی کے شایاں
ہر اک فکر تھی نکتۂ شاعرانہ

ہر اک ذوقِ باطن۔ ہر اک شوقِ پنہاں
وفا کی حقیقت۔ جنوں کا فسانہ

نظر در رخِ سرشار کا اک تبسم
نفس بربطِ عشق کا اک ترانہ

منانا کہوں یا بگڑنا کہوں میں
خفا ہو کے وہ دردِ سر کا بہانہ

کبھی نرم لہجوں میں رنگیں شکایت
کبھی دشمنی میں کرم کا فسانہ

کبھی شوخ و رنگیں جوانی کی باتیں
مذاقِ محبت کبھی عارفانہ

کبھی روح پرور ادائیں تمھاری
کبھی برہمی تھی سخن گسترانہ

تغافل کے پردے میں دل کی لگاوٹ
تجاہل۔ محبت کا رنگیں بہانہ

مگر اب وہ پُرکیف باتیں نہیں ہیں
وہ دن اب نہیں ہیں وہ راتیں نہیں ہیں

غزل

ہائے کیا تابشِ خورشید و، رمِ شبنم ہے
میرے احساس کی دنیا بھی ترا عالم ہے

دل سے مٹ جائے محبت کہ ہے نقشِ دوام
آج جو کچھ بھی نہ ہو جائے جنوں سے کم ہے

کسی طوفانِ مسرت کی خبر ہے شاید
نغمۂ شوق کی لے آج جو کچھ مدھم ہے

نغمۂ و ساز بھی، ساقی بھی، مے و مینا بھی
دل مگر پھر بھی پریشان ہے یہ کیا عالم ہے

کیوں چھلک اُٹھتی ہے رہ رہ کے یہ احساس کی مے
کیا مری یاد میں وہ چشم حسیں پر نم ہے

عشق ہی کیف جوانی ہے، مگر افسر
حسن ہی نقشِ حقیقت ہے مگر مبہم ہے

میرا افسانہ تو دلچسپ ہے لیکن ہمدم
نہ ہمہ نغمۂ عشرت، نہ ہمہ ماتم ہے

نغمۂ بیداری

ہشیار ہوا اے اربابِ وطن
بیدار ہو اے اربابِ وطن

ظلمت کا گریباں چاک ہے پھر

دامانِ سحر نمناک ہے پھر
اب شعلہ نفس ادراک ہے پھر

ہشیار رہو اے اربابِ وطن بیدار رہو اے اربابِ وطن

وہ بزم نشاط و رقص نہیں
بے نور ہوئے ماہ و پروین
تاریک ہوئی زہرہ کی جبیں

ہشیار رہو اے اربابِ وطن بیدار رہو اے اربابِ وطن

اب جام و صبو کا ہوش کہاں
دل میں وہ مے سرجوش کہاں
ساقی وہ کہاں مے نوش کہاں

ہشیار رہو اے اربابِ وطن بیدار رہو اے اربابِ وطن

یہ ابر ہے یا آہوں کا دھواں
یہ برق ہے یا شمشیر رواں
برہم ہے فضائے کون و مکاں

ہشیار رہو اے اربابِ وطن بیدار رہو اے اربابِ وطن

دیکھو یہ چمن برباد نہ ہو
پامال غمِ بیداد نہ ہو
پھر چرخِ ستم ایجاد نہ ہو

ہشیار رہو اے اربابِ وطن بیدار رہو اے اربابِ وطن

یہ جنگ کی خونیں تدبیریں
یہ جبر و ہوس کی تعزیریں
ڈوبی ہیں لہو میں شمشیریں
ہشیار رہو اے اربابِ وطن بیدار رہو اے اربابِ وطن
لیکن یہ زمانہ بدلے گا
اک دن یہ فسانہ بدلے گا
خوں ریز ترانہ بدلے گا
ہشیار رہو اے اربابِ وطن بیدار رہو اے اربابِ وطن

بیدل ۔ محترمہ رسول جہاں بیگم۔

محترمہ رسول جہاں بیگم بیدلؔ، بیگم ڈاکٹر رفعت حسین صاحب صدیقی ایم، ایس، سی، پی، ایچ، ڈی (علیگ)، ڈی فل (آکسن) کی شریکِ حیات اور محترمہ نور جہاں بیگم نورؔ کی بڑی بہن ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی کے حالات جو خود رقم فرما کر ارسال کئے ہیں درج ذیل ہیں:۔

"سنہ ۱۹۰۳ء میں عارف پور نوادہ کے خوش حال خاندان میں میری پیدائش ہوئی۔ میرے والد چودھری اساس الدین وہاں کی متمول ہستیوں میں سے تھے لیکن اُن کی عمر نے وفا نہ کی اور صرف انتالیس سال کی عمر میں راہی مُلکِ بقا ہو گئے۔ اب ایک بھائی تھا اور دو بہنیں اور آغوشِ مادر۔ ہماری ساری آرزوئیں اور اُمیدیں اِس چھوٹے سے بھائی کے دم سے

وابستہ تھیں۔ لیکن تین سال بعد وہ بھی ہمیشہ کے لیئے داغِ مفارقت دے گیا۔ اُمّی نے باوجود بیوگی کی تکالیف اور دیگر مصائب کے ہماری نہایت ناز ونعم سے پرورش کی۔ والد کی وفات سے شادی تک کا کُل زمانہ نانا کے سایہ عاطفت میں گزرا۔ ۱۹۲۱ء میں میرا نکاح میرے والد کے قریبی رشتہ کے بھتیجے سے ہو گیا۔ ابھی رخصت بھی نہ ہونے پائی تھی کہ نکاح سے چند ہی ماہ بعد امی بھی جن کا والد کی وفات کے بعد بیشتر وقت یادِ الٰہی میں گزرتا تھا۔ راہیِ باغِ جناں ہوئیں۔ میرے نانا نے میری رخصت مثل اپنی بیٹیوں کے کی۔ میرے شوہر کی تعلیم اُس وقت تک مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اُنھوں نے مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ اور ۱۹۲۸ء میں ایم۔ ایس۔ سی و ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں میں اسی دوران میں ان کے ساتھ علی گڑھ رہی۔ ۱۹۳۵ء میں علی گڑھ سے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کی ڈگری حاصل کی اور اسی سال بغرضِ اعلیٰ تعلیم انگلستان چلے گئے۔ اکسفورڈ سے ڈی فل کی ڈگری کیمسٹری میں لیکر ۱۹۳۶ء میں واپس ہوئے۔ ہندوستان میں مسلمانوں میں یہ پہلے شخص ہیں جن کو یہ اعزاز حاصل ہوا ہے۔ ۱۹۳۶ء میں میرے شوہر ڈاکٹر رفعت حسین صدیقی کا آتے ہی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شعبہ کیمسٹری میں تقرر ہو گیا دسمبر ۱۹۴۲ء میں امپریل ایگریکلچرل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ امپریل اگریکلچر کیمسٹ کے عہدہ پر ان کا تقرر ہوا اور دہلی چلے آئے جو کہ اب ہمارا مسکن ہے۔

میرے اس وقت چار بچے ہیں دو لڑکیاں اور دو لڑکے جو سب کے سب زیر تعلیم ہیں۔ میری تعلیم کسی اسکول یا مدرسہ میں نہیں ہوئی۔ بلکہ مکان کی چار دیواری میں۔ شعر و شاعری سے مناسبت کچھ شروع عمر سے تھی۔

بیدل"

محترمہ دور حاضر کی ایک بلند پایہ اور پرگو شاعرہ ہیں۔ آپ کے کلام پر قومی اور مذہبی رنگ چھایا ہوا ہے۔ اسلام اور بانی اسلام (صلعم) سے آپ کو عشق ہے جس کا اظہار آپ کے کلام سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی نعتیں اکثر بہت بلند اور پر اثر ہوتی ہیں آپ نے مسلمانوں کو اُن کی دیرینہ عظمت یاد دلائی ہے۔ اور اُن کو اُن کی موجودہ غفلت سے بیدار کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ اس رنگ میں آپ علامہ اقبالؒ سے متاثر نظر آتی ہیں۔ آپ کا دل طبقہ نسواں کی عام مظلومیت، جہالت، غفلت اور پستی پر بھی دکھا ہے اور آپ نے ان کی اصلاح کی بھی کوشش کی ہے۔ آپ نے مردوں سے حقوق نسواں کا مطالبہ کیا ہے اور عورتوں کو اُن کے حقوق و فرائض یاد دلائے ہیں۔ آپ مشرقی و اسلامی تہذیب کی دلدادہ ہیں اور جوہر نسوانیت کے صحیح نشو و نما کے لئے اس تہذیب کو ضروری اور مفید خیال کرتی ہیں۔ آپ نے مسلمان مرد اور عورتوں کو بیداری اور عمل کا پیغام دیا ہے۔

محترمہ کا مرسلہ انتخاب کلام درج ذیل ہے:۔

نعت

وہ رسولؐ ہاشمی والانسب عالی جناب
مظہرِ نورِ خدا بُرجِ شرف کا آفتاب
رحمت للعلمین جس کو دیا حق نے خطاب
وہ شہِ امی لقبؐ اور صاحب ام الکتابؐ

رونق بزمِ جہان و گلشنِ قدرت کا پھول
باعثِ تخلیقِ عالم جس کی ہے شانِ نزول

جس نے باطل کے سفینہ کو ڈبویا وہ رسولؐ
جس نے کفر و جہل کی ظلمت کو کھویا وہ رسولؐ
اُمتِ عاصی کی خاطر جو نہ سویا وہ رسولؐ
پیشِ خالق رات بھر سجدہ میں رویا وہ رسولؐ

جس نے اپنے خوں سے سینچا گلشن اسلام کو
کر دیا روشن زمانہ میں خدا کے نام کو

نورِ یزداں سے منور جس کی ذات پاک ہے
عطرِ عرفاں سے معطر جس کی ذاتِ پاک ہے
خلق کی حامی و یاور جس کی ذاتِ پاک ہے
قاسم تسنیم و کوثر جس کی ذات پاک ہے

جس کی چشمِ لطف ہے غمخوار ہر دل گیر کی
جس کے در کی خاک میں تاثیر ہے اکسیر کی

وہ بہارِ بزمِ ہستی کا گل سرو رواں
ساکنِ محمودِ اعلیٰ مالکِ باغ جناں
جس کا ہے قصر معلیٰ سجدہ گاہِ قدسیاں
جس کو بخشا حق نے جبریل امیں سا رازداں

فخرِ دنیا فخرِ دیں - فخرِ عجم - فخرِ عرب
روزِ محشر ہے شفیع المذنبیں جس کا لقب

وہ مجسم رحم لیکن ظالموں پر سخت گیر
جس کی شانِ پاک میں آیا بشیراً اور نذیرا
مالکِ کونین اور لذت کش نانِ شعیر
بہترینِ خلق لیکن بندۂ ربِ قدیر

فقر و شاہی کو ہے نازش جن کی ذاتِ پاک پر

عرش پر جن کے قدم لیکن جبیں ہے خاک پر

وارثِ تاج کیان و تختِ جم جن کے غلام — جن کی تیغوں نے بدل ڈالا نظامِ صبح شام

توسنِ ایام کی تھی جن کے ہاتھوں میں لگام — روند ڈالا جن کے رہبر! ارونغ روم مصر و شام

کارنامے اُن کے اب بھی اک جہاں کو یاد ہیں

اُن کے نقشِ پا سے اب بھی رہ گزر آباد ہیں

ختم کر طولِ بیاں اب بیدلِ خستہ جگر — ان مبارک ہستیوں کے واسطے سے عرض کر

اے خدا پھر دامنِ اسلام کو وہ دے گہر — جس کی تابانی سے خیرہ ہو زمانہ کی نظر

اے خدا صدیقؓ و فاروقؓ و علیؓ کو بھیج دے

سومناتِ دہر میں پھر غزنوی کو بھیج دے

مہکا وہ گلِ لولاک لما جب یثرب کے گلزاروں میں

توحید کی نکہت پھیل گئی تثلیث کے سارے اداروں میں

عالم سے جہالت دور ہوئی۔ دنیا سے جفا کافور ہوئی

مندر میں اذاں کا شور اُٹھا۔ توبہ کی صدا میخواروں میں

وہ دولتِ سترِ مخفی و جلی جو طیبہ کی گلیوں میں لٹی

اربابِ ہوس کو وہ نہ ملی سلطانوں کے درباروں میں

اے ابرِ سخا۔ ہاں جھوم کے آ۔ ہے شورِ عطش پیاسوں میں بپا

اے جانِ مسیحا چشمِ کرم اب تاب نہیں بیماروں میں

ہیں تیری گلی کے خاک بسر صد قیصر و کسریٰ سے بڑھکر
ہیں تیری ادا کے دیوانے خود دنیا کے ہشیاروں میں
وہ جس نے دیا منزل کا پتا وہ جس نے دکھائی راہ ہدیٰ
گم کردہ منزل قافلہ تھا جب غم کی راہ گزاروں میں
جو رنگ جہاں میں ظہور کا ہے، صدقہ یہ اُسی کے نور کا ہی
ہے اُس کی تجلی تاروں میں، ہو اس کی مہک گلزاروں میں
اب خواب فنا سے اُس کو جگا پھر مسلم خوابیدہ کو سنا
جو نعرۂ حق گونجا تھا کبھی میدانوں میں کہساروں میں
سرسبز ہوا گلزار جہاں فیضانِ سحابِ رحمت سے
پھولوں کا تو ہی مذکور ہی کیا باقی نہیں سختی خاروں میں

یثرب کے جانے والے

اے دیارِ شہِ ذیجاہ کے جانے والے
خاص دربارِ شہنشاہ کے جانے والے
سرورِ خلق کی درگاہ کے جانے والے
منزلِ رحمت اللہ کے جانے والے
ہم سے برگشتہ نصیبوں کی خبر لیتا جا
تو سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

تجھ کو قسمت نے دکھائے ہیں یہ ایامِ سعید
کیوں نہ ہو اوجِ شرف پہ ہی ترا انجمِ امید
تو ہی اور گلشنِ یثرب کی بہارِ جاوید
ہیں نہیں جلوۂ جاناں کے اگر قابلِ دید
فرش رہ کے لئے تو میری نظر لیتا جا

تو سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

شکر کر دل سے ادا بخت کی بیداری کا — تو ہوا خیر سے موجب کرمِ باری کا
ہاں مگر یاس رہے رسم وفاداری کا — شغل ہوتا درِ محبوب گہرباری کا

ہو ضرورت تو مرے دیدہ تر لیتا جا
تو سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

ضوفشاں جب تری قسمت کا ستارہ ہوگا — سامنے مسکن محبوب دل آرا ہوگا
گنبد سبز کا جی بھر کے نظارہ ہوگا — بار یابی کا سرِ بزم اشارا ہوگا

اپنی رنگین بیانی میں اثر لیتا جا
تو سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

جب ملے آہ رسا کو تیری اذنِ پرواز — پہونچے تقدیر تجھے لیکے سرِ محفلِ ناز
کوئی تحفہ تو نہیں لائق سلطانِ حجاز — مگر اک عرض ہے ناچیز کی ای بندہ نواز

نذر کو چشمِ عقیدت کے گہر لیتا جا
تو سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

ڈوبتی ناؤ کو ساحل پہ لگانے کے لیئے — بند آفت سے اسیروں کو چھڑانے کیلیئے
میری سوئی ہوئی قسمت کو جگانے کیلیئے — قصّہ کاوشِ غم اُن کو سُنانے کے لیئے

روح میں سوز دعاؤں میں اثر لیتا جا
تو سلامِ دل تفسیدہ جگر لیتا جا

آہ[۱] میں طاقتِ پرواز نہیں ہے نہ سہی — عشق میں جذب کا انداز نہیں ہے نہ سہی
نالہ تاثیر سے دمساز نہیں ہے نہ سہی — دل تجلی سے سرافراز نہیں ہے نہ سہی

ا (نوٹ صفحہ ۷۸۳ پر ملاحظہ کیجئے)

میری شب کرنے کو مانندِ سحر لیتا جا
تو سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

پہونچے جب سرورِ کونین کے کاشانے پر
کہیو اب روح ہی آمادہ نکل جانے پر
تنگ ہے جامۂ ہستی ترے دیوانے پر
دلِ بیتاب بہلتا نہیں بہلانے پر
خبر شیفتۂ خاک بسر لیتا جا
تو سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

سر پہ ادبار کی گھنگھور گھٹا چھائی ہے
طاقتِ ضبط نہ یارائے شکیبائی ہے
تیرے بدخواہ ہیں اور انجمن آرائی ہے
تیرے خدام ہیں اور ذلت و رسوائی ہے
عرض یہ پیشِ شہِ جن و بشر لیتا جا
تو سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

نوٹ صفحہ ۷۸۲ میں علامہ اقبال

عشق کی خیر وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی
جادہ پیمائی تسلیم و رضا بھی نہ سہی
مضطرب دل صفت قبلہ نما بھی نہ سہی
اور پابندیٔ آئینِ وفا بھی نہ سہی
کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے
(بانگ درا شکوہ ص۱۸۴)

علامہ اقبال ہی

طعنِ اغیار ہے، رسوائی ہے، ناداری ہے
کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے

دل ہے آشفتہ طبیعت ہے فغانی میری قلق انگیز ہے اندوہ بیانی میری
نہ کہی جائیگی تجھ سے یہ کہانی میری خوب ہوتا جو بیاں ہوتی زبانی میری
توپئے ذکر مرا قلب و جگر لیتا جا
تو سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

السلام اے شہ مکی مدنی العربی السلام اے قرشی ہاشمی و مطلبی
السلام اے مہ اوجِ فلک خوش لقبی السلام اے گہر قلزم والا نسبی
درِ آقا پہ عقیدت سے غلام آئے ہیں
ہند کے خستہ جگر بہر سلام آئے ہیں

لیجئے بند مصیبت کے اسیروں کا سلام لیجئے یا شہِ کونین فقیروں کا سلام
فاقہ مستوں کا غریبوں کا امیروں کا سلام قوم کے طفلوں کا برناؤں کا پیروں کا سلام
گر سلام اپنا قبول شہ والا ہو جائے
شبِ تاریک مصائب میں اُجالا ہو جائے

روداد نسواں

چھپا رکھا تھا شکوہ دل میں ہم نے دل کے محرم کا بنا رکھا تھا خرمن اپنا سینہ شعلہ غم کا
نہ خوگر ہو سکا جب دردِ دل صد ہا ستم کا وسیلہ بن گیا زخم جگر تدبیر مرہم کا
لب خاموش نے آخر سکوت دائمی توڑا
قلوب مطمئن نے دامن صبر و سکوں چھوڑا
نمایاں جب سینے سے آہوں کا شرار اُٹھا برسنے دیدۂ تر مثل ابر نوبہار اُٹھا

تڑپ کر عورتِ سیماب قلب بے قرار اٹھا — قفس میں طائرِ جاں مضطرب ہو کر پکار اٹھا

رقم کر خونِ حسرت سے فسانہ زندگانی کا
سنا ہیں صنفِ غالب کو ورق اپنی کہانی کا

نہ پوچھو کیفیت ہم سے ہماری جذبۂ دل کی — ہوئی گل روتے روتے شمع آخر اپنی محفل کی
نہ کی صیاد نے پروا ذرا شورِ عنادل کی — کہ ویرانہ قفس کا انتہا تھی اپنی منزل کی

بنا کر تختۂ مشقِ ستم جلاد نے رکھا
ہمیں پابند کر کے بانیٔ بیداد نے رکھا

رکھا بیزار جاں سے نت نئی آزار دہیوں — لٹائے نقدِ الفت چشمِ گوہر بار نے صدیوں
رکھا پابندِ آفت چرخِ کجرفتار نے صدیوں — جلایا اپنا گلشن آتشِ پیکار نے صدیوں

عذابِ روح تھا ہر سانس گو خوفِ شماتت ہے
نہ پھیرا منہ کو لیکن حکمِ ناطق کی اطاعت ہے

سہے ہم نے ہزاروں حسرت و آلام دنیا میں — رکھا محرومیٔ تقدیر نے ناکام دنیا میں
نہ پایا کوئی پل کوئی گھڑی آرام دنیا میں — رہے مرغِ قفس ہو کر اسیرِ دامِ دنیا میں

جہاں میں گوہرِ مہر و وفا کی آبرو بن کر
رہے خاموش مثلِ گل پریشاں مثلِ بو بن کر

گرینگی جانِ مضطر پہ الم کی بجلیاں کب تک — بنینگی مہماں گھر کی ستم آرائیاں کب تک
حوادث کے تھپیڑوں کی تلاطم خیزیاں کب تک — رہینگی ورطۂ غم میں ہماری کشتیاں کب تک

اجاڑیگا تمھارا ظلم کب تک جانستاں بنکر
ہمارے گلشنِ امید کو بادِ خزاں بنکر

ہمیں دیکھوگے تم کبتک حقارت کی نگاہوں سے رہیگی دشمنی کبتک تمہیں ہم بیگناہوں سے
دھواں کبتک اٹھیگا اپنی دردانگیز آہوں سے رہیگی تا کجا بے اعتنائی دادخواہوں سے

رہیگا بند کبتک ہم پہ آزادی کا دروازہ
کہاں تک آرزو کا خوں رخ مظلوم کا غازہ

رہے دنیا میں ہم دکھتے ہوئے دل کی صدا بنکر کہیں بے نور آنکھوں کے لئے نور و ضیا بنکر
کہیں بیکس ضعیفوں کے سہارے کو عصا بنکر ادا کرتے رہے حق پیکرِ مہر و وفا بنکر

دیا ہے ہر طریقہ سے ثبوت اپنی صفائی کا
رہا اس پر بھی زندہ نام ہم سے بیوفائی کا

بنایا عفت و شرم و حیا کو پاسدار اپنا عمل پوشاک اور زیور رہا صبر و قرار اپنا
رکھا پوشیدہ دل میں جذبۂ بے اختیار اپنا رہا تلخی میں بھی غم کی تخیل خوشگوار اپنا

دکھایا عزم ہم نے معدنِ صدق و صفا ہو کر
گزاری زندگی پابند آئینِ وفا رہ کر

بسے گو دل میں تم کاشانۂ دل کے مکیں بنکر امانت قوم کی برباد کی لیکن امیں بنکر
روا رکھا ستم ہم پر نبی کے جانشیں بنکر اجاڑا تم نے گلشن نخلبندِ باغِ دیں بنکر

کہو انصاف سے خود۔ کیا ٹھکانا ایسے ظالم کا
رکھے اسلام پر الزام جو اپنے مظالم کا

بزرگانِ طریقت بھی نرالی شان رکھتے ہیں وہ کہنے کو خدا کے حکم پر ایمان رکھتے ہیں
صداقت کے لئے اپنی سند قرآن رکھتے ہیں غضب ہے مصحف پر کھلا بہتان رکھتے ہیں

سناتے ہیں یہ پڑھکر ترجمہ آیات قرآں کا

کہ اس میں صاف ہے فرمانِ قید و بندِ نسواں کا

ہیں موتی اک صدف کے ایک گلشن کے ثمر دونوں
ہوئے اک نخل کے سایہ میں پل کر بار ور دونوں
ہیں اک صانع کی صنعت کے کرشموں کا اثر دونوں
ہیں اک خالق کے بندے ایک رحمت کی نظر دونوں

کیا کیوں بند ہم پر اُس نے بابِ علم و آزادی
ہوئی منظور کیوں قدرت کو اپنی خانہ بربادی

بتاؤ تو طریقہ بانیِ اسلام کا کیا تھا
ہماری سر پہ احساں اُن کے فیضِ عام کا کیا تھا
تمھیں معلوم ہے آغاز اس انجام کا کیا تھا
کلام اللہ میں حق اس ہستیِ ناکام کا کیا تھا

اگر دشمن ہے اک عالم تو ہو، اللہ یاور ہے
پڑھو قرآن میں ھُنَّ لباسٌ حکم داور ہے

وہ جس کی ذاتِ اقدس بن کے لطفِ عمیم آئی
وہ رحمت ساتھ جس کے رحمتِ ذاتِ قدیم آئی
جہاں میں ساغرِ توحید کی بن کر قسیم آئی
لٹاتے ہوئے وحدت باغ میں بادِ نسیم آئی

سرِ فاراں پہ جھنڈا جس نے آزادی کا لہرایا
گریزاں جس کے پرتو سے ہوا الحاد کا سایا

وہ محبوبِ خدا، سردارِ عالم، ہادیِ دوراں
وہ کل کی عقل پر غالب تھی جس کی عقلِ نکتہ داں
کفیلِ طبقۂ نسواں تھا جس کا سایۂ داماں
بنا جس کا کرم ہم بیکسوں کی زیست کا ساماں

دیئے تھے جو حقوقِ زندگی اُس پاک ہستی نے
کئے نذرِ فنا وہ سب تمہاری چیرہ دستی نے

قوانینِ شریعت کا بنا کر راز داں ہم کو
رفاہِ زندگی میں کر دیا ذی اختیار ہم کو
سیاسی مجلسوں میں اُس نے بخشا اقتدار ہم کو
بنایا محفلِ علم و ادب کا حصہ دار ہم کو

ملی اس کے عمل میں طبقۂ نسواں کو آزادی
شریکِ حال قسمت بن گیا اسلام کا ہادی

کتابوں میں خواتینِ سلف کا حال زندہ ہے ۔ زمانے میں ہمارا عزم و استقلال زندہ ہے
رضیہ کی حکومت نور کا اقبال زندہ ہے ۔ زبیدہ کا تجمل خولہ کا اجلال زندہ ہے

ابھی ہو اپنا سینہ شوکتِ ماضی کا آئینہ
دکھاتا ہو جو اپنے عکس میں احوالِ پارینہ

خبر ہے صنفِ نازک میں کچھ وہ جنس گرانمایہ[1] ۔ کہ جس کے سر پہ پہلے پرچمِ اسلام لہرایا
وہ جس نے خلق میں اول مسلماں کا لقب پایا ۔ کیا نذرِ پیمبرؐ زندگی کا اپنی سرمایا

نتیجہ ہے یہ ازواجِ پیمبرؐ کی ثقاہت کا
ذخیرہ ہو جو دنیا میں احادیثِ نبوتؐ[2] کا

نہاں قدموں میں جس کے روضۂ رضواں کی تفسیریں[3] ۔ کتابیں جس کی دعا سے کاتبِ قدرت کی تحریریں
ہوئیں روشن افق پر ماہ بنکر جن کی تقدیریں ۔ اسی خوابِ پریشاں کی ہوئیں[4] عالم میں تعبیریں

مشامِ ہر دو عالم ہیں معطر جن کی نکہت سے
ہوئی ہیں بارور وہ گل اسی شاخِ محبتؐ سے

---

[1] اسلام کی تاریخ میں ام المومنین حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ سب سے پہلی مسلمان ہیں۔ "ج"

[2] ام المومنین حضرت بی بی عائشہؓ کی بدولت احادیث کا ایک نہ یہ دست؛ ورگرانمایہ سرمایہ ہم تک پہنچا کر "ج"

[3] اشارہ ہے حدیث شریف کی طرف جس میں بتایا گیا ہے کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے "ج"

[4] علامہ اقبالؒ:-

شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی ۔ کہ ہر شرف ہے اسی درج کا درِ مکنوں
مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن ۔ اسی کے شعلہ سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں

(ضرب کلیم ص ۹۲)

تمھاری فراست جنگ کشتیِ حق کا سہارا تھی — وفاداری ہماری قوم پر سب آشکارا تھی
تمھیں ہم سے مساوات عمل جنگ گوارا تھی — فضائے گلشن اسلام جنت کا نظارا تھی

نہ کھٹکا تھا حوادث کا نہ غم افتاد کا اُس کو
نہ گلچیں کا خطر تھا اور نہ ڈر صیاد کا اُس کو

خود اپنے ہاتھ سے تخریبِ ملت کی بنا ڈالی — ہمیں جاہل بنا کر تم نے ذلت خود مٹا ڈالی
مصیبت اک زمانے کی ہمارے سر پہ لا ڈالی — جو کشت آرزو خونِ جگر سے سینچی تھی سکھا ڈالی

نہیں ممکن کہ تاریکی میں ہوں روشن نظر پیدا
ضیائے مہرِ رخشندہ سے ہوتی ہے سحر پیدا

ابھی ہے وقت باقی اپنی کج فہمی سے باز آؤ — مسلماں ہو تو احکام شریعت کو بجا لاؤ
ہمیں اس نعمتِ عظمیٰ کی لذت سے نہ ترساؤ — بنا کر ہم کو بیکس کنج عزلت میں نہ تڑپاؤ

گزر جائے مبادا اس کا وقت اور بات رہ جائے
نکل جائے یہ موقع حسرت ناجات رہ جائے

خبر ہے قائدِ اعظم نے جو تم کو نصیحت کی — کہ شمشیر و قلم دونوں ہیں بیخ کاخ ملت کی
مگر ان دونوں سے بڑھ کر کہیں طاقت ہے عورت کی — حقیقت میں یہی بنیاد ہے قومی عمارت کی

وہ ملت پا نہیں سکتی کبھی انوار آزادی
معطل اور ناکارہ ہو جس کی نصف آبادی

تم آگہیں کس قدر رتبہ انسانِ بلند کا ہے — جو قسمت ہے کوئی آزادی نسواں کا حامی ہے
تو آزادی نہیں یہ اہلِ مغرب کی غلامی ہے — نگاہِ دل کی بیباکی ہوس کی بے لگامی ہے

یہ آزادی ہماری دکھ کا درماں ہو نہیں سکتی

یہ تاریکی حریفِ مہرِ تاباں ہو نہیں سکتی

مآل اس تربیت کا ہے فقط ذوقِ تن آسانی
نہ اس میں جذبۂ غیرت نہ احساس مسلمانی
سعادت فاطمہ رضؓ کی ہے نہ صدیقہؓ کی تابانی
قتیل اسوۂ حسنہ ہے یہ تعلیم نسوانی

نگاہِ ناز کو اپنی جو یوں بیباک کرتے ہیں
وہ اپنے ہاتھ سے ملت کا پردہ چاک کرتے ہیں

نگہ بیباک ہوتی ہے تو دل تاریک ہوتے ہیں
گریزاں شرم و غیرت سو سے نزدیک ہوتے ہیں
حجاب آتیز ہوتے ہیں تو جلوے ٹھیک ہوتے ہیں
توازن رکھنے والے لائق تبریک ہوتے ہیں

نگہ کی خیرگی اچھی نہ دل کی تیرگی اچھی
اُجالا جس سے دنیا میں رہے وہ روشنی اچھی

اُصولِ دینِ بیضا کی علمبردار بن جاؤں
اخوت کی سپر اسلام کی تلوار بن جاؤں
گلستانِ عمل کی عندلیب زار بن جاؤں
تہِ دل سے کنیزِ احمدؐ مختار بن جاؤں

ہوں سر گرم عمل کشتِ وفا کی آبیاری کو
سمجھ کر اپنا فرضِ اولیں طاعت گزاری کو

خدایا ہم کنیزوں کو عمل کی تو ہدایت دے
ارادوں میں بلندی حوصلوں میں استقامت دے
شجاعت ام عمارہؓ کی اسماؓ کی فراست دے
ہو قائم سطوتِ اسلام جس سے وہ صداقت دے

نشانِ پرچمِ نسواں کو پھر عالم میں بالا کر
وفاؤں کا ہماری پھر جہاں میں بول بالا کر

مسلم سے خطاب

اے مسلماں ملت خیر البشر کے تاجدار
پیکرِ سعی و عمل تھا زیست کا تیری معیار
آیۂ لا تقنطو کا راز تجھ پر آشکار
سورۂ انا فتحنا سے عیاں تیرا وقار

اِک زمانہ خوشہ چیں تھا تیرے فیضِ عام کا
تجھ سے دنیا میں ہوا سرسبز باغ اسلام کا

حق میں اربابِ دغل کے تیری تیغ بے نیام
بن کے دستِ لم یزل لیتی تھی اپنا انتقام
خلق کو درسِ عمل تھا تیرا حسنِ انتظام
اور نگاہِ ژرف بیں کو خود فروشی کا پیام

تو صداقت کے چمن کا اک گلِ شاداب تھا
معدنِ جود و سخا کا گوہرِ نایاب تھا

تیری نظروں میں جہانِ آب و گل سے تھیں بلند
تیری فطرت تھی فضائے لامکاں سے بہرہ مند
گردشِ چرخِ کہن تھی تیری حق میں سودمند
انقلابِ دہرِ فانی سے نہ تھا تجھکو گزند

تیری ہستی نغمۂ توحید کا اک ساز تھی
کفر کش باطل شکن جس کی ہر اک آواز تھی

یورشِ ظلم و ستم کا گرم جب بازار تھا
کفر کا آتش کدہ تیرے لیے گلزار تھا
حق کی خاطر تو ہمیشہ برسرِ پیکار تھا
خطرۂ جاں تھا نہ خوفِ مرگ سے بیزار تھا

خوف تھا تجھکو نہ برق و صرصر و صیاد سے
گلستاں محفوظ تھا تیرا ہر اک افتاد سے

تیرے ہاتھوں میں عناں تھی توسنِ ایام کی
رفعتِ پرواز ہمسر چرخِ نیلی فام کی
تھی فروزاں شمع تجھ سے ملتِ اسلام کی
تیری جولانگاہ وسعت روم و مصر و شام کی

تیری ہمت نیستی تھی اسکندر و دارا سے باج
تھا قدم بوسی کو حاضر قیصر و کسریٰ کا تاج

رشکِ صد گلزار تھی تیری گلستاں کی بہار — جس کی شاخیں نغمۂ توحید سے تھیں استوار
تجھ کو تھا سرداری ملت کا خلعت سازگار — زیر فرماں تھی تیری شمس و قمر لیل و نہار

کائناتِ بزمِ ہستی حکم پر استادہ تھی
پیر گردوں کی جبیں در پر تری افتادہ تھی

پرچم اقبال تھا تیرا کبھی کشور نشاں — کشتی امید کی تھی رحمتِ حق بادباں
فصلِ گل کو ابر نیساں تیرا فیضِ بیکراں — قہر تیرا خرمن باطل کو تھا برقِ تپاں

دل کو جب سے محو ذوق خود پرستی کر لیا
آپ کو غارت گر ناموسِ ہستی کر لیا

آج ہستی تیری وقفِ ماتم امید ہے — تو ہے مردہ تیری عظمت زندہ جاوید ہے
اُٹھ کہ پھر درپیش بزمِ دہر کی تجدید ہے — تیری پیشانی میں تاباں جلوہ توحید ہے

دور کر غفلت کے پردوں کو دلِ بیتاب سے
طالع خفتہ کو چونکا دے خودی کے خواب سے

زینتِ محفل تھا کل تک آج ہے ننگ جہاں — وجہ عبرت بن گئی دنیا کو تیری داستاں
تیرے قبضہ میں تھی کل تک یہ زمین و آسماں — ہے شب ظلمت میں اب درماندہ منزل کارواں

تھا جو کل فریاد رس وہ آج خود ناشاد ہے
تاجدار ہفت کشور خانماں برباد ہے

گل بدامن دہر میں اغیار کے گلزار ہیں — اور تری گلشن کی زیبائش کھٹکتے خار ہیں

بادۂ عشرت کی لذت سے عدو سرشار ہیں
تیرے ارمان زندگی کے نام سے بیزار ہیں

کفر کی حق کے مقابل ہیں رجز خوانی بھی دیکھ
بتکدے کی رونق اور مسجد کی ویرانی بھی دیکھ

ناخدا حالت ترے بیڑے کی عبرت خیز ہے
اُف یہ منظر کس قدر دل لرزہ و درد انگیز ہے

لنگر کشتی شکستہ بحر طوفاں خیز ہے
آسماں برگشتہ ہے باد مخالف تیز ہے

پھر شکستہ ہمت عالی سے اپنی کام لے
کر کے قسمت پر بھروسہ بادباں کو تھام لے

زندگی اقوام عالم کی سراپا جوش ہے
تو خمار بے خودی میں کس قدر مدہوش ہے

بربط امید سے اب یاس ہم آغوش ہے
وقت سے پہلے رباب زندگی خاموش ہے

سر پہ تیرے آج ہے چھائی گھٹا ادبار کی
آشیاں ہے نذر تیرا برق شعلہ بار کی

کھو نہ وقف یاس ہو کر شان استقلال کو
خندہ پیشانی سے اُٹھ قسمت کے استقبال کو

ہاں دکھا دے جوہر شمشیر فرخ فال کو
عہد ماضی سے ملا دے حال و استقبال کو

خون آبائی رگوں میں جوش کھائے کاش پھر
دے درفش کاویانی کو شکست فاش پھر

جب سے تیری نبض ہستی کی حمیت کھو گئی
دامن اُمید پر سر رکھ کے قسمت سو گئی

کشت دل میں یاس تخم درد و حرماں بو گئی
شمع احمر بجھ گئی بے نور خلوت ہو گئی

عشرت ماضی کی بس لب پر کہانی رہ گئی
نشہ رخصت ہو گیا اور سر گرانی رہ گئی

تجھ سے کہتا ہے یہ فطرت کا تقاضا بار ہا[له] 　　 جادۂ حق پہ چل، اس کجروی سے باز آ

کفر کی آندھی بجھا دی شمعِ دینِ مصطفیٰ ؐ 　　 ہے یہی تیری عقیدت ہے یہی پاسِ وفا

حق کے پروانوں سے خالی حیف یہ محفل ہوئی

قومِ مسلم آہ کیوں زناری باطل ہوئی

تیری ملت بھی وہی ہے ہادیِ ملت وہی 　　 نورِ وحدت بھی وہی ہے جوشِ رحمت وہی

مصحفِ ناطق ہے اب تک مخزنِ حکمت وہی 　　 ہے ابھی توحید میں تسخیر کی طاقت وہی

ہے پیمبرؐ بھی وہی تیرا وہی اسلام ہے

لیکن اے مسلم تری غفلت کا یہ انجام ہے

چارہ سازِ دردِ ملت حامیِ دینِ متین 　　 جس کے پرتو سے ہوئی روشن عرب کی سرزمیں

کی عطا حق نے جسے سرداریِ دنیا و دیں 　　 باعثِ تخلیقِ عالم رحمۃ للعٰلمینؐ

قول اکملت لکھے ہیں جس کے افسر کا نگیں

"قاب قوسین" اور او ادنیٰ کی خلوت کا مکیں

چھوڑ کر راہِ رضائے سیدِ ابرارؐ کو 　　 بھول کر عہدِ وفائے احمدِ مختارؐ کو

پھینک کر سر سے ردائے رحمتِ غفار کو 　　 محو کرکے یاد سے اسلاف کے کردار کو

روحِ آزادی کو پابندِ غلامی کر لیا

ملتِ اسلام کو تو نے مقامی کر لیا

له علامہ اقبال:-

کسی یکجائی سے اب عہدِ غلامی کر لو 　　 امتِ احمدِ مرسلؐ کو مقامی کر لو

(جوابِ شکوہ)

اب بھی اے گمرہ مسافر کجروی یہ چھوڑ دے
باگ رہواروں کی اب منزل کی جانب موڑ دے
توڑ دے جتنے بھی ہیں اصنام باطل توڑ دے
رشتہ الفت محمد مصطفےٰ سے جوڑ دے

ہو کے مست اکبار پھر اُس بادۂ پر جوش سے
دور کر دے لعنت بار غلامی دوش سے

پھر دکھا دے ذو الفقار حیدرؓ کی شان کو
اور ابو بکرؓ و عمرؓ کی قوت ایمان کو
زندہ کر دے پھر جہاں میں سطوت عثمانؓ کو
پنجۂ باطل سے کر آزاد ہندستان کو

چھیڑ دے سازِ خودی توحید کی مضراب سے
جاگ اُٹھیں پھر نیند کے ماتے فنا کی خواب سے

ساز تیرا اب بھی پُر ہے نعرہ تکبیر سے
ہو گیا خاموش لیکن شومیٔ تقدیر سے
ہاں مٹا دے نقش باطل جلوہ شمشیر سے
لے کے ایثار و تحمل کا سبق شبیرؓ سے

وقت ہے اب بھی کہ تو یہ بے نیازی چھوڑ دے
روحِ حریت دکھا طوقِ غلامی توڑ دے

عورت

کیا ہے عورت؟ صانعِ قدرت کا رنگیں شاہکار
نشۂ مے کی لطافت حسنِ فطرت کی بہار
غنچہ و گل کا تبسم موجِ دریا کا خرام
خود فراموشی کی دعوت خود فروشی کا پیام
کیا ہے عورت ایک رنگیں اور دلکش خواب ہے
یا نزاکت کے چمن کا اک گلِ شاداب ہے

آہ اے شاعر حقیقت کی نہیں تجھکو خبر
کس قدر محدود و ظاہر بیں ہے اُف تیری نظر

ہے دلِ سادہ نرا سرگشتۂ رنگِ مجاز
مجھ سے حسن عورت کی فطرت کا سمجھنا ہی جو راز

کیا ہے عورت؟ عفت و شرم و حیا کی پاسدار
پیکرِ سعی و عمل تصویرِ تمکین و وقار

حاملِ انسانیت اور غمگسارِ کائنات
جس کے سوز و ساز سے ہے رونقِ بزمِ حیات

الفتِ معصوم اس کی جیسے طفلی کی حیات
ہے خداوندِ جہاں کا دستِ شفقت اس کی ذات

محفلِ تخلیق آدم کی وہ شمعِ جانفزا
زندگی کی ظلمتوں کو جس نے روشن کر دیا

صبح کے نغموں سے پر ہے اس کا سازِ زندگی
اس کی چشمِ دوربیں آگاہ رازِ زندگی

سادگی پر اس کی قرباں سیکڑوں رنگینیاں
اس کی خاموشی میں پنہاں اس کا اندازِ بیاں

ہو اگر حاصل مقدر سے نگاہِ ژرف بیں
اس کے قدموں کے ہے زیرِ سایہ فردوسِ بریں

اس کی آغوشِ کرم طفلی کی جنت سر بسر
اس کا زانو تختِ شاہی دستِ شفقت تاجِ زر

ہے معلم درسِ اول کے پڑھانے کے لئے
خضرِ رہ ہے منزلِ مقصد بتانے کے لیے

ہیں مثالِ مہ جو ہستی کے افق پر جلوہ گر
ہیں اسی معدن کے وہ سارے درخشندہ گہر

جن کی نکہت سے مشامِ دو جہاں ہے فیضیاب
ہیں اسی گلشن کے پروردہ وہ گلہائے خوش آب

استواری اور استقلال میں مشہور ہے
وقت کی یورش سے اس کے دل کی دنیا دور ہے

اس کا زیور ہے عمل پوشاک ہے صبر و قرار
غم کی تلخی میں بھی ہے اس کا تخیل خوشگوار

ہے وہ صابر دل میں پوشیدہ گو غم کے شرار
چہرہ سے لیکن نہ ہوگی دل کی حالت آشکار

تختۂ مشقِ ستم یا کشتۂ بیداد ہو
پھر بھی ناممکن زباں آلودہ فریاد ہو

ملتے ہیں اکثر وفاؤں کے ثمر جور و ستم
پھر بھی ہے پابندِ آئینِ وفا اس کا قدم

خیر خواہِ قوم ہے اس کا دلِ درد آشنا
ہے سراپا صدق و صبر و مہر و ایثار و وفا

آ گئی وہ اس کے دل کا جذبۂ بے اختیار
کرتی ہے وہ اپنی ہمت سے کڑی راہوں کو پار

بیدلؔ اس جنسِ گراں مایہ کی ارزانی ہے آج
ماند اس نایاب گوہر کی درخشانی ہے آج

غزل

دیکھ کر اذنِ طرب ساقی میخانے کا
جھک کے منہ چوم لیا شیشے نے پیمانے کا

سازِ عشرت سے نکلتی ہے صدائے ماتم
کیا یہ دنیا ہے مرقع مرے غم خانے کا

نظر آتی ہے ہر اک بت میں خدا کی صورت
سلسلہ کعبہ سے ملتا ہے صنم خانے کا

آج وہ محفلِ اغیار میں آتا ہے نظر
دل مرا آئینہ ہے جس کے پری خانے کا

درس لے زندگی شمع سے اے پروانے
عاشقی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا[1]

حرم و دیر میں کس طرح لگے دل اُس کا
جس کی نظروں میں ہو نقشہ ترے کاشانے کا

دیکھ جاؤ مرے مرنے کا تماشہ تم بھی
آخری باب ہے یہ زیست کے افسانے کا

بیدلؔ اس طرح سے کچھ عمر بسر کی ہم نے
زندگی کا ہوا اطلاق نہ مر جانے کا[2]

---

[1] فانی:-

ہر نفس عمرِ گذشتہ کی ہے میت فانیؔ
زندگی نام ہے مر مر کے جیے جانے کا

[2] فانی:-

فانی کی زندگی بھی کچھ زندگی تھی یارب
موت اور زندگی میں کچھ فرق چاہئے تھا

بیکس :- محترمہ بلقیس فاطمہ۔

محترمہ بلقیس فاطمہ بیکس محترمہ عبرت کی دختر ہیں اور گوالیار کی رہنے والی ہیں۔ آپ کے حالات جو آپ کے عزیز جناب خواجہ محفوظ حسین صاحب نے لشکر گوالیار سے لکھکر ارسال فرمائے ہیں درج ذیل ہیں:۔

"بلقیس فاطمہ صاحب بیکس ۵ ستمبر ۱۹۱۱ء کو بمقام میرٹھ پیدا ہوئیں تعلیم و تربیت سب گھر پر حاصل کی۔ آپ کی والدہ عبرت ایک شاعرہ اور نہایت اعلیٰ قسم کی خاتون ہیں۔ ماحول ہمیشہ ادبی اور سیاسی رہا جس نے بلقیس فاطمہ کے دل و دماغ پر اپنا گہرا عکس ڈالا۔ آپ کی تمام زندگی تاہنوز ادبی اور سیاسی رہی ہے۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں آپ نے ایک خواتین کی انجمن خود قائم کی جس کا نام "انجمن خواتین پردہ نشین" ہے۔ اسی اثناء میں مسلم لڑکیوں کے واسطے ایک اسکول بھی قائم کیا جس کا نام "قادریہ گرلز اسکول" ہے یہ اسکول مڈل (Middle) تک ہے۔

فارسی اور اردو میں آپ کو کافی دسترس ہے۔ بی۔ اے کی طالبات کو فارسی وغیرہ پڑھاتی ہیں۔ شاعری ۱۲ سال کی عمر سے شروع کی ہے۔ اول اول تو اس کی اصلاح والدہ صاحبہ نے فرمائی بعد میں قاضی محمد ریاض الدین انصاری۔ ایم۔ اے حیوری سے اصلاح لی۔

خان بہادر سید محمد حسین صاحب کے فرزند لفٹیننٹ سید محمد اطہر صاحب بی۔ اے (آکسن) کے ساتھ موصوفہ کی شادی ۲۱ فروری سنہ ۱۹۴۳ء کو ہوئی۔

راقم خواجہ محفوظ"

محترمہ کے ابتدائی کلام کا ایک مجموعہ بعنوان "جذباتِ بیکس" موسومہ بہ "نالۂ بیکس" ۱۹۳۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔ جس پر قاضی ریاض الدین صاحب ریاضؔ انصاری ایم۔ اے جیوری لشکر گوالیار نے مقدمہ لکھا ہے اور تمہید خود محترمہ نے تحریر کی ہے۔ یہ ۴۶ صفحات کی ایک مختصر کتاب ہے۔

محترمہ کے دل میں بچپن ہی سے قومی و ملی درد موجود ہے۔ آپ نے گوالیار میں ایک انجمن خواتین اور ایک مدرسۂ نسواں قائم کیا ہے جس کا ذکر اوپر آپ کے حالات میں آچکا ہے۔ ان کے علاوہ آپ نے "رضاکار مستورات" کی ایک جماعت بھی قائم کی جس کا کام بقول مقدمہ نگار۔ "شریف مسلمانوں کے یہاں شادی و غمی کے مواقع پر ان خاندانوں کی بقدرِ استطاعت اور موافق ضرورت امداد کرنا ہے۔ اور مراسم بیجا پر اصلاحی لکچر دینا ہے۔"

محترمہ نے ایک ایسے خاندان میں آنکھ کھولی جہاں تعلیم نسواں کو معیوب خیال کیا جاتا تھا۔ آپ نے جو کچھ حاصل کیا وہ اپنے ذاتی شوق و انہماک اور اپنی والدہ کی قابل تربیت میں حاصل کیا۔ آپ کی شاعری اور جذبۂ قومی کی ابتدا، جیسا کہ محترمہ نے خود "تمہید" میں تحریر فرمایا ہے نواب غلام احمد خاں صاحب احمدی سابق ممبر کونسل آف ریجنسی گوالیار کی تصنیف "صبح نور" کے مطالعہ سے ہوئی۔ اس کے بعد علامہ اقبالؔ اور مولانا حالیؔ کی نظموں کے مطالعہ نے آپ کو متاثر کیا اور اُس وقت سے آپ قومی و ملی رنگ میں کہنے لگیں۔ آپ نہایت متشرع اور پردہ نشین

خاتون ہیں اور مسلمان بچیوں کے لئے مذہبی تعلیم کو نہایت ضروری خیال کرتی ہیں۔
محترمہ نے مجاز کی نظموں پر جو تضمینیں لکھی ہیں اور ان میں جن شریفانہ جذبات اور خیالات کا اظہار کیا ہے وہ خواتین کے لئے لائق فخر ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ابھی محترمہ کے کلام میں فن کارانہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکی ہے مگر آپ نے اپنی منزل کی "سمت" دریافت کر لی ہے اور آپ راستے میں ہیں۔ آپ نے اپنا ایک رنگ مخصوص کر لیا ہے اور امید ہے کہ مشق، تجربہ اور عمر کے ساتھ ساتھ آپ کے کلام میں بھی پختگی پیدا ہو جائے گی۔ آپکے مرسلہ کلام کا انتخاب درج ذیل ہے:۔

نوجوان خاتون سے

تضمین بر نظم مجاز

حجاب علم یزل سے ہمنے سیکھی ہے حیاداری
کہ صدف کے دم سے حاصل ہے گہر کو بھی ضیاباری
اسی پردے نے بخشی روح عالم کو سبکساری
تقاضا کس لیئے ہے کیوں ہوا ہے حکم یہ جاری

"حجاب فتنہ پرور اب اٹھا لیتی تو اچھا تھا
خود اپنے حسن کو پردا بنا لیتی تو اچھا تھا"

ہماری پاس جو ہتھیار ہیں ہم ان سے واقف ہیں
ہمارے جو نہاں کردار ہیں ہم ان سے واقف ہیں
ہماری پاس ضبط وار ہیں ہم ان سے واقف ہیں
جو یہ کہتے ہیں وہ غدار ہیں ہم ان سے واقف ہیں

"تیری نیچی نظر خود تیری عصمت کی محافظ ہے
تو اس نشتر کی تیزی آزما لیتی تو اچھا تھا"

ہمیں معلوم ہے عورت کی جو کچھ ہے عملداری
کہیں ہے ٹھوکروں میں اور کہیں ہے بادہ بیچاری

کہیں وہ ملکۂ دل بن کے کرتی ہے جہانداری
یہ فرما کر نہ کیجے آپ مستورات کی خواری
"تری چین جبیں خود اک سزا قانونِ فطرت میں
اسی شمشیر سے کارِ سزا لیتی تو اچھا تھا"

تمھارے اس تملق نے کیا برباد لاکھوں کو
تمھاری اس خوشامد نے کیا رسوا ہزاروں کو
بھلی لگنے لگیں باتیں یہ خاتونوں کے کانوں کو
انھیں باتوں نے کر ڈالا انھوں نے چاپ میروں کو
"ترے زیرِ نگیں گھر ہو محل ہو قصر ہو کچھ ہو
میں یہ کہتا ہوں تو ارض و سما لیتی تو اچھا تھا"

کہیں تو رات دن فتنے جگانے کا تقاضا ہے
کہیں گانے بجانے کے لیے ارشاد ہوتا ہے
کہیں ارض و سما لینے کا ہم کو حکم ملتا ہے
پھر اس پر بھی یہ فرمانا تماشا ہی اچھا ہے
"اگر خلوت میں تو نے سر اٹھایا بھی تو کیا حاصل
بھری محفل میں آکر سر جھکا لیتی تو اچھا تھا"

پھکڑ چوڑیاں نسوانیت پر مٹنے کہتے ہیں
بہت چین جبیں کی تمکنت پر مٹنے کہتے ہیں
بھلا وہ اور کہیں شیطانیت پر مٹنے کہتے ہیں
سبحان اللہ وہ تو حریت پر مٹنے کہتے ہیں
"ترے ماتھے پہ یہ آنچل بہت ہی خوب ہے لیکن
تو اس آنچل سے ایک پرچم بنا لیتی تو اچھا تھا"

تضمین متضاد بر نظم مجاز "ارباب نشاط"

چھا گیا افلاکِ عبرت پر جو ابرِ ارتقا
چھین کر نورِ بصر خورشیدِ غیرت چھپ گیا
بجلیاں گرنے لگیں عزت کا خرمن جل اٹھا
"عہدِ روشن" نے کیا پھر تو چراغاں جا بجا

"دیدنی تھا نازنینانِ تمدن کا ہجوم
بے حقیقت تھے نگاہوں میں مہ و مہر و نجوم"

عشوۂ ترکانہ ہر جا محوِ بیخود بیحجاب
حسن و رنگینی کے ہر سو کھلکھلاتے تھے گلاب

محو شانِ ہند ڈالے جا بجا دامِ شباب
دے رہے تھے جامِ صہبا تھا عجب دورِ شراب

"ناز پروردہ حسین اُو کارِ غم سے بے نیاز
مہ جبینانِ حرم قیدِ حرم سے بے نیاز"

جن کی بے باکی پہ دنیائے شرافت شرمسار
جن کی بربادی پہ تھی تہذیبِ مشرق سوگوار

جن کی بے عنوانیوں سے بیحجابی آشکار
حسنِ خانہ جلوہ بازار کا آئینہ دار

"جن کی اک جنبش سے بنیادِ حرم میں ارتعاش
جن کی اک ٹھوکر سے زنجیرِ قدامت پاش پاش"

قشقۂ سیمائے آزادی ہوئیں رُسوائیاں
غازۂ روئے شرافت بن گئیں بے باکیاں

پیرہن جسمِ نگاریں کا ہوئیں عریانیاں
پھر سرِ بازار ہیں ہر سو غضب لمعہ چیکاں

"وہ حسین پیشانیاں آئینۂ تمکینِ ناز
وہ رسیلی مدبھری آنکھیں وہ مژگانِ دراز"

ہیں یہ تابوتِ تمدن اپنے کاندھوں پر لئے
اپنے صدیوں کے چلن جلتی ہیں ٹھکرائے ہوئے

کفر کا جادو جگائے دین سے پردہ کئے
دخترانِ اہلِ عرفاں کیا یہی ہیں دیکھئے

"وہ سبک چاندی سے پیکر وہ جوانی کا نکھار
آذرِ فطرت کی صناعی کے زندہ شاہکار"

کیا انھیں کے واسطے اتری تھیں آیاتِ حجاب
اب چمکتی ہیں جو بن کر آسماں پر آفتاب

آنکھ جھپکاتا ہے جنکو دیکھ کر تیغ و شباب
بجلیاں چمکا رہا ہے جن کا یوں دورِ شباب

رُخ پہ شادابی لبوں پر رنگِ تبسم برق پاش
چست پیراہن نمایاں جسمِ سیمیں کی تراش

وعدۂ فردا کہاں یہ رنگ سامانی کہاں
حور و غلماں کا تصور جم نہیں سکتا یہاں

ختم کیجے داستاں ہوتی ہے کانوں پر گراں
سُن رہے ہیں ہم بھلا کر اپنا سب سود و زیاں

نغمے جن میں صبا کا راگ پیاروں کے گیت
نقرئی نے کی صدا جنت کے مہ پاروں کے گیت

تیغ "لا" سے تھے کبھی جو صف شکن باطل شکن
دیدہ یہ جن کا نرالا اور انوکھا تھا چلن

جن کی صولت سے دھڑکتے تھے صنم اور برہمن
راگِ وحدت کے مغنی سنتے ہیں ہو کر مگن

جام زریں کی کھنک سی قلقلِ مینا کے ساتھ
قدسیوں کی لے سرودِ بربطِ زہرا کے ساتھ

جو مجسم نورِ یزداں ضربِ الا اللہ سے
جس کے پرتو سے بنیں لاکھوں جہاں انوار کے

جس کی رفعت رفعتِ اوجِ ثریا سے ملے
وہ بتوں کے قہقہوں پر جان دینے والے یوں

شوخیِ لب ناز فرما خندۂ بیباک پر
نور و موسیقی کی اک بارش سی فرشِ خاک پر

خطاب بہ دلدادگانِ عصرِ نو

اسلام کی عزت کو مٹا ڈالنے والو
اسلام کی بنیاد ہلا ڈالنے والو

اسلام کی شمع کو بجھا ڈالنے والو
بنیادِ اخوت میں خلا ڈالنے والو

کیوں دامنِ اسلام پہ تم داغ ہوئی ہو
کس واسطے تم داعیِ اسلام ہوئی ہو

بدلی ہے طبیعت تو بدل ڈالو خدا بھی   بھاتی نہیں جب بات رسولِ عربی کی
آتی ہے پسند کفر و ضلالت کی فضا ہی   اب مٹ چکی جو دل میں نہاں بوئے وفا تھی

کیوں کرتے ہو بدنام محبت کو وفا کو
ہر حال میں جب چھوڑ چکے صدق و صفا کو

الفقر کی سنت کو بھلا بیٹھے ہو دل سے   پھر کہتے ہو پیرو ہیں رسول اور خدا کے
احکام سے پھر کر بھی یہ دعوے ہیں تمھارے   تم ہو گئے اب خواہش نفسانی کے چیلے

بدلی ہیں فضائیں چمنستانِ جہاں کی
بدلی ہوئی ہے طبع رسا پیر و جواں کی

دیتے ہیں پتہ جوہر ذاتی یہ تمھارے   بغلوں میں ہے قرآن تو شیطاں سے اشارے
کرتے ہو جو بے پردہ حسینوں کے نظارے   جذباتِ شریفانہ مٹے جاتے ہیں سارے

ہے تم کو نہ عزت کا نہ ناموس کا کھٹکا
تعلیم کی صہبا کا لگا خوب ہے چسکا

کافر بنو اور کافرہ بیٹی کو بناؤ   اغیار کی محفل ہو تو بیوی کو سجاؤ
ہو بزم طرب گرم تو بہنوں کو بلاؤ   بے باک مناظر ہوں تو ماں کو دکھاؤ

لو داد زمانہ سے زمانہ کی ہوا سے
کیا کام تمھیں دین سے ایماں سے خدا سے

نغمۂ ہندی

مہرو وفا سے ہاتھ دھلے ہیں نیا ہے منجدھار
پریم کی ڈوری ٹوٹ رہی ہے کیسے ہوں اُس پار
حرص و حسد ہیں دیدے گیانی دیدی پربھو آگ
بھائی برادر آپس والے جوگن ڈشٹی کا سکھلائیں
اپنوں سے جو دل برکاویں آگ تعصب کی بھڑکائیں
ان کی بدھی ٹھکرا دیجو رکھیو نا تو ایک سولاگ

شکوۂ خواتینِ مشرق

وفا آشنا دل ہمارا جو پایا
ہمیں خوب دل بھر کے تم نے ستایا
خدا کو تمھارا وتیرہ نہ بھایا
سروں پر تمھاری فلاکت کو آیا
قسم ہے کہ تہذیب مغرب کا سایہ

محبت کا پہنے ہوئے تھے جو گہنا
سدا ظلم سہنا مگر کچھ نہ کہنا
مصیبت میں پھنسکر بھی خاموش رہنا
ہمارا مقدر رہا ہمارا یہ کہنا
جفاؤں کو سہنا وفاؤں میں بہنا

ستم پر ستم جور پر جور سہتے
شرافت سے لیکن قدم بھر نہ ٹلتے
مروت میں جھکتے محبت میں مرتے
بحالِ زبوں صرفِ بیداد رہتے
مگر ظالموں کو بھی ظالم نہ کہتے

لقب ہم کو پاؤں کی جوتی ملا تھا
وفاؤں کا گویا ہماری صلہ تھا

مگر ہم کو پھر بھی نہ کوئی گلا تھا — یہ دل پھر بھی ہر وقت صرفِ دعا تھا
ہمارا یہ دل اور یہ حوصلہ تھا

بنا کر قفس میں ہمارا نشیمن — چڑھا کر دریچوں میں چلمن پہ چلمن
گھروں میں نہ رکھا کہیں ایک روزن — ہمیں کر دیا تم نے یوں زیرِ مدفن
نہیں گویا ہم کو تمنائے گلشن

مگر جس کو تم کہتے ہو دورِ رنگیں — اسی میں تمدن کی بربادیاں تھیں
لیے تھیں جو آغوش میں لطف تمکیں — انھیں نے یہ تم کو بہاریں دکھا دیں
جو تم پر قیامت کی گھڑیاں یہ آئیں

جو پردہ نشیں آشکارا ہوئی ہے — وہ بامِ فلک پر ستارا ہوئی ہے
جو اس دور میں جلوہ آرا ہوئی ہے — تمھارے دلوں کا سہارا ہوئی ہے
یہ کیوں بے حیائی گوارا ہوئی ہے

نہ جس میں حیا ہے نہ جس میں وفا ہے — مجسم ریا ہے سراپا دغا ہے
نہ بہرِ دعا ہے نہ بہرِ دوا ہے — خود آرائیوں میں فقط مبتلا ہے
بظاہر بلا ہے بہ باطن قضا ہے

ہمارے تو رکھا تھا آنچل کا پردہ — کیا ہم نے آوازِ چھاگل کا پردہ
ہوا ہم سے اندھے کا پاگل کا پردہ — کیا دل کا آنکھوں کا کاجل کا پردہ
قیامت کا آفت کا ہلچل کا پردہ

تو پھر اب یہ بے پردگی عام کیوں ہے — مہِ مشرقی برسرِ بام کیوں ہے
یہ صبحِ تفاخر میں اب شام کیوں ہے — یہ خودداریوں کا خوش انجام کیوں ہے

اب ان جوتیوں پر یہ انعام کیوں ہے

دخترِ ہندی

مندرجہ ذیل نظم آج سے ۱۳ سال پہلے لکھی گئی جبکہ قومی خدمات پر گامزن ہونے میں دقتوں اور مشکلوں سے زبردست تصادم ہوا تھا۔

پامالِ جفا جذبۂ معصوم ہے تیرا — اے دخترکِ ہند یہ مقسوم ہے تیرا
جس گھر میں ولادت سے ہوا تیری اُجالا — جس گھر میں تری آنکھ کھلی ہوش سنبھالا
صد گونہ تلطف میں محبت میں پلی تو — آنکھوں میں بھری دل میں بسی گھر میں رہی تو
گو تجھ پہ اعزہ کے مراعات بہت ہیں — ہر ایک کے الطاف و عنایات بہت ہیں
قصہ نہیں سنتا کوئی لیکن ترے دل کا — دستور یہاں ہی ہے ہر قوم و ملل کا
جذبات کی تیرے کوئی پرسش نہیں ہوتی — "عورت ہے" ترے دل کی پرستش نہیں ہوتی
ہوتا نہیں کچھ پاس ترے ذوقِ طبع کا — ہونا نہیں یاں درد کا دخترکے مداوا
لب ہائے سکوں ساز سے کچھ کہہ نہیں سکتی — جذبات کے طوفاں میں زباں ہل نہیں سکتی
ہوتی رہی دنیا میں یہی مشقِ ستم تو — مقسوم یہی ہو کہ رہے حرفِ الم تو

غزلیات [۱]

حیف ہے اپنی زیست پر ایسے مٹے ہیں آئیں — لطف نہیں نیاز میں کیف نہیں نماز میں

[۱] انتخاب از نالۂ بیکس

میرے دلِ زار کا ظرف تو دیکھئے ذرا
جلوۂ طور ہے لیئے اپنی حریم ناز میں
بیکسِ زار کا تو راز پھر بھی نہ پا سکا کوئی
ہوتی ہے نعرہ بلند سوز کی غم کے ساز میں

جس کو سینچا تھا کبھی خون جگر سے تو نے
آج ہوتا ہے وہی تیرا گلستاں برباد
ہے دعا تجھ سے جو بیکس کی خدایا سن لے
ورنہ ہو جائیگا مسلم کا گلستاں برباد

لیلیٰ پردہ نشیں تو نے ستم کیا کر دیا
بیٹھ کر پردہ میں کیا خود کو رسوا کر دیا
کون پا سکتا ترے راز نہانی کو مگر
تو نے اپنے ہاتھ سے سب رازِ افشا کر دیا
بیٹھکر ہر محل دل میں تماشائی بنا
اور کل مخلوق کو وقفِ تماشا کر دیا

شمع محترمہ عظمت اقبال

محترمہ عظمت اقبال کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں (صفحہ ۵۶ تا صفحہ ۵۶۱)

عظمت تخلص سے تحت ہو چکا تھا۔ پہلے آپ عظمت تخلص کرتی تھیں مگر شوہر کی وفات کے بعد سے اس کو ترک کر کے شمع تخلص کرنے لگی ہیں، راقم السطور کے نام آپ اپنے ایک خط میں تحریر فرماتی ہیں۔

"شروع شروع میں میں عظمت ہی تخلص کیا کرتی تھی۔ اور اس وقت تک اس کے تبدیل کرنے کا کوئی خیال پیدا نہ ہوا جب تک کہ میری زندگی جو کہ مسلسل قہقہہ تھی آنسوؤں کا تار ہو کر نہ رہ گئی"

آپ چودھری نعمت اللہ صاحب ایڈووکیٹ (لکھنؤ) کی صاحبزادی اور محترمہ



عظمت اقبال 'شمع'



رابعہ

کنیز فاطمہ حیاؔ کی چھوٹی بہن ہیں۔ آپ کی زندگی ایک غم انگیز افسانہ ہے جس کا اثر آپ کی شاعری پر بدرجہ اتم موجود ہے آپ کی شاعری خود آپ ہی کے لفظوں میں "عشق کا گذرا ہوا افسانہ" اور "اُجڑے ہوئے دل کی داستان" ہے۔ آپ کا کلام سوز و گداز میں ڈوبا ہوا ہے اس میں جوش و تپش اور یاس و حسرت کے تمام دلائل موجود ہیں۔ امید ہے کہ زمانہ کے ساتھ کلام میں پختگی بھی پیدا ہو جائے گی۔

محترمہ کے خود نوشت حالات اور مرسلہ کلام درج ذیل ہے:۔

"اوائل عمری کے زمانہ میں اپنی بڑی ہمشیرہ صاحبہ (حیاؔ) کی دیکھا دیکھی میں نے بھی شعر کہے اور میری بہن نے اصلاح کر دی۔ پھر پڑھنے لکھنے کی مصروفیت میں وہ ذوق پروان نہ چڑھ سکا اور میری شادی ہو گئی، اس درمیان میں بھی میں شاعری سے بیگانہ محض رہی۔ مگر زمانہ نے مجھے پانچ ہی سال بعد مجھے ایک ایسے صدمے سے دوچار کر دیا جس کا تصور ہی زندہ درگور کرنے کو کافی تھا لیکن مشیت کے سامنے دنیا ہمیشہ سرِ تسلیم خم کرتی رہی ہے اسی طرح میں بھی اپنے پرستار اور فرشتہ خصلت شوہر سے جدا کر لی گئی، بہر نوع میرے دل کی گہرائیوں سے جو بے پناہ غم کی آہیں لبوں پر آجاتی ہیں یہ وہی پارے ہیں چاہے انھیں کوئی شاعری سے تعبیر کرے چاہے میرے المناک آنسوؤں اور آہوں سے!

عظمت اقبال شمع"

داستانِ درد

دردِ دل بھتنم جا ذرا آنسو بہانے دے مجھے
عشق کا گزرا فسانہ یاد آنے دے مجھے

اُف سُلگ اُٹھا ہے سارا جسم دل کی آگ سے
آتشِ دل اشکِ خونیں سے بجھانے دے مجھے

ڈوبتی ہے کشتیٔ دل ناخدا کوئی نہیں
کشتیٔ دل آج پھر ساحل پہ لانے دے مجھے

اے دلِ ناکام ارمانوں کا ماتم کب تلک
حسرتوں کی آج اک تربت بنانے دے مجھے

پھر تصوّر گریہ سامانی کے طوفانوں میں ہے
پھر جبینِ شوق قدموں پر جھکانے دے مجھے

ان دنوں پھر بزمِ دل ہے آہ کیوں اُجڑی ہوئی
اک خیال و خواب کی دنیا بسانے دے مجھے

ضبطِ غم کی انتہا ہے شمعِ سوزِ نہاں!
داستاں اُجڑے ہوئے دل کی سنانے دے مجھے

دل میں جب سینوں کی لذتیں پاتی ہوں میں
ہوش کی منزل سے کوسوں دور ہو جاتی ہوں میں

یہ گھٹائیں یہ بہاریں، یہ ہوائیں، یہ فضا
ہر گلِ نظارہ میں فطرت کی بُو پاتی ہوں میں

اک کشا کش ہر قدم، ہر لحظہ پیش اک امتحاں
ہر نفس بہرِ نظامِ زندگی پاتی ہوں میں

کارفرما کون سی قوت دلِ محزوں میں ہے
جی میں کیا کچھ ہے مگر کہنے نہیں پاتی ہوں میں

ہر تبسم بھی میرا اک داستانِ درد ہے
مسکراتی ہوں تو اشک آنکھوں میں بھر لاتی ہوں میں

ضبطِ غم کی چارہ فرمائی کو گذریں مدتیں
زندگی کی کشمکش سے اب تو گھبراتی ہوں میں

سازِ خاموشی میں بھی ہیں غم کے نغمے صد ہزار
آشکارا ہے وہ جس کو راز بتلاتی ہوں میں

کتنی لامحدود ہیں اس بیخودی کی وسعتیں
منزلِ ادراک سے آگے بڑھی جاتی ہوں میں

نبضِ غم ساکت ہے، اور نباضِ فطرت ہے خموش
جیسے اک کھوئی ہوئی شے آج پھر پاتی ہوں میں

گرچہ شمع جل بجھی شمع شبستانِ اُمید
دل کے خاکستر میں کچھ اب بھی شرر پاتی ہوں میں

جوانی میری آہِ آتشیں معلوم ہوتی ہے
کوئی برقِ طپاں دل کے قریں معلوم ہوتی ہے

نظر کی وسعتوں میں ان کے جلوے بس گئے ایسے

کہ ہر صورت نگاہوں میں حسیں معلوم ہوتی ہے
گرے پڑتے ہیں سجدے خم ہوئی جاتی ہے پیشانی
نظر کو حسن ہی کی سرزمیں معلوم ہوتی ہے
ہوئی تکمیل شاید آج اے سوزِ دروں تیری
کہ اب ہر سانس آہِ آتشیں معلوم ہوتی ہے
مجھے معلوم ہے انجام کو دنیائے فانی کا
خدایا پھر بھی کتنی دل نشیں معلوم ہوتی ہے
جدائی نے حدیں وہ کھینچ دی ہیں وائے محرومی
کہیں پر منزلِ مقصد نہیں معلوم ہوتی ہے
مری دردِ محبت کی خلش کو پوچھتا کیا ہے
کہاں بتلاؤں ہمدم ہر کہیں معلوم ہوتی ہے
میری مدہوشیوں کو واسطہ کیا جام و مینا سے
کہ اب ہر تلخیٔ مے انگبیں معلوم ہوتی ہے
رہِ غربت میں رک جاتے ہیں تھک کر جب قدم میرے
مجھے جب سے میری منزل وہیں معلوم ہوتی ہے
سمجھنے کا نہ قصہ اور نہ دکھلانے کی شے الفت
نظر سے دور اور دل کے قریں معلوم ہوتی ہے
کسی کے نام پر تج دی ہے شمعِ زندگی اپنی
تو پھر شکووں کی گنجایش نہیں معلوم ہوتی ہے

اشاریہ

اشاریہ

(چ)

ح

(خ)

(غ)

(ف)

(ق)

(ن)

ختم شد